WWW.PAKSOCIETY.COM
اگر ملنا نہیں ہمدم
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

پیش لفظ مجھے لکھنا مشکل لگتا ہے کیونکہ

یہ پل دو پل کی بات نہیں

یہ نصف صدی کا قصہ ہے

تو جناب! نصف صدی کے قصے کو ایک صفحہ پر لکھ دینا مشکل ہی ہوگا۔ مختصر یہ کہ کم عمری سے لکھ رہی ہوں۔ پہلا ناول "غم دل" 21 سال کی عمر میں لکھا۔ اس کے بعد فوراً ہی دوسرا ناول "اپنی منزل"۔ یہ دونوں ناول اسی زمانے میں فروغ ادب سے شائع ہوئے تھے۔ یہ ادارہ جناب سرور کیفی مرحوم کا تھا۔ تین ناول خواتین ڈائجسٹ نے شائع کئے۔ ایک ناول خود ہی شائع کروایا تھا۔ ناول "خلش" کتابیات پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ "سرابِ زندگی" دہلی سے شائع ہوا۔ بعد ازاں پاکستان میں بھی شائع ہوا۔ میں نے بچوں کے لئے بھی لکھا ہے اس لئے دو کتابیں فیروز سنز نے اور دو کتابیں ہمدرد کے ادارے سے شائع ہوئیں۔ ایک اسلام آباد یونیورسٹی سے شائع ہونے والی ہے۔

"اگر ملنا نہیں ہمدم" پاکیزہ ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہو رہی تھی جو کہ ابھی مکمل ہوئی اور اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا بیڑا جناب محمد علی قریشی نے اٹھایا ہے۔ میں ان کی بے حد مشکور و ممنون ہوں کہ وہ میری کتاب شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

میرے لکھنے کا مخصوص انداز ہے۔ کسی بھی رائٹر کی تحریر اس کے کردار کا آئینہ ہوتی ہے جس میں وہ اپنی ذاتی پسند، ناپسند، خیالات، حالات، جذبات، توقعات کو الفاظ کے ذریعے منظر عام پر لاتا ہے۔ لکھنے والے کی ذاتی زندگی، رہن سہن، اس کی تعلیم، گھر کا ماحول حتیٰ کہ دنیاوی سٹیٹس تک اس کی تحریر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

میں ذاتی طور پر اعلیٰ کردار اور اعلیٰ تعلیم کو قابل توجہ سمجھتی ہوں اور میرے نزدیک خوبصورتی کا معیار یہ ہے کہ انسان کے چہرے پر حیا اور پاکیزگی ہو۔ اور یہی باتیں میں اپنی تحریروں میں

احاگر کرتی ہوں۔

محبت ایک حقیقت ہے۔ یہ آفاقی اور پاکیزہ جذبہ ہے۔ اسے پاکیزہ ہی رہنا چاہئے۔ اسے ہر حال میں آلودگی سے بچانا چاہئے۔

ویسے تو میری بہت سی کتابیں ہیں لیکن یہ میرا بارھواں ناول ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے قلم کو اچھی بات لکھنے کے لئے متحرک رکھے۔ (آمین)

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

ارسلہ آج یونیورسٹی جلدی پہنچ گئی تھی۔ وہ آنرز سال اول کی طالبہ تھی۔ اگرچہ اس نے ایف ایس سی میں بائیولوجی گروپ لے رکھا تھا' مگر اب اس نے اپنا مضمون تبدیل کر کے اکنامکس میں داخلہ لیا تھا۔ وہ ایک خوش شکل، خوش مزاج اور ذہین لڑکی تھی۔ قدرت نے اسے شاعرانہ ذہن عطا کیا تھا۔ وہ بہت کم عمری ہی سے شعر کہنے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی شاعری میں پختگی آتی جا رہی تھی اور اب وہ اکثر رسالوں اور اخباروں میں بھی چھپنے لگی تھی۔ سکول اور کالج کے زمانے میں وہ تمام ادبی پروگراموں میں شامل ہوتی ہی تھی اور کسی نہ کسی عہدے پر بھی فائز رہی تھی۔ اس نے ایک گرلز کالج سے ایف ایس سی کیا تھا اور اپنی ٹیچرز کی پسندیدہ شاگرد رہی تھی۔

یونیورسٹی جوائن کیے اسے ایک ماہ ہی ہوا تھا۔ آج جب وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ پہنچی تو اس وقت تک اس کی کلاس فیلوز میں سے کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ یونہی کاریڈور میں کھڑی ہو گئی۔ تبھی فائنل ایئر کا طالب علم عبدالرافع آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر رک گیا۔

''السلام علیکم!'' رافع نے اس کے قریب رک کر کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میرا نام رافع ہے۔ میں فائنل میں پڑھتا ہوں۔ اس سال وائس پریذیڈنٹ کی پوسٹ کے لئے کھڑا ہو رہا ہوں۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ اگر آپ وقت دے سکیں...... پلیز!''

''شیور......'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''آپ بات کریں' میں سن رہی ہوں۔''

''آئیں سیمینار میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

"چلیں۔" وہ اس کے پیچھے چل دی۔ سیمینار میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"مس ارسلہ! میں آپ سے یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ جنرل سیکرٹری کے لئے کھڑی ہو جائیں۔ آپ نے اپنا نام اس پوسٹ کے لئے کیوں نہیں دیا؟"

"لیکن آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں۔ جب کہ آپ مجھے جانتے بھی نہیں۔"

"میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ کی ادبی صلاحیتوں سے واقفیت ہے مجھے۔ اس لئے آپ سے کہہ رہا ہوں۔"

"مگر آپ کس طرح......؟"

"میں نے آپ کی شاعری پڑھی ہے۔ میری ایک کزن شمائلہ آپ کی کلاس فیلو رہ چکی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے ضرور ملوں اور اس سلسلے میں بات کروں۔"

"اچھا...... آپ شمائلہ کے کزن ہیں۔ کہاں ہوتی ہے وہ؟"

"فی الحال تو گھر پر ہی ہے۔ میڈیکل میں ایڈمیشن کا انتظار کر رہی ہے۔" رافع نے کہا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میں نے اس بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں اور میں یہاں بالکل نئی آئی ہوں۔ نہ میں کسی کو جانتی ہوں اور نہ کوئی مجھے جانتا ہے' پھر سینئرز بھی ہیں۔ میں ان کے مقابلہ میں شاید سلیکٹ بھی نہ ہو پاؤں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ پلیز اپنا نام دے دیں۔ ابھی تو وقت ہے۔ دراصل میں وائس پریذیڈنٹ کے لئے بلامقابلہ سلیکٹ ہونے جا رہا ہوں۔ شاید یہ بات آپ کے علم میں نہیں ہو گی اور میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ جنرل سیکرٹری آپ جیسی ٹیلینٹڈ لڑکی ہو۔ آپ کی کامیابی کی ضمانت میں دیتا ہوں۔ میرے ذہن میں بہت سے آئیڈیاز ہیں۔ ہم بہت سے ادبی تقریری مقابلے' بیت بازی کے پروگرام وغیرہ کریں گے۔ آپ کا تعاون مجھے چاہئے۔ پلیز انکار نہ کیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ کہہ رہے ہیں تو......"

"آپ آج ہی ڈاکٹر منیر کے پاس انٹری کروا دیں۔"

"او کے' اب میں چلوں؟"

"او یس...... میں بھی چل رہا ہوں۔ کلاس کا وقت ہونے والا ہے۔ آپ کا بہت بہت

شکریہ۔" بس پھر وہ رکا نہیں اچانک اٹھ کر چلا گیا۔ ارسلہ نے دیکھا وہ دراز قد کا ہینڈسم لڑکا تھا۔ پُرکشش اور تہذیب یافتہ۔

"مہذب ہونا کتنا ضروری ہوتا ہے۔" ارسلہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ "ورنہ انسان کی تمام تر پرسنیلٹی بیکار ہو جاتی ہے۔" اس نے اپنی کتابیں اٹھائیں اور کلاس روم کی طرف چل دی۔

❀ ❀ ❀

ارسلہ ڈیفنس سوسائٹی کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی تھی۔ گھر میں دو بیڈ روم تھے اور ایک ڈرائنگ روم' درمیان میں چھوٹا سا لاؤنج تھا۔ جس میں ایک صوفہ سیٹ اور ٹیلی ویژن سیٹ رکھا تھا۔ ایک طرف کھانے کی میز اور چھ کرسیاں تھیں۔ گھر میں صرف چار ہی افراد تھے۔ ارسلہ کے والد عبدالباقی' والدہ خالدہ بیگم اور ایک بڑی بہن سلمٰی رہتے تھے۔ باقی صاحب ایک کمپنی میں کام کرتے تھے۔ یہ ایک دوا ساز کمپنی تھی۔ اگرچہ ان کی تنخواہ معقول تھی' مگر کمر توڑ مہنگائی نے سب کی کمر توڑ رکھی تھی۔ خالدہ بیگم سلیقہ مند خاتون تھیں۔ سفید پوشی کا بھرم قائم تھا۔ سلمٰی نے بی اے اور بی ایڈ کیا تھا' اسے ایک سکول میں ملازمت مل گئی تھی۔ اس طرح سلمٰی' ارسلہ اور باقی صاحب چلے جاتے اور خالدہ بیگم گھر کے کام کاج میں مصروف رہتیں۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ لڑکیاں بھی مذہبی اقدار کی پابند تھیں' مگر ساتھ ہی وہ روشن خیال ماں باپ کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے لکھنے پڑھنے یا ارسلہ کی شعروشاعری نیز ادبی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں تھی بلکہ والدین کی مکمل سپورٹ حاصل تھی۔

رات کے کھانے پر جب چاروں اکٹھے ہوتے تو پورے دن کی روداد ایک دوسرے کو سنائی جاتی۔ ماں باپ کی طرف سے ملے ہوئے اعتماد نے ارسلہ کو اندر سے بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ وہ اپنی ادبی اور علمی سرگرمیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہی تھی۔ آج یونیورسٹی سے آنے کے بعد موقع ملتے ہی اس نے رافع کی کہی ہوئی بات سب کو بتا ڈالی۔

"ابو بتائیں...... کیا میں اس الیکشن میں کھڑی ہو جاؤں جنرل سیکرٹری کی پوسٹ کے لئے۔ حالانکہ میں جانتی ہوں میں سب سے جونیئر ہوں اور یہاں ڈیپارٹمنٹ میں تو خدا جانے کتنے ٹیلینٹڈ لوگ ہوں گے۔ میں تو کسی سے واقف بھی نہیں ہوں۔"

"بیٹی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ پھر تمہیں سپورٹ بھی مل رہی ہے۔ میں چاہتا

ہوں تم اپنی زندگی میں بہت کامیاب ہو۔ تمہارا شوق پروان چڑھے اور تمہارے نام سے میں پہچانا جاؤں۔''

''ابو آپ کتنے اچھے ہیں۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہوگئی۔

''امی آپ بھی تو کچھ بولیں۔''

''تمہارے ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ویسے بھی اس گھر میں سب کی رائے ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔ تم جانتی ہو یہ بات خصوصاً تمہارے ابو کی کسی بات سے میں نے کبھی اختلاف نہیں کیا۔''

''تمہاری امی ٹھیک کہتی ہیں۔'' ابو نے مسکرا کر کہا۔ ''انہوں نے ہمیشہ میری خواہشات' میرے جذبات کا خیال رکھا ہے' اسی لئے تو مجھے بھی زندگی میں کوئی دشواری ہوئی نہ ٹینشن۔''

''تمہارے ابو نے بھی ہمیشہ ہماری بھلائی ہی چاہی ہے۔ یہ بھی تم لوگ جانتی ہو۔'' امی نے کہا۔ پھر سلمیٰ سے مخاطب ہوئیں۔

''سلمیٰ تم کیوں خاموش بیٹھی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری.....؟''

''امی میرے سر میں ہلکا درد ہے۔ سکول میں پڑھانا ایک دردسر ہی ہے۔ کاپیاں چیک کرتے کرتے بُرا حال ہوگیا ہے۔''

''تو کوئی دوا لے لی ہوتی۔''

''چھوڑیں امی ذرا ذرا سی بات پہ کیا دوا کھانا۔ ابھی چائے پیوں گی تو درد ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے بھی آپ کچھ پڑھ کر پھونک دیجئے گا۔ بس اِدھر اللہ چھو کیا' اُدھر درد غائب۔'' امی کو ہنسی آ گئی۔

''اب ایسی بات بھی نہیں' لیکن دعاؤں میں بہرحال بہت اثر ہوتا ہے اور یہ بات مانی ہوئی ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔'' سلمیٰ نے کہا۔ پھر ارسلہ سے بولی۔

''ارسلہ تم بہت باتیں بنا چکی ہو۔ اب ایک کپ چائے بھی بنا ڈالو۔''

''ضرور ابھی بناتی ہوں۔'' وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر آ گئی۔ چھوٹے گھروں کی ایک یہی تو خوبی ہے کہ اگر انسان چاہے بھی تو ایک دوسرے سے دور نہیں رہ سکتا۔ دو قدم بڑھاؤ کمرے کے اندر دو چار قدم چلے تو باورچی خانہ۔ اگر کسی نے گھنٹی بجائی تو اکثر کرسی پر

بیٹھے ہی بیٹھے دروازہ کھول دیا۔ جگہ سے اٹھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

امی بے چاری کو یہی شکایت تھی کہ بالشت بھر کا گھر ہے۔ بیٹھے بیٹھے ٹانگیں شل ہو جاتی ہیں۔ وزن الگ بڑھ رہا ہے' مگر پھر بھی دو رکعت نماز شکرانہ پڑھنا نہ بھولتیں کہ اللہ نے سر چھپانے کو ٹھکانا دیا ہے۔ سستے زمانے میں باقی صاحب نے یہ فلیٹ چھ لاکھ میں خریدا تھا جس کی قیمت اب تیس لاکھ ہو چکی تھی اور وہ چھ لاکھ بھی بہت ہی ترکیبوں' سلیقہ مندی کی بدولت اور نہ جانے کس طرح جمع کیے گئے تھے۔ کچھ فنڈ سے رقم نکالی گئی' کچھ امی کا زیور رکھا بہرحال فلیٹ خرید لیا گیا اور اب سب اطمینان اور سکون سے زندگی گزار رہے تھے۔

ارسلہ کی صرف ایک ہی خالہ تھیں جو کہ حیدر آباد سندھ میں رہتی تھیں۔ ان کے شوہر ایڈووکیٹ اختر علی بہ حیثیت انسان تھے۔ ان کے دو بچے تھے عابد علی اور عرشیہ' عابد علی نے اکنامکس میں ماسٹرز کیا اور پھر انگلینڈ سے ایم بی اے کر کے سندھ یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے جبکہ عرشیہ میڈیکل کر رہی تھی۔ بچپن میں کبھی عابد علی اور سلمیٰ کی بات چلائی گئی تھی گو کہ باقاعدہ طے نہیں تھی' مگر بات کانوں میں پڑے تو دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ سلمیٰ کو بی ایڈ کر کے جاب کرتے سال گزر گیا تھا مگر خالہ کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں تھی۔ امی دل ہی دل میں پریشان رہتی تھیں مگر منہ سے کہنے کی عادت نہیں تھی۔ اتفاق ایسا تھا کہ سلمیٰ کے لئے کوئی اور رشتے آیا بھی نہیں تھا۔ خط لکھنے کا تو اب زمانہ ہی نہیں رہا تھا' البتہ ٹیلی فون پر رابطہ ہو جاتا تھا' مگر وہ بھی زیادہ نہیں کئی کئی ماہ ہو جاتے' دونوں گھرانوں میں بات نہ ہو پاتی۔

خالہ کراچی بھی نہیں آتی تھیں نہ ہی امی حیدر آباد جاتی تھیں۔ حالانکہ کون سا لمبا فاصلہ ہے' مگر اسی طرح گزر رہا تھا۔ سلمیٰ نہیں جانتی تھی کہ عابد علی کے دل میں کیا ہے' مگر وہ خود عابد کے لئے اپنے دل میں ایک گداز جذبہ رکھتی تھی۔ سلمیٰ کے مزاج میں سنجیدگی تھی۔ وہ ارسلہ کی طرح خوش و خرم اور شعر و شاعری میں مگن رہنے والی لڑکی نہیں تھی۔ اسے زمانے کے بدلتے مزاج کا بھی اندازہ تھا۔ ملک کے حالات بھی اسے پریشان کرتے تھے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے سفید پوشی قائم رکھنا مشکل کر دیا تھا اور جس طرح شادی بیاہ میں بے دریغ خرچ کیا جا رہا تھا اور نمود و نمائش پر لوگ فخر کر رہے تھے' وہ بھی نظروں کے سامنے تھے۔ سلمیٰ جانتی تھی اس میں لاکھ خوبیاں ہوں' سلیقہ مند ہو مگر ان باتوں کو کون دیکھتا ہے۔ لوگ مالی حیثیت دیکھتے ہیں اور خالو جان بھی اس دور کے انسان ہیں' جہاں صرف لینا...... فائدہ دیکھا جاتا ہے۔ جذبوں کی

قدر و قیمت بے معنی ہوتی ہے۔ اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ خالو جان اسے اپنی بہو بنائیں گے نہ ہی عابد بھائی نے کبھی کوئی بات کہی تھی۔ ہاں امی اور خالہ جان میں محبت تھی' مگر خالی خولی محبت سے کیا ہوتا ہے؟ امی کا ہاتھ خالی تھا۔

"کاش میرا کوئی بھائی ہوتا۔" سلمیٰ اکثر سوچتی۔ ابو کا سہارا بنتا' پڑھ لکھ کر اونچے عہدے پر لگا ہوتا تو حالات دوسرے ہوتے...... مگر یہاں تو ابو کے سوا کون ہے۔" اکثر کتاب کھولے وہ ان ہی خیالات میں گم ہو جاتی۔ ارسلہ اور سلمیٰ ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔ دونوں میں محبت تھی' دوستی بھی تھی' مگر سلمیٰ اپنے دل کی بات بہن سے کہنے کی عادی نہ تھی۔

رات کو دونوں بہنیں سونے لیٹیں سو ارسلہ نے کہا۔

"باجی آپ سے ایک بات کہوں؟"

"ہاں ضرور۔"

"آپ پرائیویٹ ایم اے کر لیجئے۔"

"میں بھی ایسا ہی سوچتی ہوں۔"

"واقعی...... تو پھر دیر کیوں' آپ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیں۔"

"لے لوں گی' مگر تم نے میرے لئے یہ بات کیوں سوچی؟"

"بس ایسے ہی...... ایک خیال آ گیا تھا۔"

"وہ کیا......؟"

"کہ عابد بھائی بہت پڑھے لکھے انسان ہیں۔ آپ کو بھی کم از کم ماسٹرز تو کر ہی لینا چاہئے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ارسلہ۔" میں ایسا بالکل نہیں سوچتی۔ میں تو خود ہی اپنے شوق کی خاطر تعلیم کو جاری رکھنا چاہتی ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے باجی' مگر آپ کے مزید پڑھنے سے عابد بھائی خوش تو ہوں گے۔ پتا نہیں امی اور خالہ جان میں کوئی بات ہوئی یا نہیں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی نہ ہونے کا امکان ہے۔ تم میری فکر کرنا چھوڑ دو اور اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔"

"ہر وقت کی پڑھائی...... میں تو بور ہو جاتی ہوں۔ اسی لئے پھر شاعری شروع کر دیتی

ہوں۔"

"شاعری تو تم کرتی ہی ہو' مگر خیالی دنیا میں نہیں رہنا بہن...... زندگی کی شاہراہ پر کانٹے زیادہ ہوتے ہیں پھول کم' یہ بات یاد رکھنا۔"

"واہ باجی اس وقت تو آپ شاعری کرنے لگیں۔ پھول اور کانٹے زندگی کی شاہراہ اور نہ جانے کیا کیا۔"

"یہ شاعری نہیں حقیقت ہے۔ اچھا اب چپ چاپ سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" یہ کہہ کر سلمیٰ نے کروٹ بدل لی۔ ارسلہ نے بھی آنکھیں موند لیں۔

❀ ❀ ❀

اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں خوب گہما گہمی تھی۔ الیکشن کی کمپین زوروں پر ہو رہی تھی۔ رافع وائس پریذیڈنٹ کے لئے بلا مقابلہ الیکٹ ہو چکا تھا۔ وہ گزشتہ برس بھی وی پی رہ چکا تھا اور اس کی کارکردگی شاندار تھی۔ اس لئے اس بار بھی اس کا چناؤ ہو گیا تھا۔ ارسلہ کے مدمقابل نگہت تھی۔ یہ آنرز فائنل کی لڑکی تھی۔ نگہت بہت بولڈ اور سٹرانگ تھی۔ وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی اور اسی بنیاد پر وہ بہت سے ووٹ لینے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ اس نے خود جا کر فرداً فرداً سب سے ریکوسٹ کی تھی۔ بے جھجک اور بے تکلف قسم کی لڑکی تھی۔ لڑکے اسے پسند کرتے تھے' بلکہ بہت سے تو آگے پیچھے بھی پھرتے تھے۔ ارسلہ کے بیک گراؤنڈ میں اس کی ذہانت' ماضی کے عہدے' انعامات اور کامیابیاں تھیں۔ اس کے علاوہ رافع کی بیکنگ تھی۔ اس نے انتہائی منظم طریقے سے ارسلہ کے لئے ووٹ ہموار کیے تھے۔ جس دن ووٹنگ تھی ارسلہ خاصی نروس تھی' جبکہ نگہت مطمئن...... ارسلہ کی واحد دوست سعدیہ اس کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔ سعدیہ سے اس کی دوستی یہاں ہی ہوئی تھی۔ اس کی اپنی کوئی کلاس فیلو اس کے ساتھ داخل نہیں ہوئی تھی' کیونکہ اس نے اپنا مضمون تبدیل کیا تھا۔ اس کے ساتھ کی بہت سی لڑکیاں میڈیکل کالج میں ہی جانا چاہ رہی تھیں جبکہ کچھ نے تو فارمیسی ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لے لیا تھا۔ ووٹنگ ختم ہوئی تو کاؤنٹنگ شروع ہو گئی۔ شام کے چار بجے رزلٹ اناؤنس ہونا تھے۔ وقت کاٹے نہ کٹتا تھا۔ بالآخر نتیجہ آ گیا۔

ارسلہ باقی صرف چار ووٹ سے جیت گئی تھی۔ نگہت اور اس کی سہیلیاں بجھ کر رہ گئیں' مگر رافع بے حد خوش تھا۔ اس نے سب سے پہلے ارسلہ کو مبارکباد دی۔

”بہت بہت مبارک ہو ارسلہ۔“

”شکریہ جناب! یہ سب آپ کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔“

”یہ آپ کی صلاحیتیں ہیں اور ماضی کا ریکارڈ جس نے آپ کو سرخرو کیا۔“

”پھر بھی میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ رافع آپ نے میری بہت مدد کی‘ بلکہ مشورہ ہی آپ کا تھا۔“

”اب اس خوشی میں ایک عدد پارٹی ہونی چاہئے۔“

”پارٹی آپ کی طرف سے ہونی چاہئے اس لئے کہ آپ نے وی پی کی پوسٹ سنبھالی ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔ کل میری طرف سے آپ سب لوگوں کے لئے ٹی پارٹی ہوگی شام چار بجے۔“ سب لڑکیوں نے تالیاں بجائیں۔

”لیکن ہم ارسلہ سے بھی پارٹی لیں گے۔“ کچھ نے کہا۔

”ہاں‘ کیوں نہیں...... میں نے کب انکار کیا ہے۔“ ارسلہ نے خوش دلی سے کہا۔

”پہلے میری پارٹی ہو لینے دو۔“ مس ارسلہ کی پارٹی میں ہم کچھ دوسرے پروگرام رکھ لیں گے۔“

”وہ کیا......؟“

”بس جب ان کی طرف سے پارٹی ہوگی تو ہم ان سے ان کی غزل یا نظم بھی سنیں گے۔“ رافع نے کہا۔

”اوہ گریٹ...... یہ ہوئی نا بات۔ بہت مزہ آئے گا۔ تو پھر آج ہی ڈیٹ طے ہو جانی چاہئے۔“ سعدیہ نے کہا۔

”مس ارسلہ خود بتائیں گی۔“ رافع نے کہا۔ ”اچھا اب میں چلتا ہوں۔ میرے دوست میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔“ رافع کے جانے کے بعد بہت سی لڑکیاں ارسلہ کے اردگرد جمع ہوگئیں اور پھر ٹریٹ کے سلسلے کے پروگرام طے ہونے لگے۔

❀ ❀ ❀

رافع کی طرف سے دی جانے والی ٹریٹ شاندار تھی۔ اس میں اس کی اپنی کلاس کے علاوہ کئی کلاسز کے طالب علم بھی شامل تھے۔ اساتذہ کو بھی انوائٹ کیا گیا تھا۔ رافع کو تمام

اساتذہ پسند کرتے تھے۔ اس کا اخلاق‘ کردار‘ انداز گفتگو اور تعلیمی پروگریس سب چیزوں نے مل کر اس کی شخصیت کو پُر وقار اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا۔ آنرز میں اس کی پہلی پوزیشن تھی اور اب ایم اے فائنل میں بھی اس ہی کی پوزیشن کے امکانات تھے۔

ارسلہ کے علاوہ اس کی دوست سعدیہ اور جوائنٹ سیکرٹری عظمیٰ عادل اور نگہت عرف نگی بھی مدعو تھی۔ اگرچہ نگہت نے ارسلہ کے مقابلہ شکست کھائی تھی‘ پھر بھی اس نے ارسلہ کو مبارکباد دی تھی۔ رافع کی پارٹی میں شرکت کے لئے اس نے خصوصی تیاری کی تھی۔ آج اس کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے نیلی کامدار ساڑی پہن رکھی تھی اور کانوں میں آویزے جھلملا رہے تھے۔ اونچی ایڑی کی سینڈل میں کھٹ کھٹ کرتی وہ ہر طرف بجلی گرا رہی تھی۔ لڑکے اسے پُرشوق نگاہوں سے دیکھ رہے تھے‘ جبکہ وہ خود رافع کو نگاہوں کے ذریعے دل میں اتار رہی تھی۔ رافع تو ہر کسی سے خوش اخلاقی سے ملتا تھا۔ نگہت نے اسے بطور خاص مبارکباد دی تو رافع نے بھی خوش دلی سے شکریہ ادا کیا۔

ارسلہ کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ سادہ سے کاٹن شلوار سوٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے انداز میں بے باکی نہیں تھی بلکہ احتیاط تھی۔ اس نے بھی سب سے مبارکبادیں وصول کی تھیں۔ باتیں کی تھیں‘ مگر وہ خود کو نمایاں کرنے کی خواہاں نہیں تھی۔ آج ہی کے دن ارسلہ کی طرف سے دی جانے والی ٹریٹ کا دن طے ہوگیا۔ دو روز بعد اسی جگہ اسی وقت سب کو جمع ہونا تھا۔ ارسلہ نے زیادہ لوگوں کو مدعو نہیں کیا تھا۔ اساتذہ کے علاوہ اپنی کلاس کے لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ رافع‘ عظمیٰ تو خصوصی مہمان تھے‘ مگر اس نے نگہت عرف نگی کو بھی مدعو کیا تھا اور اس کا فرض بھی بنتا تھا‘ کیونکہ وہ نگی کے مقابلے میں جیتی تھی۔ اگرچہ نگی کو شکست ہوئی تھی‘ لیکن اس کی شمولیت بھی ضروری تھی۔ آج بھی ارسلہ اپنے روایتی انداز میں موجود تھی۔ جبکہ نگہت نے آج کچھ زیادہ ہی تیاری کر ڈالی تھی۔ آج اس نے سرخ رنگ کا شلوار سوٹ پہنا تھا اور سفید موتیوں کے زیور سے خود کو آراستہ کیا تھا۔ وہ بلاشبہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس لئے تو تھا کہ وہ رافع کی توجہ حاصل کر سکے۔

ارسلہ میزبان تھی اس نے پارٹی شروع ہونے سے قبل دومنٹ کا افتتاحی خطاب کیا۔ رافع اور عظمیٰ کو مبارکباد دینے کے بعد سب کو چائے پینے کے لئے کہا۔ چائے کے بعد رافع

کے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق محفل جم گئی۔

''میں مس ارسلہ سے گزارش کروں گا کہ وہ اپنے کلام سے ہم سب کو مستفیض فرمائیں جیسا کہ آپ سب کو علم ہے کہ مس ارسلہ ایک اچھی شاعرہ ہیں تو اس موقع پر ہم سب کی خواہش ہوگی کہ ان سے کچھ سنا جائے۔'' رافع نے کھڑے ہو کر کہا تو سب نے تالیاں بجائیں۔

ارسلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے آ گئی۔ اس نے کہا۔

''مسٹر رافع نے میری تعریف میں لوگوں سے بہت کچھ کہہ رکھا ہے۔ میں شاعری کرتی ضرور ہوں مگر ابھی میری ابتدا ہے۔ مجھے کچھ اچھا لکھنا نہیں آتا۔ یہاں پر میرے اساتذہ بھی موجود ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں مجھے کچھ سناتے ہوئے عجیب سا لگ رہا ہے تاہم دوستوں کی فرمائش پر میں ایک غزل یا نظم جو کچھ آپ اسے کہیں میں پیش کرتی ہوں۔ پلیز آپ سب کسی ادبی سٹینڈرڈ پر مت پرکھیے گا۔ میں نے پہلے ہی کہا ہے میں تو سیکھنے کی سٹیج پر ہوں۔ ابھی مجھے بہت دور جانا ہے۔''

''کتنی دور تک......؟'' یہ نگہت کی آواز تھی۔

اس کے اس بے تکے جملے پر اسے کسی نے داد نہیں دی ماسوا اس کے دو دوستوں کے' جو اس جیسا ہی مزاج رکھتی تھیں۔ ارسلہ نے نگہت کی بات کی پروا نہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے اپنا کلام سنانا شروع کیا۔

زندگی کی اداس شاموں میں
تیری یادوں کے پھول کھلتے ہیں
ایک لمحہ خوشی کی آہٹ کا
جب کتابوں میں پھول ملتے ہیں
تیری آمد بہار ہو جیسے
کوہساروں میں پھول کھلتے ہیں
تو نے کلیوں سے دوستی کی ہے
میرے خوابوں میں پھول کھلتے ہیں
ٹوٹتے ہیں بکھر بھی جاتے ہیں
آندھیوں میں جو پھول کھلتے ہیں

زندگی کے سفر میں کھو کر بھی
ملنے والے ضرور ملتے ہیں

ارسلہ نے ٹھہر ٹھہر کر پُروقار طریقے سے اپنا کلام سنایا۔ سب نے تالیاں بجائیں۔ اساتذہ کی طرف سے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ کچھ دیر بعد نشست برخاست ہو گئی اور سب ایک ایک کر کے جانے لگے۔ نگہت مسکراتے ہوئے اس کے پاس آئی اور کہا۔

''کس کی یادوں کے پھول کھل رہے ہیں۔ کچھ پتا تو چلے؟' پھر خود ہی اضافہ کیا۔

''کہیں وہ رافع تو نہیں۔''

ارسلہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ سعدیہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ سعدیہ سے ضبط نہ سکا وہ بولی۔

''نگہت سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔ تمہیں اس طرح کی گفتگو کرنا زیب نہیں دیتا۔''

''او کے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ سارے لوگ جا چکے تھے۔ وہ کمرے کی صفائی کروا رہی تھی۔ ٹیبل پر بچھانے کی چادر اپنے گھر سے لے کر آئی تھی۔ اسے تہہ کر کے رکھ رہی تھی کہ شہاب آ گیا۔

''مس ارسلہ! میں آپ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ لیجیے پلیز۔'' اس نے سرخ گلاب کا پھول ارسلہ کو پیش کیا تو وہ حیران رہ گئی...... پریشان ہو گئی۔

''لے لیجیے پلیز...... پھول ہی تو ہے اسے کسی کتاب میں رکھ لیجیے گا آپ کا شعر مجھے پسند آیا......

ایک لمحہ خوشی کی آہٹ کا
جب کتابوں میں پھول ملتے ہیں

ارسلہ نے پھول لے لیا۔ شہاب نے شکریہ ادا کیا اور فوراً ہی وہاں سے چلا گیا۔ ارسلہ نے پھول اپنی اکنامکس کی کتاب کے بیچوں بیچ رکھ لیا۔ یہ سب کچھ لمحوں میں ہو گیا تھا۔ شہاب اس کی کلاس میں پڑھتا تھا۔ فرسٹ آنے والا سنجیدہ نوجوان' عام شکل صورت کا شریف لڑکا۔ اس سے اکثر بات چیت ہوتی تھی۔ بلکہ اکثر موضوعات بھی زیر بحث آتے اور وہ اسائنمنٹ کی تیاری میں مدد بھی کرتا۔ مگر اس نے تو کبھی اس کی جانب نظر بھر کر دیکھا تک نہ تھا' نہ کبھی کوئی جملہ کہا' مگر آج یوں اس نے سرخ پھول پیش کیا تھا۔ چپ چاپ سب کے چلے جانے کے

بعد۔ سرخ پھول محبت کی نشانی ہوتا ہے۔ اتنا تو وہ جانتی تھی' وہ شاعرہ تھی دلوں کو پڑھ لینا اسے آتا تھا' مگر وہ اس طرح کی لڑکی نہیں تھی کہ ان باتوں کی حوصلہ افزائی کرے۔ نہ ہی وہ کسی کے لئے کسی بھی انداز سے سوچنے پر تیار تھی۔ اسے اپنی زندگی بنانی تھی' بہت کچھ کرنا تھا۔ اسے تعلیم اور قلم کے ذریعے اپنا نام اپنا مقام بنانا تھا اور ابو کی خواہش بھی پوری کرنی تھی۔ خوشیاں بانٹنے والے' حوصلہ افزائی کرنے والے' ابو نے مجھے اعتماد کی دولت دی ہے۔ میں کبھی بھی ان کے اعتماد کو پاش پاش نہیں کروں گی۔ کبھی بھی نہیں......'' اس نے چادر تہہ کر کے بیگ میں ڈالی اور آہستہ قدموں سے باہر نکل آئی۔

❀ ❀ ❀

گھر پہنچی تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ اس نے جلدی سے کتابیں ایک جانب رکھیں اور غسل خانے میں وضو کرنے لگی۔ عصر کا وقت نکلا جا رہا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد کپڑے تبدیل کیے اور اپنے بستر پر آنکھیں موند کر لیٹ گئی پھر اچانک اسے کچھ یاد آ گیا۔

وہ سرخ گلاب اس کی اکنامکس کی کتاب میں رکھا تھا۔ وہ اٹھ گئی۔ کمرے میں ایک جانب بک شیلف رکھی تھی' جس میں تین خانے تھے اور کتابوں سے بھرے ہوئے۔ اس نے بائیولوجی کی پرانی کتاب نکالی انٹر سائنس کی اور اس کے درمیان وہ سرخ گلاب رکھ کر پریس کر دیا۔ کتاب واپس اپنی جگہ پر رکھ دی۔ سب سے نچلے خانے میں۔ وہ بائیولوجی کی سٹوڈنٹ رہ چکی تھی۔ اس نے نباتیات پڑھی تھی اور اسے پھول پتیاں وغیرہ پریس کرنے کا شوق تھا۔ اس سے قبل بھی وہ بہت طرح کے پھول پریس کر چکی تھی۔ اسے پھول اچھے لگتے تھے۔ اس کے پاس پریس کرنے کا سامان تو نہ تھا' مگر اسی طرح کرتی تھی کبھی کسی کتاب کے اندر کبھی پرانے جرنل میں رکھ دیتی۔ اس کی چیمبرز کی ڈکشنری میں جگہ جگہ پھول رکھے تھے پریس کیے ہوئے۔ شہاب احمد کا دیا ہوا پھول بھی پریس ہو گیا تھا۔

رات کے کھانے پر حسب معمول باتیں چھڑ گئیں۔ ابو نے سب کچھ کرید کرید کر پوچھا۔ انہیں اپنی اس بیٹی سے زیادہ محبت تھی' وہ بھی تفصیل سے بتاتی رہی۔ ابو سب کچھ سن کر خوش ہوتے رہے۔

''اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟'' ابو نے پوچھا۔

''کس سلسلے میں......؟''

''بھئی یہ جو الیکشن ہوئے ہیں تو جنرل سیکرٹری بنی ہو تو کیا کچھ کرنے کا ارادہ ہے اپنے شعبہ کے لئے۔''

''یہ تو میٹنگ میں طے ہوگا۔'' ارسلہ نے کہا۔ ''اگلے ہفتے ہماری میٹنگ ہے۔''

''کچھ پڑھائی لکھائی بھی ہوگی یا یہی کھیل تماشے میں لگی رہو گی۔'' امی نے ٹوکا۔

''امی میں تو پڑھائی میں بہت اچھی ہوں۔'' وہ اتر آئی۔

''یہ تو رزلٹ آنے پر پتا چلے گا۔'' سلمٰی نے زبان کھولی۔

''بالکل باجی! آپ دیکھیے گا میرا کتنا شاندار رزلٹ ہوگا انشاء اللہ۔''

''اس کے بعد کیا کرو گی' میرا مطلب ہے اکنامکس میں ماسٹرز کرنے کے بعد۔''

''افوہ باجی! آپ بہت آگے کی بات سوچ رہی ہیں۔ ابھی تو چار سالہ کورس کا آغاز ہے وقت خود ہی سب کچھ طے کر دیتا ہے باجی۔ پہلے سے پلاننگ کرنے سے کیا حاصل۔''

''پھر بھی کچھ تو سوچا ہوگا...... دراصل ابو بینک کی نوکری کے خلاف ہیں۔''

''کیوں ابو......؟''

''ہاں بیٹی' میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔''

''پھر آپ کی کیا رائے ہے؟''

''لڑکیوں کے لئے ٹیچنگ سب سے اچھا شعبہ ہے۔''

''اس ٹاپک پر پھر کبھی سوچ لیں گے۔ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔'' ارسلہ نے کہا۔

''بہت دنوں سے خالہ جان کے گھر سے فون نہیں آیا' نہ ہم لوگوں نے کیا۔ پتا نہیں وہ لوگ کیسے ہیں؟''

''تم لوگ کر لیا کرو فون۔'' امی نے کہا۔ ''آپا جان کو فون کرنے کی عادت نہیں۔''

''امی آپ بھی تو فون کرتے ہوئے گھبراتی ہیں۔''

''بھئی مجھ سے فون پر بات نہیں ہوتی۔ کہا نا تم لوگ کر لیا کرو۔''

''اچھا میں کل کر دوں گی۔ اتوار کو سب گھر پر ہوں گے۔ عرشیہ تو میڈیکل کر رہی ہے' وہ بھی مصروف رہتی ہوگی۔ دوسرا سال ہے اس کا۔''

''ارے بھئی مصروف تو سب ہی ہیں۔ کراچی کی مصروفیات اور مسائل کا علم تو ہر کسی کو ہے۔'' امی نے کہا۔

"ٹھیک ہے امی میں کل صبح ان کے گھر فون کروں گی۔" کافی دیر تک محفل جمی رہی۔ پھر ابو عشاء کی نماز کے لئے اٹھ گئے۔ امی بھی اٹھ گئی۔ باجی لاؤنج میں ٹی وی پروگرام دیکھنے میں مصروف ہو گئیں اور ارسلہ نے پڑھائی کا پروگرام بنایا۔ عشاء کی نماز وہ بہت دیر سے پڑھتی تھی۔ دن کے تمام کام کرنے کے بعد آخری آئٹم...... یہی اس کا معمول تھا۔

❀ ❀ ❀

اتوار کو دیر سے ناشتہ ہوتا تھا۔ اٹھتے تو سب جلدی تھے' مگر دوبارہ لیٹ جاتے تھے۔ عام دنوں میں توس' بسکٹ کا ناشتہ چلتا' مگر اتوار کو پراٹھے بنتے تھے' آملیٹ بنتا۔ امی اپنے ہاتھ سے بناتی تھیں اور ابو خوب تعریفیں کرتے اور بھوک سے زیادہ کھا لیتے پھر کارمینا کی گولیاں کھانا نہیں بھولتے۔ امی ٹوکتی بھی تھیں' مگر ابو کہتے۔

"تمہارے ہاتھ میں مزہ ہی اتنا ہے کہ روکنا بھی چاہوں تو ہاتھ نہیں رکتا۔ کارمینا میں احتیاطاً کھاتا ہوں۔"

"باجی آپ کیوں اتنا کم کھاتی ہیں؟" ارسلہ نے کہا۔

"میں نے تو پورا پراٹھا کھایا ہے اور کتنا کھاؤں......؟"

"بہت سارا...... جان بنائیں باجی آپ بہت دبلی ہیں۔"

"دبلا ہونا اچھا ہوتا ہے۔ تم بھی اپنا خیال رکھا کرو۔ ہر وقت انٹ شنٹ پیٹ میں بھرتی رہتی ہو۔ سموسے' پکوڑے' پیزا' ہر چیز تمہیں چاہیے ہوتی ہے۔"

"باجی میرا وزن نہیں بڑھتا کچھ بھی کھا لوں۔ خدا جانے کہاں چلا جاتا ہے۔"

"یہی میں بھی دیکھتی ہوں خندق ہے پوری......" سلمیٰ نے ہنس کر کہا۔

"آپ کچھ بھی کہیں باجی میں کھائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ جب وزن بڑھنے لگے گا ڈائٹنگ کر لوں گی۔" ناشتہ کرتے ہوئے دس بج چکے تھے۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ اچانک اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔

"ارے خدا جانے کون آ گیا صبح ہی صبح...... آج تو ماسی کی بھی چھٹی ہوتی ہے۔" امی نے کہا۔

"ابھی دیکھتی ہوں۔" ارسلہ اٹھ گئی۔ کھانے کی کرسی اور دروازے کے درمیان تین قدم کا فاصلہ تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے دروازہ کھول دیا۔

"امی' دیکھیں کون آیا ہے؟" ارسلہ کی چیخ نما آواز نے سب کو متوجہ کر لیا۔

"ارے...... کون آیا ہے؟" امی نے کمرے کے اندر سے پکار کر پوچھا۔ اتنے میں عابد علی اندر آ گئے۔

"چھوٹی خالہ آداب' خالو جان آداب۔"

"ارے میرا بیٹا آیا ہے۔" امی نے بھی خوش ہو کر دیکھا۔

"میں کل کراچی آیا تھا ایک ذاتی کام سے' صبح ناشتہ کرتے ہی نکل لیا۔"

"ناشتہ کر کے کیوں آئے عابد بھائی۔ یہاں کر لیتے۔ یہ دیکھیں پراٹھے' انڈے' کباب سب ہی کچھ تو ہے۔" ارسلہ نے کہا۔

"مجھے کیا خبر تھی یہاں تم اتنا ناشتہ کرتی ہو ورنہ میں فجر کے وقت ہی نکل کھڑا ہوتا نہار منہ۔"

"عابد بھائی ہم صرف اتوار کو اس طرح ناشتہ کرتے ہیں۔ باقی دنوں میں فرصت ہی نہیں ہوتی۔ یونیورسٹی کی جلدی ہو رہی ہوتی ہے۔ ابو کو بھی دفتر جانا ہوتا ہے اور باجی کا سکول بھی جلدی سٹارٹ ہو جاتا ہے۔"

"سلمیٰ کدھر ہے' نظر نہیں آ رہی۔" عابد نے پوچھا۔

"غسل خانے میں ہیں ابھی آ جائیں گی۔ ویسے انہوں نے سن لی ہوں گی ساری باتیں۔ ہمارا گھر بقول امی کے بالشت بھر کا ہے۔ یہاں کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ لاؤنج کی آوازیں غسل خانے میں جا رہی ہوں گی۔"

"ارسلہ تم بہت بولتی ہو۔" عابد نے کہا۔ "وہ بھی بالکل فضول۔"

"آپ ہی کی بہن ہوں وہ بھی سگی والی عرشیہ کی طرح۔"

"یہ تو صحیح ہے۔ میں تم کو عرشیہ سے کم نہیں سمجھتا۔" اتنے میں سلمیٰ بھی آ گئی۔ عابد کو سلام کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گئی چپ چاپ۔

"سلمیٰ تم کیا کر رہی ہو ان دنوں......؟"

"میں نے سکول میں جاب کر لی ہے۔"

"کیسا سکول ہے......؟"

"بہت اچھا ہے۔ کانونٹ ہے' تنخواہ بھی معقول ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہے' انسان کو ہمیشہ مصروف رہنا چاہئے۔"

"عابد بھائی آپ پڑھانے کے علاوہ اور کیا کر رہے ہیں؟" ارسلہ نے پوچھا۔

"پڑھانا فل ٹائم جاب ہے۔ باقی گھر کے کام کاج...... ابو جان تو بے حد مصروف رہتے ہیں' گھر کے سارے کام میں ہی سنبھال رہا ہوں۔"

"عرشیہ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"بس ٹھیک ہی ہے۔ دوسرا سال ہونے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں اس کا کراچی کے کسی کالج میں ٹرانسفر ہو جائے۔"

"تو پھر کچھ اُمید ہے؟"

"اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ میں اسی سلسلے میں کراچی آیا تھا۔"

"آپ عرشیہ کو بھی لے آتے...... کتنے سارے دن گزر گئے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔"

"تم لوگ چھٹیوں میں بناؤ پروگرام۔ خوب گھومیں پھریں گے۔" عابد نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ارسلہ نے خوش ہو کر کہا۔ "کیوں امی چلیں ہم سب خالہ جان کے گھر؟"

"تم دونوں چلی جانا' میں کہاں جاؤں گی تمہارے ابو کو اکیلا چھوڑ کر۔"

"خالو جان آپ بھی آیئے نا کبھی ہمارے گھر۔" عابد نے کہا۔

"نہیں بیٹا' میں کہاں جاؤں گا۔ مجھے اپنے ہی گھر میں آرام ملتا ہے۔ میں ویسے بھی کہیں آتا جاتا نہیں ہوں۔ دفتر سے گھر' گھر سے دفتر یہی معمول ہے۔"

"اچھا چھوٹی خالہ ابھی تو میں چلتا ہوں مجھے کچھ کام ہے۔"

"ارے آج اتوار کو کیا کام ہو سکتا ہے؟" ارسلہ نے کہا۔

"ایک دوست کے گھر لنچ ہے۔ کچھ پرانے دوست اکٹھے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے آپ ہمارے گھر کھانا نہیں کھائیں گے۔"

"میں شام کو آؤں گا۔ تم لوگوں کو سمندر کے کنارے لے جاؤں گا پھر ہم رات کا کھانا اکٹھے کھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے آپ کتنے بجے آئیں گے؟"

"چھ بجے تک۔" عابد نے کہا۔ "اچھا چھوٹی خالہ اب اجازت شام کو ملاقات ہوگی۔"

"اللہ حافظ۔" امی نے کہا۔ "ہاں' یہ تو بتاؤ تمہارے لئے کیا پکایا جائے؟"

"چھوٹی خالہ کچھ بھی پکا لیجئے گا۔ میں تو ہر چیز شوق سے کھاتا ہوں۔"

"پھر بھی کچھ تو بولو۔"

"کباب شوق سے کھاتا ہوں اور دال چاول من پسند کھانا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی' کباب تو بنے رکھے ہیں اور دال چاول تو پکتے رہتے ہیں۔"

"بس چھوٹی خالہ یہی ٹھیک ہے۔" عابد چلے گئے۔

"بہت ہی محبت والا لڑکا ہے۔" امی نے بس ایک جملہ کہا' پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گئیں۔

"نہ جانے خالہ نے عابد بھائی کی شادی کے لئے کیا سوچا ہے۔ اب تو وہ سیٹ ہو چکے ہیں۔" ارسلہ نے کہا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" امی نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"میں پوچھوں گی عابد بھائی سے۔" ارسلہ نے کہا۔

"خبردار تم نے عابد سے کوئی الٹی سیدھی بات کی۔ ہم کوئی گرے پڑے لوگ نہیں ہیں۔ اگر ان کی خواہش ہوگی تو وہ لوگ خود رشتہ لے کر آئیں گے۔ ورنہ سلمٰی کی کسی اور جگہ شادی ہو جائے گی۔" امی نے تنبیہ کی۔

"میں باجی کی شادی عابد بھائی سے کروا کے رہوں گی امی...... آپ دیکھ لیجئے گا۔"

"پھر وہی بات......" امی نے ڈانٹ کر کہا۔ "قسمت میں اگر یہ لکھا ہے تو ہو کر رہے گا۔ تم کچھ مت کہنا۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے کوئی بات نہ سنوں۔" سلمٰی اپنے کمرے میں لیٹی سب کچھ سن رہی تھی۔ یہ سب لاؤنج میں بیٹھے زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ اسے اپنی بہن کی معصومیت پر پیار آ رہا تھا' مگر وہ جانتی تھی یہ بات اتنی آسان نہیں...... ہو سکتا ہے عابد بھائی ایسا سوچیں مگر خالو جان کی طبیعت بالکل الگ ہے۔ وہ آج تک ہمارے گھر نہیں آئے۔ ان کا گھر بہت بڑا ہے' گھر میں دو گاڑیاں ہیں' نوکر چاکر بھلا وہ سو گز کے فلیٹ میں بارات لے کر کیوں آئیں گے۔ انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہئے۔ عابد بھائی واقعی نیک دل ہیں' جو رشتے داری نبھاتے ہیں اور پھر میری بات ان سے طے نہیں تھی' یہ صرف دو بہنوں کی خواہش تھی' جو بچپن میں کی گئی تھی۔ اس بات کو کئی برس گزر چکے ہیں۔ خالہ جان نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔

کم از کم میں تو اس خوش فہمی میں نہیں رہ سکتی' ابھی وہ سوچوں کے تانے بانے بن رہی تھی کہ ارسلہ نے کمرے میں جھانکا۔

"ارے باجی! آپ کن خیالوں میں گم ہیں اٹھیں اور کوئی اچھی سی ڈش پکانے کا انتظام کیجئے۔"

"اچھی سی ڈش کون سی ہوتی ہے بھئی؟"

"آپ یخنی پلاؤ اچھا بناتی ہیں' میں شاہی ٹکڑے بنالوں گی۔ آئیں اٹھ جائیں۔ جلدی سے کام ختم کرلیں۔ شام کو گھومنے جائیں گے۔" سلمٰی بادل ناخواستہ اٹھ گئی' پھر امی کی ہدایت کے مطابق دونوں لڑکیاں باورچی خانے میں لگ گئیں۔

❀ ❀ ❀

عابد اپنے دوست کی گاڑی مانگ کر لائے تھے۔ دونوں لڑکیاں تیار بیٹھی تھیں۔ انہیں آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ مغرب کی نماز پڑھ کر یہ لوگ سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ سمندر کون سا دور تھا' دس منٹ میں یہ لوگ اُدھر تھے۔ تینوں اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول تھے کہ عابد نے ارسلہ سے کہا۔

"ارسلہ' مجھے سلمٰی سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ اگر تم نہ سننے کا وعدہ کرو تو میں شروع کروں۔" ارسلہ کو ہنسی آ گئی۔

"اب یہ تو ناممکن ہے عابد بھائی کہ کان ہوتے ہوئے میں کچھ نہ سنوں...... ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں دور جا کر اکیلے سمندر کی موجوں کا نظارہ کروں۔" یہ کہہ کر وہ فوراً ہی وہاں سے رفو چکر ہوگئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عابد بھائی ہاتھ ہلا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ سلمٰی کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

"اُف...... خدا جانے عابد بھائی کون سی بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" کچھ دیر بعد عابد خاموش رہے پھر بولے۔

"سلمٰی میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہئے میں سن رہی ہوں مگر جو کچھ کہیے سوچ سمجھ کر کہیے گا۔"

"سوچ سمجھ کر ہی تو کہنے آیا ہوں۔" جواب میں وہ خاموش رہی۔ عابد نے کہا۔

"ہمارے گھر میں ان دنوں میری شادی کا مسئلہ زیر بحث آیا ہوا ہے۔ میری اور امی کی

خواہش ہے کہ میری تم سے شادی ہو' جبکہ ابو جان کچھ اور چاہتے ہیں۔ میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟ تم کیا سوچتی ہو اگر میں ابو جان کو راضی کرلوں تو کیا تم اقرار کرلو گی۔ سلمٰی کہیں تم انکار تو نہیں کردو گی؟"

جواب میں وہ خاموش رہی۔ یہ کتنی عجیب سی بات تھی۔ عابد نے کتنی آسانی سے اتنی بڑی بات کر دی۔

"تم خاموش کیوں ہو سلمٰی...... پلیز میرے سوال کا جواب دو پھر شاید بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"آپ کا سوال میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ آپ کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں' یہ میں بالکل بھی نہیں سمجھ سکی۔"

"میں نے تم سے اپنے بارے میں تمہاری رائے پوچھی ہے۔"

"عابد بھائی ہم لڑکیوں کی کوئی رائے نہیں ہوتی' نہ اقرار ہوتا ہے نہ انکار...... ہماری زندگی کی کشتی ایک ڈولتی ہوئی ناؤ کے مانند ہوتی ہے' جو سمندر کی لہروں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ چاہے تو ڈبو دے چاہے پار لگا دے۔"

"تم نے فلسفہ بولنا شروع کر دیا۔ کیا تم مجھے اچھا انسان نہیں سمجھتیں؟"

"میں آپ کو اچھا انسان سمجھتی ہوں ورنہ آج آپ کے ساتھ سمندر کے کنارے گھومنے نہ آ جاتی۔ خواہ آپ سگے خالہ زاد ہی کیوں نہ ہوتے مگر آپ نے جو بات پوچھی ہے اس میں بہت سے if اور but لگے ہوئے ہیں۔ آپ ہی بتائیں میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"سلمٰی کیا میں ابو جان سے تمہارے لئے بات کروں؟"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... مگر آپ کے ابو جان آپ کی شادی کہاں کرنا چاہتے ہیں؟ کیا مجھے پوچھنے کا حق ہے؟"

"میری چچا زاد بہن ہے ثمن...... ابو کو اپنی بھتیجی سے بہت پیار ہے اور خود چچا جان بھی یہی چاہتے ہیں۔"

"کیا کرتی ہیں ثمن؟"

"ڈاکٹری کا آخری سال ہے دراصل چچا جان خود بھی ڈاکٹر ہیں بلکہ ان ہی لوگوں کو دیکھ کر عرشیہ نے بھی ڈاکٹری کی پڑھائی شروع کی۔"

"آپ کے ابو جان نے جو کچھ سوچا ہے وہ ٹھیک ہی ہوگا۔ پھر ثمن ڈاکٹر ہے...... آخر اس میں کون سی برائی ہے جو آپ خالو جان کی رائے سے اختلاف کر رہے ہیں۔"

"ثمن میں کوئی برائی نہیں' وہ بہت اچھی لڑکی ہے لیکن تم بھی تو ایک اچھی لڑکی ہو۔"

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں' آپ دنیا کی نظر سے دیکھیں تو فرق صاف ظاہر ہو جائے گا۔"

"مجھے تم سے بات کر کے مایوسی ہوئی ہے۔ تمہیں اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ شاید میں نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔"

"عابد صاحب آپ مجھے کبھی غلط مت سمجھے گا۔ میں ایک پریکٹیکل مائنڈ لڑکی ہوں اگر تقدیر نے مجھے آپ سے ملا دیا تو میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھوں گی۔"

"تھینک یو سلمٰی۔"

"اب آیئے ارسلہ کے پاس چلتے ہیں۔ وہ بے چاری اکیلی بور ہو رہی ہوگی۔"

"آؤ چلتے ہیں۔"

عابد نے رات کا کھانا چھوٹی خالہ کے گھر کھایا۔ خاصی دیر تک بیٹھے' صبح انہیں حیدر آباد واپس جانا تھا اور اب رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ اٹھ گئے سب نے انہیں خدا حافظ کہا۔

❀ ❀ ❀

آج سرکاری تعطیل تھی۔ ارسلہ نے اخبار اٹھا کر دیکھا تو اس میں رافع کے بارے میں خبر اور تصویر چھپی تھی کہ اس نے انگریزی کے تقریری مقابلے میں اول انعام حاصل کیا تھا۔ اسے بے حد خوشی ہوئی۔ اس نے سوچا مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ رافع نے کسی تقریری مقابلے میں حصہ لیا ہے۔ دوسرے دن یونیورسٹی پہنچ کر سب سے پہلے وہ رافع سے ملی۔

"بہت بہت مبارک ہو رافع۔ آپ نے تو کچھ بتایا ہی نہیں تھا اخبار سے اطلاع ملی کہ آپ نے ٹرافی جیتی ہے۔"

"شکریہ...... اور جیت جانے پہلے کیسے بتا دیتا......؟" وہ مسکرایا۔

"لیکن اگر مجھے پتا ہوتا تو میں سننے تو جا سکتی تھی نا۔"

"ہاں یہ تو ہے' آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ کوئی نوٹس لگانے جا رہے ہیں؟"

"آپ درست سمجھیں۔ اردو ڈیپارٹمنٹ میں بیت بازی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ اسی کا

اطلاعی نوٹس ہے اور آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ اس مقابلے میں ضرور شرکت کریں۔"

"میں ضرور شرکت کروں گی' مگر چناؤ کس طرح ہوگا۔ کتنی ٹیمیں ہوں گی وغیرہ...... مجھے کچھ بتایئے تو سہی۔"

"اب یہ ساری باتیں کھڑے کھڑے کیسے ہو جائیں گی۔ آیئے سیمینار میں بیٹھ کر کرتے ہیں۔" وہ دونوں سیمینار میں ساتھ ساتھ داخل ہوئے۔ نگہت عرف نگی اپنی دوستوں عارفہ اور آسیہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ رافع نے انہیں نظر انداز کر دیا اور دوسری جانب پڑی کرسیوں پر وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے' پھر رافع نے ارسلہ کو تفصیل سے بتایا کہ ہر ڈیپارٹمنٹ سے نام جائیں گے پھر اردو ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ ابتدائی طور پر سلیکشن کریں گے' جس کے تین راؤنڈ ہوں گے۔ دو راؤنڈ سے جیت کر آنے والی ٹیموں کے درمیان فائنل راؤنڈ ہوگا۔

"میرے خیال میں ٹیم میں دو لوگ ہوں گے غالباً؟" ارسلہ نے کہا۔

"جی ہاں' ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ میں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ سے آپ کے علاوہ شہاب کے لئے سوچا ہے' میں ذاتی طور پر جانتا ہوں وہ بہت اچھے انداز میں اشعار پڑھتا ہے اور اسے سیکڑوں اشعار یاد ہیں۔" وہ خاموش ہو گئی اسے شہاب کا پھول دینا یاد آ گیا۔

"آپ چپ کیوں ہو گئیں؟"

"کچھ نہیں جیسا آپ مناسب سمجھیں...... میں شہاب کے بارے میں کچھ زیادہ جانتی نہیں ہوں۔"

"آپ کو اس فیصلے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"مجھے آپ کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔" نہ جانے کیسے اس کی زبان سے یہ جملہ پھسل گیا تھا۔ وہ سنبھل گئی پھر کہا۔

"ٹھیک ہے' میں تیار ہوں۔"

"او کے' ڈن...... میں یہ نوٹس' نوٹس بورڈ پر لگا دیتا ہوں۔" اتنے میں نگی اٹھ کر نزدیک آ گئی۔ پھر رافع سے مخاطب ہوئی۔

"بڑی اہم گفتگو ہو رہی ہے۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

"آپ ضرور بیٹھیں۔" رافع نے کہا۔ "مگر اب میں جا رہا ہوں۔ آپ ارسلہ سے باتیں

کریں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ نگی اسے دیکھتی رہ گئی۔ نگی نے طنزیہ نگاہوں سے ارسلہ کی طرف دیکھا پھر کہا۔

"بڑی گہری دوستی ہوگئی ہے رافع سے......؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ارسلہ کو اپنی ذلت کا احساس ہوا۔

"مطلب کچھ نہیں...... ہینڈسم بندہ ہے اور پھر امیر بھی ہے۔ اکثر گاڑی پر یونیورسٹی آتا ہے۔"

"بہت معلومات جمع کر رکھی ہیں رافع کے بارے میں۔" ارسلہ نے کہا۔ "میں تو ابھی نئی ہوں کسی کو زیادہ جانتی نہیں' البتہ تم دو سال سے یہاں پڑھ رہی ہو۔"

"تم نے ٹھیک کہا۔ میں سب کو جانتی ہوں اور مجھے بھی سب جانتے ہیں۔ رافع سے بھی میری پرانی دوستی ہے۔ میں جب فرسٹ ایئر میں داخل ہوئی تو یہ سیکنڈ ایئر میں تھا۔"

"یہ بات مجھے معلوم ہے کہ وہ تم سے ایک سال سینئر ہے' لیکن یہ معلومات آج ہوئی کہ وہ تمہارا پرانا دوست ہے۔" یہ کہہ کر ارسلہ وہاں سے اٹھ گئی۔ نگی اور اس کی سہیلیوں نے ایک قہقہہ لگایا۔

"بے چاری ارسلہ!" نگی نے کہا۔ اس کے بعد تینوں لڑکیوں نے پھر قہقہہ لگایا۔ ان لڑکیوں کے قہقہے ارسلہ کے کانوں تک پہنچے تھے۔ اس کا دل خراب ہوگیا۔ وہ ان لڑکیوں کی سوچ اور ان کی ذہنیت پر افسوس کرنے لگی۔ یہ تعلیمی ادارہ ہے' ایک مقدس جگہ اس کی فضا کو خراب کرنے والی ان جیسی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ اسے نگی کی کسی بات پر یقین نہیں تھا۔ رافع ایک مہذب انسان تھا۔ ہمیشہ تمیز' تہذیب سے گفتگو کرتا' احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑتا' جبکہ نگی ایک غیر مہذب لڑکی تھی' ہر کسی کو نشانہ بنانا' آوازیں کسنا اس طرح کی لڑکی کبھی بھی رافع کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتی۔ لنچ بریک میں ارسلہ نے شہاب سے بیت بازی کے بارے میں گفتگو کی۔

"رافع کا خیال ہے میں اور آپ پارٹنر بن کر اس بیت بازی میں شرکت کریں۔"

"یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے' لیکن اس کے لئے باقاعدہ تیاریاں کرنی پڑے گی۔"

"میں نے ایک رجسٹر بنایا ہوا ہے جس میں الف سے لے کری تک سے شروع ہونے والے بہت سے اشعار لکھ رکھے ہیں۔" ارسلہ نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے آپ میری طرح سوچ رکھتی ہیں۔ میں نے بھی ڈائری بنائی ہوئی ہے۔ میں بہت سے بیت بازی کے مقابلوں میں شرکت کر چکا ہوں۔ رافع مجھے جانتا ہے اس لئے اس نے یہ تجویز دی ہوگی۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔" ارسلہ نے کہا۔ "تو پھر ہم لوگوں کو اپنا نام دے دینا چاہئے۔"

"بالکل اس میں دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں۔" لنچ بریک ختم ہوا تو یہ لوگ کلاس اٹینڈ کرنے چلے گئے۔

❀ ❀ ❀

ارسلہ اور شہاب بیت بازی کے فائنل راؤنڈ پہنچ چکے تھے۔ ان کے مدمقابل اردو ڈیپارٹمنٹ کی ٹیم تھی' جس میں نائلہ اور خرم حصہ لے رہے تھے۔ پورا آڈیٹوریم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہر کی معروف ادبی شخصیت کو مہمان خصوصی بنایا گیا تھا۔ یونیورسٹی سٹاف کے بہت سے لوگ موجود تھے۔ مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں ٹیموں نے بھرپور تیاری کی تھی اس لئے کوئی بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ معیاری اشعار اور پھر پڑھنے کا خوب صورت انداز ارسلہ کے لئے کئی بار تالیاں بج چکی تھیں۔ اس بار شہاب نے خصوصی تیاری کی تھی اور اب وہ جان بوجھ کر ہر بار "ڈ" پر توڑ رہا تھا۔ مخالف ٹیم "ڈ" کے اشعار دے دے کر تھک چکی تھی۔ بالآخر اردو ڈیپارٹمنٹ کی ٹیم اٹک گئی اور وقت بھی ختم ہوگیا۔ اب سب کو نتیجے کا انتظار تھا جو کہ مہمان خصوصی کو اناؤنس کرنا تھا۔ جج بھی وہی تھے پھر نتیجہ سنایا گیا ارسلہ اور شہاب کی ٹیم جیت گئی۔ انفرادی انعامات کے علاوہ ایک شیلڈ بھی دی گئی۔ دوسری ٹیم کو بھی انفرادی انعامات دیئے گئے۔ یوں یہ مقابلہ تمام ہوا۔

ارسلہ اور شہاب کو ڈھیروں مبارکباد مل رہی تھی۔ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے تقریباً سب ہی سٹوڈنٹس آئے ہوئے تھے۔ رافع بہت خوش تھا۔ اس نے بھی اس ان دونوں کو مبارکباد دی اور ایک عدد ٹریٹ کی فرمائش بھی کر ڈالی۔ سب لوگ اپنے ڈیپارٹمنٹ واپس آئے۔ ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کو ٹرافی دکھائی اور آج کی جیت کی خوشخبری سنائی۔

سارے ہی لوگ ارسلہ اور شہاب سے ٹریٹ کا مطالبہ کر رہے تھے مگر رافع نے اسی وقت انہی کی طرف سے ٹریٹ کا اعلان کر دیا اور پھر سب کچھ جلدی جلدی ارینج کیا گیا۔ آج کے

دن سب ہی خوش تھے۔ ڈھیروں تصویریں اتاری گئیں۔ الگ الگ بھی اور گروپ فوٹوز بھی۔ شام کو ارسلہ گھر آئی تو خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ ابو امی اور باجی کو اس نے خوشخبری سنائی۔ سب خوش ہوئے۔ وہ شہاب سے کہہ کر ٹرافی اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ یہ دونوں کی مشترکہ تھی اور طے یہی ہوا تھا کہ اپنے اپنے گھروں میں دکھا کر ڈیپارٹمنٹ میں رکھ دی جائے گی۔

"اسی خوشی میں آئس کریم کھلا دیں ابو......" ارسلہ نے کہا۔ "بہت دل چاہ رہا ہے۔"

"ارے، اس وقت کہاں دوڑاؤ گی اپنے ابو کو۔" امی نے کہا۔ "تھک جاتے ہیں بے چارے سیڑھیاں اتر اتر کر سارے گھر کا کام ان ہی کے کندھوں پر ہے۔"

"امی اس لئے تو ابو دبلے پتلے سمارٹ ہیں۔ انسان چلتا پھرتا رہے تو صحت مند رہتا ہے۔ آپ منع نہ کریں۔" ارسلہ نے کہا۔ اتنی دیر میں ابو سینڈل پہن چکے تھے۔

"لو بیٹی کے منہ سے بات نکلی اور یہ دوڑے۔" امی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ ابو نے مسکرا کر سب کو دیکھا اور دو منزلہ فلیٹ کی سیڑھیاں آہستہ آہستہ اترنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئس کریم لے آئے۔ اب سب مل کر آئس کریم کھا رہے تھے۔ آئس کریم کی سب سے زیادہ شوقین امی تھیں۔ اس وجہ سے ان کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

ثمن اور نادر دو بھائی بہن تھے۔ ثمن میڈیکل فائنل میں تھی، جبکہ نادر ابھی انجینئرنگ کے پہلے سال میں تھا۔ عابد کے سگے چچا زاد تھے۔ دونوں کے گھر برابر میں ساتھ ساتھ ملے ہوئے تھے۔ ثمن کے والد ڈاکٹر انور علی اور عابد کے والد ایڈووکیٹ اختر علی میں بے حد محبت تھی۔ دونوں بھائی ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی خواہش تھی کہ آئندہ زندگی میں ثمن اور عابد ایک ہو جائیں۔

ڈاکٹر انور علی کی بیگم تانیہ بیگم ایک مختلف مزاج رکھتی تھیں۔ انہوں نے سب سے الگ تھلگ اپنی ایک دنیا بسائی ہوئی تھی۔ حد سے زیادہ فیشن ایبل خاتون تھیں۔ ایک این جی او میں اعزازی کام کرتی تھیں۔ بھڑکیلے لباس اور گہرا میک اپ اوپر سے جیولری۔ وہ پوری طرح تیار ہو کر گھر سے باہر قدم نکالتی تھیں۔ ان کے بال بوائے کٹ تھے۔ بلاؤز کے گلے پھاٹک کے مانند ہوتے تھے۔ اگر شلوار قمیص میں ہوتیں تو آستینوں میں کھڑکیاں اور پشت پر بڑی

کھڑکی ضرور ہوتی۔ ان کے شوہر کو اپنی بیوی کے طور طریقے پسند نہیں تھے، مگر وہ اپنی من مانی کرنے کی عادی تھیں۔ ایک کے جواب میں دس باتیں کہتی تھیں، اس وجہ سے ڈاکٹر انور علی اپنی شرافت لئے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ تانیہ بیگم خاندان میں کسی سے ملتی جلتی نہیں تھیں۔ ان کے خیال میں پورے خاندان میں ان کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا۔ ان کے ذاتی ملنے جلنے والے ہی اتنے تھے کہ ان کے پاس فرصت کے لمحات کم ہی ہوتے تھے۔ گھر کا سارا انتظام نوکروں پر تھا۔

اگرچہ ثمن اچھی لڑکی تھی اور ڈاکٹری کی پڑھائی نے اسے کسی اور طرف سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ پھر بھی اس کی چچی یعنی عابد کی ماں کا یہ خیال تھا کہ لڑکی گھر میں لانی ہو تو اس کی ماں کو دیکھو۔ لڑکی عام طور پر اپنی ماں کا پرتو ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اس بات کے حق میں نہیں تھیں کہ ثمن بہو بن کر ان کے گھر آئے۔ اس لئے وہ اپنی بہن کی بیٹی سلمٰی کے لئے سوچتی تھیں، لیکن ان کے میاں کا خیال دوسرا تھا۔ وہ ثمن کو پسند کرتے تھے۔ بھائی سے محبت کرتے تھے۔ اگرچہ بھاوج کے طور طریقے انہیں بھی پسند نہیں تھے۔ مگر ان کا خیال تھا کہ اگر یہ شادی نہ ہوئی تو دونوں بھائیوں میں مراسم بالکل ہی ختم ہو جائیں گے۔

عابد کو ان تمام حالات کا علم تھا۔ وہ ذاتی طور پر ثمن کو ناپسند نہیں کرتا تھا۔ مگر چچی کی عادات اس کے لئے بھی ناپسندیدہ تھیں۔ وہ اپنی ماں کا ہم خیال تھا پھر بھی اپنے ابو کے سامنے کھل کر اظہار خیال نہیں کر سکتا تھا۔

سلمٰی، عابد کے چچا کی فیملی سے واقف نہیں تھی۔ نہ ہی کبھی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ عابد کی باتوں نے اسے ذہنی طور پر الجھا دیا تھا۔ ایک طرف انہوں نے محتاط انداز میں اپنی پسند کا اظہار کیا تھا، لیکن دوسری طرف اپنے والد کی پسند بھی بتا دی تھی۔ ثمن کی تعریف بھی کی تھی۔ وہ اسے برا نہیں سمجھتے تھے بلکہ بقول ان کے وہ اچھی لڑکی تھی اور ڈاکٹر بننے والی تھی۔ ایسے حالات میں وہ اپنے مستقبل کا کوئی واضح نقشہ ذہن میں بنانے سے قاصر تھی۔

ساحل سمندر پر ہونے والی گفتگو کا متن اس نے ارسلہ کے پوچھنے پر بتا دیا تھا۔ دونوں بہنوں میں محبت اور بے تکلفی تھی۔ وہ ارسلہ سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ انہی دنوں سلمٰی کے لئے ایک رشتہ آ گیا۔ معمولی لوگ تھے، مگر شریف نظر آتے تھے۔ امی تذبذب میں پڑ گئیں۔ بظاہر کوئی عیب بھی نہیں تھا۔ پھر فی زمانہ لڑکیوں کی شادی ہر

گھر کا مسئلہ تھی ایسے میں بلا جواز رشتہ ٹھکرانا بھی کفرانِ نعمت ہوتا ہے۔ کئی بار وہ لوگ آئے اور اب انہوں نے جلدی جواب مانگا تھا۔ امی نے سلمٰی سے پوچھا تو اِدھر مکمل خاموشی تھی۔ ارسلہ سے رائے لی تو اس نے صاف منع کر دیا۔

"امی یہ لوگ ہمارے خاندان سے میچ نہیں کھاتے اور پھر باجی کی شادی آپ عابد بھائی سے طے کر چکی ہیں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو ارسلہ، شادی کہاں طے ہوئی صرف بات ہوئی تھی۔ وہ بھی سرسری سی اگر آپا جان کا خیال ہوتا تو اب تک بات ضرور کرتیں جبکہ عابد بھی سیٹ ہیں اور سلمٰی بھی پڑھ چکی۔"

"مگر امی عابد بھائی......"

"ہاں، ہاں کہو۔"

"میں سوچ رہی ہوں امی ہو سکتا ہے عابد بھائی کے دل میں باجی کا خیال ہو۔"

"یہ تم کیسے کہہ رہی ہو؟"

"بس ان کے روّیے سے...... وہ کتنی محبت سے ملے تھے ہم لوگوں سے۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب کیا ہے؟"

"امی میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر کسی طرح عابد بھائی کو یہ پتا چل جائے کہ باجی کا رشتہ آیا ہوا ہے تو......؟"

"تم ابھی ناسمجھ ہو، شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے۔ اس میں بڑوں کی مرضی چلتی ہے۔ اگر عابد کے دل میں خیال ہوتا تو وہ سب کی بات کر چکے ہوتے۔"

"کیا خبر امی ان کی مرضی ہو......؟"

"اگر فرض کرو ایسا ہو بھی تو بڑوں کی مرضی نہیں ہو گی۔ ہم اس انتظار میں تو لڑکی کو بٹھا کے نہیں رکھ سکتے۔"

"مگر امی کوئی جوڑ بھی تو ہو...... آپ ہی بتائیے کہ یہ رشتہ باجی کے لئے موزوں ہے؟"

"پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"ابو کیا کہتے ہیں؟"

"تمہارے ابو بھی خاموش ہیں۔"

"تو پھر آپ انکار کر دیجئے۔"

"تم نے سلمٰی سے بات کی ہے؟"

"آپ خود بات کر لیں۔ باجی کبھی بھی یہاں راضی نہیں ہوں گی۔ میں ان کی طبیعت کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" دو روز بعد تک گھر میں بحث مباحثہ رہتا رہا۔ بالآخر فائنل جواب مانگنے پر اِدھر سے انکار ہو گیا۔ لڑکے والوں نے برا مانا، مگر یہاں سب کو ایک بیکار کی ٹینشن سے نجات مل گئی۔

❀ ❀ ❀

لائبریری کے سلوپ پر اسے ارسلہ جاتی ہوئی مل گئی۔

"ارے ارسلہ آپ کو کسی کتاب کی ضرورت ہے شاید......؟" رافع نے پوچھا۔

"جی ہاں، مجھے ایک کتاب اشو کروانی ہے، اسی لئے وقت نکال کر آئی ہوں۔ لائبریری آنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔"

"کون سی کتاب چاہیے؟" ارسلہ نے کتاب کا نام بتایا تو رافع نے کہا۔

"یہ کتاب میں کل آپ کو لا کر دے دوں گا۔ میرے پاس رکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ارسلہ میرے پاس ہر طرح کے نوٹس بھی رکھے ہوئے ہیں اگر آپ چاہیں تو لے سکتی ہیں۔"

"اچھا تو پھر آپ ہی کتاب دے دیجئے گا۔" ارسلہ نے کہا۔ "میرا بھی موڈ نہیں تھا لائبریری جاؤں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں آپ سے نوٹس لے لوں گی۔" وہ واپس مڑ آئی۔ اب وہ دونوں ساتھ ساتھ اتر رہے تھے۔

"آپ نظر نہیں آئیں کئی دنوں سے...... کہاں ہوتی ہیں؟" رافع نے تھوڑا سا رک کر پوچھا۔

"مجھے کہاں ہونا ہے...... میں کلاس روم ہی میں ہوتی ہوں۔ ہاں بعض دوسری لڑکیوں کی طرح اِدھر اُدھر گھومتی نہیں ہوں۔ اکثر سیمینار میں بیٹھ کر نوٹس بناتی ہوں۔ میرے ساتھ سعدیہ ہوتی ہے۔"

"آج سعدیہ کہاں ہے؟"

"آج وہ یونیورسٹی نہیں آئی، اسی وجہ سے آج میں اکیلی نظر آ رہی ہوں۔"

"میرے خیال میں آپ کی صرف یہی ایک دوست ہے۔"

"جی ہاں، میں زیادہ دوستیاں بنانے کی قائل نہیں ہوں۔ ویسے میری سب ہی سے اچھی بات چیت ہے، لیکن آپ نے سنا نہیں وہ شعر دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" رافع نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔ "بڑے تجربے بول رہے ہیں۔ اتنی سی عمر میں۔"

"عمر چھوٹی ہوتی ہے نہ بڑی ہاں عقل ضرور چھوٹی ہوتی ہے۔" ارسلہ نے کہا۔

"آپ سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا، اچھا یہ بتائیے کہ آپ کی شاعری کا کیا حال ہے کوئی تازہ نظم یا غزل؟"

"وہ تو ہو جاتی ہے بس آپ ہی آپ۔ ابھی پچھلے دنوں کچھ نظمیں لکھی ہیں، لیکن میرے پاس ان دنوں وقت نہیں ہے کہ میں انہیں اشاعت کے لئے بھیجوں۔"

"اس وقت تو موقع نہیں ہے ورنہ آپ سے کچھ سنانے کی فرمائش کر دیتا۔"

"جی ہاں، جب کوئی موقع ہوگا تو ضرور سناؤں گی۔ چلیں آپ کی تسلی کے لئے ایک شعر سنا دیتی ہوں۔"

"صرف ایک شعر......؟"

"بس یہ ایک ہی شعر ہے۔ اگر دل چاہے تو سن لیجئے۔"

"ضرور۔" وہ رک گیا۔ وہ بھی رک گئی۔ ڈیپارٹمنٹ سامنے ہی تھا۔

"یادوں کی رہگزر پہ ایک دیپ جل رہا ہے
شاید کوئی مسافر گزرے گا پھر اِدھر سے

ارسلہ نے شعر پڑھا۔

"بہت خوب، بڑا خوب صورت شعر ہے اگر ممکن ہو تو ایک کاغذ پر لکھ کر دے دیں۔ میں اس کے معنی، مطلب سمجھنے کی کوشش کروں گا۔"

"چھوڑیں رافع صاحب! آیئے چلتے ہیں۔ وہ دیکھیں نگی کا گروپ ہمیں ہی دیکھ رہا ہے۔"

"آپ ان باتوں کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔"

"پروا کرنی پڑتی ہے رافع صاحب!" یہ کہہ کر وہ تیز قدم اٹھاتی دوسری جانب نکل گئی۔

رافع اپنی کلاس کی طرف چلا گیا۔

❀ ❀ ❀

پہلے سمسٹر کے امتحان سر پر تھے۔ ارسلہ ان دنوں بے حد محنت کر رہی تھی۔ اس کی پوری کوشش کی تھی کہ وہ کلاس میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل کرے۔ اس کی امتحان کی تیاری میں رافع نے بھرپور مدد کی تھی۔ رافع کی دی ہوئی کتابیں، نوٹس، ڈائریاں اس کے پاس ڈھیر ہو چکی تھیں۔ سلمٰی کو ہر بات کی خبر تھی۔ ارسلہ نے خود ہی بتایا تھا۔

"ارسلہ میری بہن میں دیکھ رہی ہوں اور محسوس بھی کر رہی ہوں کہ تم میں ایک نمایاں تبدیلی آ چکی ہے۔"

"کیسی تبدیلی باجی؟" وہ چونکی۔

"یہی کہ تمہاری ہر دوسری بات کے بعد تیسری بات رافع کی ہوتی ہے۔ وہ تمہارے اندر اس حد تک رچ بس گیا ہے کہ تمہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ مجھے ڈر ہے ارسلہ کہیں کوئی پچھتاوا کوئی غم تمہارے ساتھ وابستہ نہ ہو جائے۔"

"باجی مجھے کیا کرنا چاہیے......؟"

"تم رافع سے مدد نہ لیا کرو...... یہ کتابیں، نوٹس، وغیرہ تمہیں ویسے بھی مل سکتی ہیں یا پھر نہ ملیں...... امتحان کی تیاری خود کرو۔"

"باجی رافع سے میں نے کبھی کچھ مانگا نہیں...... وہ مجھے خود ہی ہر چیز دیتے ہیں۔ اب کیا میں انکار کر دوں؟"

"ہاں تم انکار کر سکتی ہو......"

"مگر کوئی وجہ بھی تو ہو انکار کی۔"

"ارسلہ ایک بات بتاؤ...... بالکل سچ سچ......"

"پوچھیں باجی!"

"کیا کبھی رافع نے تم سے کچھ کہا ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی بھی ایسی بات' جس سے تم یہ اندازہ لگا سکو کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے یا تمہیں اپنا لائف پارٹنر بنانا چاہتا ہے؟"

"نہیں باجی وہ بہت ڈیسنٹ لڑکا ہے۔ میری عزت کرتا ہے اور بس۔"

"اور تم......؟"

"میں بھی رافع کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"نہیں ارسلہ تم رافع سے محبت کرتی ہو۔ شدید محبت تمہیں احساس نہیں ہے مگر تمہارے ساتھ وقت گزارنے والا ہر انسان یہ بات سمجھ سکتا ہے۔"

"باجی آپ ایسا نہ کہیں...... مجھے کچھ پتا نہیں۔ مجھے تو بس رافع اچھا لگتا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ وہ ایک اچھا انسان ہے۔"

"تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟ کبھی بتایا ہے اس نے؟"

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"بہر حال...... میں نے تمہیں جتا دیا ہے۔ اپنا اچھا برا تم خود بہتر سمجھ سکتی ہو۔"

"باجی آپ اطمینان رکھیں میں کوئی غلط بات نہیں کروں گی اور نہ ہی کر سکتی ہوں۔"

"یہ بات تو میں جانتی ہوں مگر انجانے میں روگ لگ جاتا ہے۔" ارسلہ نے سلمٰی کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا پھر بولی۔

"باجی کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے عابد بھائی کی یاد کو دل میں بسا کر کوئی روگ پال لیا ہو۔"

"میں خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتی۔ عابد بھائی کو یہاں سے گئے دو ماہ سے زائد ہو گئے ہیں۔ ایک فون تک تو کیا نہیں انہوں نے۔" پھر بولیں۔ "تمہیں اس لئے تنبیہ کر رہی ہوں کہ تم شاعرہ ہو۔ شاعر جذباتی ہوتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کوئی دھوکا کھا جاؤ۔"

"باجی بے فکر رہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" ارسلہ نے کہا۔ "اور ہاں رافع مجھے پسند ضرور ہے مگر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں کہ اس کے بارے میں آپ فکر مند ہونے لگیں۔"

"بس ٹھیک ہے، مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ لائٹ جلتی ہو تو سونا مشکل ہو جاتا ہے۔ پتا نہیں تم کتنی رات تک پڑھو گی، ایک بج رہا ہے۔"

"بس باجی میں بند کر رہی ہوں۔" ارسلہ نے کتابیں سمیٹ کر ایک طرف رکھیں پھر لائٹ بند کر کے سونے لیٹ گئی۔

❀ ❀ ❀

ارسلہ وقت سے پہلے تیار ہو جاتی تھی، کیونکہ یونیورسٹی پوائنٹ مخصوص ٹائم پر آتا تھا اور اگر پوائنٹ مس ہو جائے تو پبلک بس سے یونیورسٹی پہنچنے میں دشواری ہوتی تھی۔ اس کے گھر سے بس سٹاپ زیادہ دور نہیں تھا، پھر بھی پانچ سات منٹ لگ ہی جاتے تھے۔ وہ فلیٹ کے

سیکنڈ فلور پر رہتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے اور اترنے کی عادی تھی۔ اس کے ہر انداز میں ایک احتیاط تھی، یہ وصف اس کو قدرت کی طرف سے ملا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتر کر سڑک پر آئی ابھی کچھ دور ہی چلی تھی کہ چپل کا تسمہ ٹوٹنے لگا۔

"اُف اللہ اب کیا ہوگا یہ تو بالکل ہی ٹوٹ کر گرنے والا ہے، اس کا مطلب ہے مجھے گھر واپس جانا ہوگا۔" وہ پلٹ گئی۔ گھر کے پاس پہنچی تو بلاک کے سامنے ہی تسمہ بالکل الگ ہو گیا۔ اب کیا کروں، کیا ننگے پاؤں سیڑھیاں چڑھوں اور آج تو اتنی دیر ہو جائے گی کہ پوائنٹ مس ہو جانا لازمی ہے۔" ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اوپر سے منھی خالہ کا بیٹا گڈو اترتا نظر آیا۔ منھی خالہ کا قد چھوٹا تھا اسی وجہ سے پورا بلاک انہیں منھی خالہ کہتا تھا۔ منھی خالہ بولتی بہت تھیں اس لئے سب ان سے گھبراتے تھے، مگر وہ سب کے کام آتی تھیں۔ ان کا بارہ سالہ بیٹا گڈو ہر ایک کا کام خوشی سے کرتا تھا۔ اس وقت گڈو اسے رحمت خداوندی محسوس ہوا۔

"ارے گڈو، بھیا ذرا اوپر چلے جاؤ میری چپل ٹوٹ گئی، یہ لے جاؤ اور براؤن چپل لے آؤ۔"

"اچھا باجی۔" گڈو جو اپنی اماں کے لئے چائے کی پتی لینے نکلا تھا ارسلہ کی چپل لے کر اوپر پہنچا۔ امی نے ارسلہ کی ٹوٹی چپلیں ایک طرف رکھیں اور براؤن چپل ڈھونڈ کر گڈو کو تھما دی۔ گڈو پل بھر میں ہی دو دو سیڑھیاں پھلانگتا واپس آیا اور براؤن چپلیں ارسلہ کو تھما دیں۔ ارسلہ نے اسے شکر گزار نظروں سے دیکھا۔ امی اوپر سے جھانک رہی تھیں۔ ارسلہ نے امی کو ہاتھ ہلایا اور پھر چل دی۔ بس سٹاپ پر پہنچی تو یونیورسٹی جانے والی کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں تھا۔ اس کا مطلب صاف ظاہر تھا۔ پوائنٹ جا چکا تھا۔ اب اسے ہر حال میں پبلک بس سے یا کوچ سے جانا تھا، لیکن جس کوچ کا اسے انتظار تھا وہ آ نہیں رہی تھی۔ پریشانی کے عالم میں بار بار وہ گھڑی دیکھ رہی تھی۔ تبھی ایک گاڑی اس کے پاس آ کر رک گئی۔ اس نے غور نہیں کیا وہ کسی طرف دیکھنے کی عادی بھی نہیں تھی۔ تب رافع نے کھڑکی سے منہ نکال کر کہا۔

"مس ارسلہ!" وہ چونکی اور حیران رہ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ رافع ڈیفنس میں رہتا ہے۔

"ارسلہ آپ یہاں رہتی ہیں؟"

"جی ہاں آج آنے میں دیر ہوگئی، پوائنٹ نکل گیا۔"

"آیئے پلیز۔" اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ اس کے پاس بیٹھ جانے کے سوا اور کوئی چارہ تھا بھی نہیں۔

"مجھے پتا ہی نہیں تھا آپ ادھر رہتی ہیں۔" وہ گاڑی چلاتے ہوئے بولا۔

"مجھے بھی علم نہیں تھا کہ آپ اِدھر ہی رہتے ہیں۔"

"میں تھوڑی دور سے آ رہا ہوں، لیکن آپ کا گھر غالباً نزدیک ہی ہے۔"

"جی ہاں، میں سامنے بنے ہوئے فلیٹوں کی جو قطار ہے اس میں رہتی ہوں۔ دوسری منزل میں۔" اس وقت ارسلہ کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔ رافع کے ساتھ بیٹھ کر اسے ایک طرح کے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ اس نے کئی روز سے رافع کو نہیں دیکھا تھا اور اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بہت عرصہ ہو گیا ہے۔ مہینے...... سال یا صدیاں اور آج وہ اچانک یوں آن ملا تھا۔

"رافع اگر آپ نہ مل جاتے تو آج پہلا پیریڈ ضرور مس ہو جاتا۔"

"آج راستہ اچھا کٹے گا، آپ بہت اچھی باتیں کرتی ہیں۔"

"کیا میں بہت زیادہ بولتی ہوں؟"

"نہیں، یہ میں نے کب کہا...... میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کی گفتگو بہت اچھی ہوتی ہے۔"

"شکریہ۔" ارسلہ نے کہا۔ "آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں تو بس مسکین سا بندہ ہوں۔" رافع مسکرایا، وہ خاموش رہی۔

"آپ تو خاموش ہو گئیں۔" وہ پھر بولا۔

"کیا بولوں...... ان دنوں امتحان سر پر سوار ہیں۔"

"آپ کی تو بہت اچھی تیاری ہوگئی ہوگی۔"

"بس کوشش کی ہے۔ ویسے آپ نے میری بہت ہیلپ کی، آپ کا شکریہ۔"

"شرمندہ نہ کریں، چند نوٹس تھے' دے دیئے اس میں ایسی کیا خاص بات ہوگئی؟"

"آپ روزانہ گاڑی سے جاتے ہیں؟" وہ بات بدل کر بولی۔

"نہیں، میں بھی پوائنٹ سے جاتا ہوں کسی دن لیٹ ہو جاؤں تو گاڑی نکال لیتا

ہوں۔"

"لیکن میں نے آپ کو کبھی اپنے پوائنٹ میں نہیں دیکھا۔"

"ڈیفنس کے دو پوائنٹ ہیں، میں دوسرے پوائنٹ سے جاتا ہوں۔"

"اچھا ورنہ تو ایک پوائنٹ سے جانے والے سب ہی ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آپ کے گھر میں کون کون رہتا ہے؟"

"ابو ہیں، امی ہیں، باجی اور میں۔"

"مختصر خاندان ہے۔"

"جی ہاں اور آپ؟"

"ہمارے گھر میں بھی چار ہی لوگ ہیں۔ والد، والدہ کے علاوہ مجھ سے چھوٹا ایک بھائی ہے۔" اس کے بعد خاموشی چھا گئی جیسے بات کرنے کے لئے کوئی موضوع نہ رہا ہو۔ یونیورسٹی قریب آ گئی تو ارسلہ نے کہا۔

"آپ مجھے ڈیپارٹمنٹ سے پہلے ہی اتار دیجئے گا۔"

"وہ کیوں......؟" وہ حیران رہ گیا۔

"بس ایسے ہی۔"

"مگر کوئی تو وجہ ہوگی؟" وہ گاڑی ڈیپارٹمنٹ کی طرف موڑتے ہوئے بولا۔

"وہ دراصل...... نگی......"

"کیا ہوا نگی کو......؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"آئی ایم سوری رافع مگر مجھ سے نگی کی فضول گوئی برداشت نہیں ہوتی۔" رافع نے کوئی جواب نہیں دیا، مگر اس نے گاڑی روکی نہیں ڈیپارٹمنٹ کے سامنے جا کر گاڑی روک دی۔

"آپ اتر جائیے۔" رافع نے کہا۔ "میں گاڑی پارک کر کے آؤں گا۔" وہ آہستہ سے اتر گئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اپنی کلاس کی طرف چلی گئی۔ نگی کی سہیلی عارفہ نے دیکھ لیا تھا اور پھر فوراً ہی یہ خبر نگی تک پہنچ چکی تھی۔

❀ ❀ ❀

رافع سیمینار میں بیٹھا اسائنمنٹ تیار کر رہا تھا کہ نگی اونچی ایڑی کی سینڈل کھٹ کھٹ کرتی اس کے پاس آکر رک گئی۔

''بہت مصروف ہیں؟'' وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

''آپ دیکھ تو رہی ہیں۔'' وہ کتاب پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

''آج کل ارسلہ سے آپ کی بڑی دوستی ہو رہی ہے، خیریت تو ہے؟'' رافع نے نگی کی طرف دیکھا پھر کہا۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں، میں سمجھا نہیں......؟''

''آپ خوب سمجھ رہے ہیں جو میں کہنا چاہ رہی ہوں اور جو کہہ رہی ہوں اور جو کچھ دیکھ رہی ہوں۔'' رافع آپ اتنے بدل گئے ہیں۔ میری دو سالہ پرانی دوستی کو یکسر بھلا دیا آپ نے اور وہ بھی ایک فضول سی لڑکی کی خاطر......''

''پلیز مائنڈ یور لینگویج۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ ''میں ارسلہ عثمانی کے بارے میں کوئی گھٹیا ریمارکس سننا پسند نہیں کروں گا۔''

''اوہ......تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔''

''مس نگہت آپ چلی جائیں، مجھے ضروری اسائنمنٹ تیار کرنا ہے۔''

''جا رہی ہوں۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔ ''مگر میں بھی دیکھ لوں گی ارسلہ عثمانی کو......نگی سے مقابلہ کرنے چلی ہے، ہونہہ۔'' وہ پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ رافع کا موڈ خراب ہو گیا۔

یہ درست تھا کہ رافع اور نگی کی اچھی خاصی دوستی تھی۔ شروع شروع میں بات چیت رہتی تھی۔ مگر وہ اپنے دل میں اس لڑکی کے لئے کوئی جذبہ نہیں رکھتا تھا اور ارسلہ اس کے لئے بھی

اس کے دل میں عزت تھی اور بس......مگر نگی کی سوچ اور ارسلہ کے واہے...... یہ سب باتیں رافع کو ناپسند تھیں۔ وہ اس طرح کا لڑکا نہیں تھا۔ مگر وہ نگی کو کچھ زیادہ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ایک لڑکی تھی اور رافع کو لڑکیوں کی عزت کرنا آتی تھی۔

❀ ❀ ❀

لنچ بریک تھا ارسلہ اپنی دوست سعدیہ کے ہمراہ کھڑی تھی کہ عارفہ آ گئی۔

''ارسلہ، تمہیں نگی بلا رہی ہے۔''

''مجھے......مگر کیوں؟''

''پتا نہیں۔''

''تو وہ خود کیوں نہیں آ جاتی......'' سعدیہ نے کہا۔ ''اس سے کہہ دو کہ ہم ضروری بات کر رہے ہیں۔'' عارفہ الٹے قدموں واپس چلی گئی۔ ذرا دیر بعد نگہت، ارسلہ کے پاس پہنچ گئی۔

''آیئے نگہت، آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا؟''

''جی نہیں، مجھے اور تم سے کام...... یہ کیسے سمجھ لیا تم نے۔ میں تو تمہیں وارن کرنے آئی تھی۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''کان کھول کر سن لو، رافع میرا دوست ہے۔ تم اس کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔'' ارسلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اپنی انسلٹ برداشت کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

''نگہت صاحبہ آپ اپنے الفاظ واپس لیں۔'' اس نے غصے سے کہا۔ ''ورنہ بہت برا ہو گا۔''

''ورنہ......ورنہ کیا؟'' وہ طنزیہ مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

''آؤ ارسلہ...... یہاں سے چلو۔'' سعدیہ نے ارسلہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''اس لڑکی کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور پاگل لوگوں سے بات کرنا بیکار ہوتا ہے۔'' سعدیہ، ارسلہ کو گھسیٹ کر لے گئی نگہت پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

❀ ❀ ❀

پہلے سمسٹر کے امتحان خیریت سے گزر گئے۔ اب اطمینان تھا کچھ دن کی چھٹیاں تھیں،

ارسلہ کو بہت سے ذاتی کام نمٹانے تھے۔ ان دنوں سلمٰی کے سکول میں بھی گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ دونوں بہنوں نے مل کر کچھ شاپنگ کی۔ امی اور ابو کے بھی کپڑے بنائے۔ سلمٰی نے اپنے پیسوں سے ارسلہ کے لئے بھی لان کے چند سوٹ خرید لئے وہ منع کرتی رہ گئی۔

''کہاں ہیں کپڑے، وہی چند جوڑے دھوتی ہو، استری کرتی ہو، کچھ ڈھنگ سے رہا کرو ارسلہ۔ لوگ کیا سوچیں گے۔''

''باجی لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ یہ ہماری اپنی سوچیں ہوتی ہیں۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا بری......''

''اچھا خیر، اپنا فلسفہ اپنے پاس رکھو اب فوراً سی لینا جوڑے ایسا نہ ہو پڑے رہ جائیں۔''

''سلائی میں تو میں ماہر ہوں باجی اور پھر آج کل چھٹیاں بھی ہیں۔''

''بھئی چھٹیاں تو ہیں مگر تمہارا کیا بھروسا تم شعروشاعری میں لگ جاؤ گی۔''

''اوہ اچھا یاد دلایا، مجھے ایک اچھی سی غزل کہنی ہے، باجی ہماری یونیورسٹی میں مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔ مختلف شہروں سے شاعر آ رہے ہیں کچھ یونیورسٹی کے لوگ بھی ظاہر ہے حصہ لیں گے، کیا خیال ہے میں بھی کوشش کر دیکھو؟''

''اب یہی کسر رہ گئی ہے کہ تم مشاعروں میں بھی شرکت شروع کر دو۔''

''اس میں کیا برائی ہے؟''

''میں نے کب کہا کہ برائی ہے لیکن تم شرکت کرو گی کیسے، کیا تم نے اپنا نام دیا ہے پڑھنے کے لئے۔''

''یہی تو سوچ رہی ہوں کیا کروں۔ میں ایسا کرتی ہوں کل یونیورسٹی چلی جاتی ہوں وہیں جا کر پتا کروں گی۔''

''ابو سے پوچھ لو پہلے۔''

''ابو سے پوچھ لوں گی...... بھلا وہ کیوں منع کریں گے مگر میں پہلے پتا تو کر لوں۔''

''ٹھیک ہے جو مرضی آئے کرو مگر فی الحال مجھے بھوک لگ رہی ہے اس وجہ سے اب میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی۔''

❀ ❀ ❀

کھانے کی میز پر حسب معمول بات چیت ہوئی۔ ارسلہ نے ابو سے ذکر کیا ابو نے خوشی

سے اجازت دے دی۔

''بھئی اگر موقع ملے تو ضرور پڑھو۔ اس میں کوئی حرج نہیں مگر کوئی اچھی چیز پڑھنا۔''

''جی ابو، میں آپ کو دکھا دوں گی، میں نے کئی نظمیں لکھی ہوئی ہیں۔''

''نہیں، مجھے مت دکھانا تم خود فیصلہ کرنا۔''

''ابو میں کل یونیورسٹی جاؤں گی تھوڑی دیر کے لئے۔''

''اب چھٹیاں ہیں پھر بھی تم گھر میں نہیں ٹکتی ہو۔'' امی نے کہا۔ ''کچھ کام کر لیا کرو گھر کا بھی۔''

''آپ بتا دیا کریں، میں کام کر لوں گی امی۔'' ارسلہ نے شائستگی سے کہا۔

''خالی کام کی بات نہیں ہے بیٹا۔'' امی نرم پڑ گئیں۔ ''میں اکیلے گھر میں پڑے پڑے گھبرا جاتی ہوں۔ سب کے سب چلے جاتے ہیں میں بھی انسان ہوں۔ کم از کم چھٹیوں میں تم دونوں گھر پر رہو۔''

''امی میں تو گھر پر ہوتی ہوں۔'' سلمٰی نے کہا۔ ''ارسلہ کے اوپر شعروشاعری کا بھوت سوار رہتا ہے اس سے کہیں۔''

''ٹھیک ہے اگر سب کو اتنا برا لگ رہا ہے تو میں کل یونیورسٹی نہیں جاؤں گی۔'' ارسلہ نے دوٹوک الفاظ میں کہا اور میز سے اٹھ گئی وہ کھانا کھا چکی تھی۔

''مت منع کرو خالدہ بیگم۔'' ابو نے امی سے کہا۔ ''اسے کرنے دو جو کچھ وہ کرنا چاہ رہی ہے۔''

''میں نے منع نہیں کیا۔ ایک بات کہی ہے۔''

''امی پھر کس طرح منع کیا جاتا ہے......؟'' وہ پھر کمرے سے باہر آ گئی۔

''اچھا بابا، جاؤ یونیورسٹی ہماری بلا سے۔'' امی بھی عاجز آ گئی تھیں۔

''ہاں، ہاں بیٹی جاؤ ضرور جاؤ۔'' ابو نے شہہ دی۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی بس ابو کی محبت ہی تو تھی جو اسے ہر قدم پر حوصلہ دیتی تھی۔ ابو کو مسکراتا دیکھ کر اس کا موڈ بھی ٹھیک ہو گیا۔

❀ ❀ ❀

دوسرے دن وہ یونیورسٹی پہنچی تو سامنے ہی رافع نظر آ گیا۔

"ارے ارسلہ آپ......؟" وہ اچانک خوش ہو گیا۔ "میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا بلکہ میں آپ سے ملنا چاہ رہا تھا۔"

"کیوں خیریت...... کیوں ملنا چاہ رہے تھے مجھ سے؟"

"آپ کو مشاعرے کے بارے میں بتانا چاہ رہا تھا۔ آرٹس آڈیٹوریم میں مشاعرہ ہونے والا ہے۔ کچھ مقامی شعراء بھی کلام سنائیں گے، کیوں نہ آپ اپنا نام ان میں شامل کر لیں۔"

"پتا ہے رافع آج میں اسی لئے یونیورسٹی آئی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں اس میں کوئی نظم یا غزل پڑھوں۔"

"اور میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"آپ کیوں ایسا چاہتے ہیں؟"

"اس لئے کہ آپ بہت اچھا کہتی ہیں اور جتنا اچھا کہتی ہیں اس سے کہیں زیادہ اچھا پڑھتی ہیں۔"

"تعریف کا شکریہ...... مگر تھوڑی کم کم تعریف کریں کہیں میں سچ مچ ہی نہ اپنے آپ کو اچھی شاعرہ سمجھنے لگوں......!"

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے ارسلہ۔ مجھے آپ کی شاعری پسند ہے میں نے اکثر رسالوں میں اخباروں میں آپ کا کلام پڑھا ہے۔"

"آپ کو شاعری پسند ہے مگر آپ کا مزاج تو شاعرانہ نہیں۔"

"وہ تو آپ کا بھی نہیں۔" اس نے برجستہ کہا۔ وہ ہنس دی۔ رافع نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ ہنستی ہوئی کتنی معصوم لگ رہی تھی اس کے چہرے پر بناوٹ نام کی کوئی چیز نہیں تھی اس نے فوراً ہی اپنی نظر ہٹالی۔ ارسلہ ایسی لڑکی تھی جس کی صرف عزت ہی کی جا سکتی تھی۔

"اب آپ کیا سوچنے لگے...... کچھ بتائیں، مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے؟" ارسلہ نے رافع کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے، میں آرگنائزر سے بات کرلوں گا وہ آپ کا نام شامل کر لیں گے۔"

"تھینک یو رافع، تھینک یو ویری مچ......!"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے مگر آیئے پہلے ہم چیئرمین سے اجازت لے لیں۔"

"کیا یہ ضروری ہے؟"

"شاید ضروری ہو ہمیں انفارم کرنا ہوگا۔"

"تو پھر آئیں ابھی چل کر بات کر لیتے ہیں۔" وہ دونوں ڈاکٹر منہاج کے کمرے میں پہنچے جو کہ ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین تھے وہ ایک شگفتہ مزاج انسان تھے۔

"ارے بھئی یہ وی پی اور جی ایس دونوں ایک ساتھ میرے پاس، کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔"

"جی سر!" ارسلہ نے کہا۔ "دراصل میں آپ سے اجازت لینے آئی ہوں۔"

"کس بات کی اجازت؟"

"ہمارے یہاں جو مشاعرہ ہو رہا ہے اس میں، میں بھی شرکت کرنا چاہ رہی ہوں۔"

"اچھا، ویری گڈ...... یاد آیا آپ تو شاعرہ ہیں۔" ڈاکٹر منہاج نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر سر مجھے اجازت ہے؟"

"وائے ناٹ، آپ ضرور حصہ لیں۔"

"سر آپ بھی آیئے گا سننے۔"

"دیکھیں اگر وقت ملا تو...... کب ہے مشاعرہ؟"

"اگلے ہفتے جمعے کو ہے۔"

"ابھی تو خاصے دن ہیں۔"

"جی ہاں ابھی کچھ دن ہیں۔" یہ لوگ اٹھنے لگے تو چیئرمین نے روک لیا انہوں نے کہا۔

"میں آپ لوگوں سے ایک اور ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"جی سر بتایئے۔" رافع نے کہا۔

"میں چاہ رہا ہوں اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ایک سیمینار ارینج کروں۔ لاہور سے ڈاکٹر عمر آئے ہوئے ہیں، ان کو بلانا چاہ رہا ہوں۔"

"اچھا ڈاکٹر عمر تو بہت قابل ہیں، ان کا لیکچر ہم سب کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا۔" رافع نے کہا۔

"رافع آپ ان سے رابطہ کر کے ٹائم لے لیں۔" اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر

عمر کا فون نمبر دیا اور کہا۔

"آپ آج ہی بات کر لیجئے گا، میں چاہتا ہوں کل پرسوں تک لیکچر رکھ لیا جائے۔"

"لیکن ان دنوں چھٹیاں ہیں سر۔"

"بھئی ان کا لیکچر سینئرز کے لئے فائدہ مند ہوگا بلکہ تمام اساتذہ کے لئے بھی اور یہ سب تو آ ہی رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں آج ہی بات کر کے آپ کو بتاؤں گا۔" اس کے بعد دونوں باہر آ گئے۔

"مس ارسلہ اگر آپ اپنا فون نمبر مجھے دے سکیں تو آپ سے رابطہ کرنا آسان ہوگا اور ہاں آپ بھی میرا موبائل نمبر لے لیں۔"

"ضرور۔" پھر دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا موبائل نمبر دیا۔

"کمال ہے آج تک ہمارے پاس ایک دوسرے کا نمبر تک نہیں تھا۔" رافع نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں یہ تو ہے...... اس کی ضرورت بھی نہیں تھی پہلی بار چھٹیاں تو اب ہوئی ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے۔ روزانہ ملاقات تو ہو ہی جاتی تھی۔"

"روزانہ کہاں ہوتی ہے ملاقات......!" ارسلہ نے بس ایسے ہی کہہ دیا یا شاید اس کے منہ سے سچ نکل گیا تھا، وہ اپنے اندر کی بات چھپا نہیں پائی تھی مگر رافع شاید بہت محتاط تھا۔ اس نے صرف مسکراہٹ پر اکتفا کیا بولا کچھ نہیں۔

❀ ❀ ❀

ایک بجے پوائنٹ سے وہ گھر واپس آئی تو بہت تھک گئی تھی۔ گرمی بھی شدید تھی اوپر سے بجلی غائب، یہ غنیمت تھا کہ گھر میں ہوا آتی تھی کیونکہ فلیٹ دوسری منزل پر تھا۔

"امی بجلی کب سے گئی ہوئی ہے؟" وہ نڈھال سی کرسی پر گر گئی۔

"دو گھنٹے تو ہو گئے ہوں گے، خدا جانے یہ مشکل کب ختم ہوگی۔" امی نے دوپٹے سے پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا وہ باورچی خانے سے نکل کر آ رہی تھیں۔

"کیوں، ہو گیا تمہارا کام؟" امی نے پوچھا۔

"جی امی ہو گیا۔ میں نے چیئرمین سے بھی اجازت لے لی ہے۔"

"اچھا اب ہاتھ منہ دھو لو اور کھانا کھا لو۔"

"آپ نے کھا لیا؟"

"ابھی کہاں، تم نکالو، سلمٰی اور میں بھی کھا لیں گے ساتھ ہی۔"

"باجی کیا کر رہی ہیں؟"

"کمرا بند ہے خود ہی دیکھ لو۔" اس نے کمرے میں جھانکا مشترکہ کمرا تھا باجی اوندھی لیٹی تھیں۔

"باجی، باجی۔" اس نے سلمٰی کی ٹانگ پر آہستہ سے ہاتھ رکھا۔ سلمٰی اٹھ گئیں۔

"تم کب آئیں؟"

"ابھی آئی ہوں دس منٹ ہوئے۔ کتنی گرمی میں لیٹی ہیں آپ...... لاؤنج میں بیٹھ جاتیں، ہوا آ رہی ہے۔"

"آ رہی ہوں، بھوک بھی لگ رہی ہے۔" سلمٰی اٹھ گئیں ارسلہ واش روم میں گھس گئی۔

کھانا کھاتے ہوئے وہ دل ہی دل میں بجلی کے آنے کی دعا مانگنے لگی اور پھر اچانک پنکھا چل پڑا۔

"الٰہی تیرا شکر ہے۔" امی نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "کھانا کھا کر تھوڑی دیر لیٹنے کو جی چاہتا ہے اور آج کل پنکھے کے بغیر لیٹنا مشکل ہی ہے۔"

"امی آج کل سارے لوگ یو پی ایس لگوا رہے ہیں اگر ہم لوگ بھی لگوا لیں تو......"

"ہمارے پاس اتنی رقم کہاں تم جانتی تو ہو سب کچھ۔"

"میں نے کئی بار کہا میں اپنے پیسوں سے لگوا لوں مگر امی مانتی ہی نہیں۔" سلمٰی نے کہا۔

"ہرگز نہیں، تم اپنی رقم اپنے پاس رکھو، کام آئے گی یہاں جس طرح کام چل رہا ہے چلنے دو۔" ارسلہ نے برتن سمیٹ کر میز صاف کی اس کا دل چاہ رہا تھا وہ فوراً بستر پر لیٹ جائے بہت تھکاوٹ ہو رہی تھی ابھی وہ ارادہ کر ہی رہی تھی کہ گھنٹی بج اٹھی۔

"اے لو، بھری دوپہر میں کون آن ٹپکا؟" سلمٰی نے خوش مزاجی سے کہا۔

"ہاں بیٹی، خیریت سے ہو بس ایسے ہی صبح سے جی گھبرا رہا تھا تو اِدھر چلی آئی۔" وہ لاؤنج میں پڑے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ننھی خالہ بہت بولتی تھیں نان اسٹاپ۔ اس لئے پورا محلہ ان سے گھبراتا تھا مگر یہاں مروت میں ان سے کچھ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ آؤ بھگت ہوتی تھی اس

وجہ سے ننھی خالہ بھی وقت بے وقت آ جاتی تھیں۔

”میں تو بہت دیر سے آنے کا سوچ رہی تھی۔ مگر نگوڑی بجلی غائب تھی، کیا کرتی آ کر اب بجلی آئی ہے تو میں بھی آ گئی۔“ امی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ ننھی خالہ شروع ہو گئیں، سلمٰی کے سکول سے لے کر ارسلہ کی یونیورسٹی تک کی مکمل بات چیت، سوال جواب رائے مشورے ایک کے بعد دوسرا سوال ارسلہ گھبرا گئی۔

”خالہ آپ اجازت دیں تو میں لیٹ جاؤں کمرے میں بہت تھکن ہو رہی ہے۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

”اے ضرور بیٹی...... لیٹو جاؤ آرام کرو واقعی میں بھی بے وقت آ گئی۔“

”نہیں ننھی خالہ آپ آرام سے بیٹھیں، یہی تو آرام سے باتیں کرنے کا وقت ہے۔“ سلمٰی نے کہا۔

”جیتی رہو، تم سب لوگ اچھے ہو، اچھی طرح ملتے ہو اسی لئے چلی آتی ہوں...... ورنہ جس کے گھر جاؤ وہی منہ چڑھائے ہوئے۔ اخلاق تو کسی میں ہے ہی نہیں۔“ ارسلہ اپنے کمرے میں گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ ننھی خالہ نے نہ جانے کتنی دیر تک بیٹھیں کیا باتیں کیں اسے پتا ہی نہیں چلا کیونکہ وہ بے خبر سو رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

دوسرے دن دوپہر کو اچانک اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے نمبر دیکھا رافع کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ یہ پہلی بار...... پہلا موقع تھا کہ وہ موبائل پر رافع سے بات کرے گی۔

”ہیلو۔“

”میں رافع بول رہا ہوں، آپ مصروف تو نہیں تھیں؟“

”جی نہیں، بور ہو رہی ہوں۔“

”اچھا...... تو میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ کل دو بجے ڈاکٹر عمر کا لیکچر ہے اگر آپ آنا چاہیں بلکہ ضرور آئیے گا معلومات میں اضافہ ہو گا۔“

”کل دو بجے؟“

”جی ہاں۔“

”یہ تو عجیب سا وقت ہے اتنی گرمی...... دوپہر، میرے لئے مشکل ہو جائے گی۔“

”اگر آپ کہیں تو میں آپ کو پک کر لوں مگر میں ذرا جلدی نکلوں گا یعنی گیارہ بجے۔“ وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گئی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔

”آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟“

”بس رافع پلیز آپ مائنڈ نہیں کیجئے گا، میں نہیں آ سکوں گی۔“

”آپ کی مرضی۔“

”آپ ناراض ہو گئے؟“

”ارے نہیں، کوئی بات نہیں۔“

”اچھا خدا حافظ۔“

”خدا حافظ۔“ رافع نے فون بند کر دیا، وہ دیر تک موبائل پکڑے اسے گھورتی رہی۔ اس نے انکار کر کے ایک صحیح فیصلہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ رافع اسے پک کرنے آئے۔ وہ ایک محتاط لڑکی تھی اور پھر کل کے لیکچر میں اس کا جانا ضروری بھی نہیں تھا اور اگر اتنا ہی ضروری ہوتا تو وہ پبلک بس سے بھی جا سکتی تھی۔ اسی لئے اس نے رافع کو منع کر دیا تھا۔

رافع کی خوبصورت آواز نہ جانے کتنی دیر تک اس کے کانوں میں گونجتی رہی، وہ جس قدر اس کے خیال کو جھٹکنا چاہتی اسی قدر وہ اس کے ذہن میں سماتا چلا جاتا۔ نہ جانے اس کی شخصیت میں کون سا جادو تھا کہ وہ اس طرح گرفتار ہوئی جا رہی تھی۔ پتا نہیں رافع کے دل میں اس کے لئے کیا تھا وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ ”کیا رافع مجھے پسند کرتا ہے۔“ یہ سوال بارہا اس کے ذہن میں آیا تھا مگر اس کا کوئی واضح جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ ”رافع نے کبھی کچھ کہا تو نہیں تھا اس نے اس کی شاعری کی تعریف کی تھی اور پڑھنے کی بھی اور بس......! اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کے دل میں بستی تھی۔ نہ جانے وہ کون سی خوش نصیب لڑکی ہو گی جو رافع کی لائف پارٹنر بنے گی۔“ وہ کبھی کبھی سوچا کرتی تھی۔

”رافع خوش شکل ہے، ذہین ہے، امیر ماں باپ کا بیٹا ہے اسے بھلا لڑکیوں کی کیا کمی ہو سکتی ہے اور میں؟ میں تو خالی ہاتھ ہوں۔ میرے پاس کیا ہے چند نظمیں اور چند غزلیں، کچھ انعامات، سرٹیفکیٹ کیا یہ چیزیں زندگی کی خوشی کی ضمانت بن سکتی ہیں؟ بالکل نہیں مجھے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہئے اور پھر اب تو اس کا آخری سمسٹر ہے پھر وہ یہاں سے چلا جائے گا اور

ایک بھولی بسری کہانی بن جائے گا۔'' پھر اسے نگی کا خیال آیا۔'' نگی کہتی ہے رافع اس کا ہے۔ تو کیا رافع نے نگی سے کوئی وعدہ کیا ہے؟'' اس کا دل اس بات کی گواہی نفی میں دیتا تھا۔'' رافع ایسا لڑکا نہیں جو کسی سے وعدہ کرے، فضول باتیں کرے اور وہ بھی نگی سے ناممکن ......!''
سوچتے سوچتے وہ نہ جانے کہاں پہنچ گئی۔

دوسرے دن رافع کا پھر فون آ گیا۔

'' کیا واقعی آپ آنا نہیں چاہتیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

'' رافع میں نہیں آسکتی اور مجھے امید ہے کہ آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔''

'' ٹھیک ہے، خدا حافظ۔'' رافع نے فون رکھ دیا۔ وہ پزل ہوگئی، پریشان ہوگئی۔

'' رافع نے مجھے دوبارہ کیوں فون کیا، کیا وہ کل سے میرے بارے میں سوچتا رہا ہے۔''
ایک عجیب سی سرشاری کی کیفیت اس پر طاری ہوگئی۔'' میں وہاں نہیں جا رہی ہوں پھر بھی رافع کے پاس موجود ہوں شاید اس کے ذہن کے اندر، آس پاس ورنہ وہ دوبارہ فون کیوں کرتا۔ اگلی ملاقات میں، میں اسے منا لوں گی وہ مان جائے گا۔'' ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ امی نے پکار لیا۔

'' دیکھو گڈو آیا ہے، منجھی خالہ نے چائے کہ پتی منگوائی ہے دے دو تھوڑی سی۔'' اس نے پلاسٹک کی تھیلی میں تھوڑی سی چائے کی پتی نکال کر گڈو کو تھما دی وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا واپس چلا گیا۔ وہ اپنی بالکنی میں آکر کھڑی ہوگئی۔ یونہی بے مقصد ادھر سے ادھر نظریں دوڑانے لگی۔ طرح طرح کے لوگ اپنے اپنے کام سے نکلے ہوئے جا رہے تھے۔ عورتیں، بچے، مرد سب ہی جلدی میں تھے۔'' نہ جانے کیوں لوگوں کو اتنی جلدی ہوتی ہے۔ سب سے پہلے پہنچ جانے کی جلدی، سب کو پیچھے چھوڑ دینے کی خواہش یا شاید یہ گھبرائے ہوئے لوگ ہیں، اکتائے ہوئے، بے چین اور پریشان حال۔ واقعی آج کل تو ہر کوئی اپنی مشکلات میں گھرا ہوا ہے سب کے اپنے مسائل، بے روزگاری، مہنگائی، بیماری، لوڈشیڈنگ اور ٹریفک جام نے زندگی کو عذاب بنا رکھا ہے۔''

وہ جب سوچتی تو بس سوچتی ہی چلی جاتی۔ ہر طرف شور تھا۔ بسوں کا شور، گاڑیوں کا شور، اخبار اٹھاؤ تو ہر طرح کی دہشت گردی کی خبروں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ سٹریٹ کرائم اتنا بڑھ چکا تھا کہ گھر سے نکلتے ہوئے خوف سا محسوس ہوتا تھا۔ آئے دن موبائل چوری کی

وارداتوں نے لوگوں کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا تھا وہ جب بھی گھر سے نکلتی آیت الکرسی ضرور پڑھ لیتی تھی یہ امی کی ہدایت تھی۔ چھٹیوں میں اس نے اپنے کپڑے سی لئے، الماریاں درست کیں، گھر کو صاف کیا اور باورچی خانے میں امی کی مدد بھی کی۔ امی ان دنوں اس سے بہت خوش تھیں اور ابو تو تھے ہی اس کے پکے دوست۔

'' کیوں بھئی ارسلہ، کب ہو رہا ہے مشاعرہ؟'' ابو نے پوچھا۔

'' بس کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔''

'' کیا پڑھو گی۔''

'' ابو ایک غزل ہے، وہ پڑھ دوں گی۔''

'' اور تمہارا رزلٹ کب آ رہا ہے؟۔''

'' بس وہ بھی اب آنے ہی والا ہے۔''

'' کون سی پوزیشن آ رہی ہے؟'' ابو کو اس سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔

'' پتا نہیں ابو، پوزیشن کا تو کچھ پتا نہیں ہوتا۔ ہاں ابو اگر میری کوئی پوزیشن آئی تو آپ کیا انعام دیں گے۔''

'' اب یہ تم خود ہی سوچ کر رکھو مگر دیکھو اپنے ابو کی حیثیت ذہن میں رکھنا۔''

'' ٹھیک ہے، سوچ کر رکھوں گی اگر پوزیشن آئی تو بتاؤں گی، نہ آئی تو پھر بات ختم......''

'' آج تو باپ بیٹی میں بڑی باتیں ہو رہی ہیں۔'' امی مسکراتی ہوئی پاس آ گئیں۔

'' تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔'' ابو نے چھیڑا۔

'' مجھے کیوں برا لگے گا، میں تو پوچھ رہی ہوں کیا باتیں ہو رہی ہیں......؟'' امی پلنگ پر چڑھ کر بیٹھ گئیں۔

'' تمہیں کچھ نہیں بتایا جائے گا تم جاؤ اپنی پسندیدہ جگہ یعنی باورچی خانہ میں۔'' ابو نے پھر چھیڑا۔

'' آپ کچھ بھی کہیں میں آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔'' یہ کہہ کر امی پلنگ پر سیدھی سیدھی لیٹ گئیں ابو اٹھ کر لاؤنج میں آ گئے اور اخبار پڑھنے لگے۔

❀ ❀ ❀

آڈیٹوریم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ملک کے کونے کونے سے نامور شعرا مشاعرے میں

شرکت کی غرض سے آئے تھے۔ چونکہ ارسلہ اس مشاعرے میں اپنی غزل پڑھ رہی تھی اس وجہ سے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے بہت سے طالب علم موجود تھے۔ بطور خاص نگی اور اس کی سہیلیاں آئی ہوئی تھیں اور رافع تو خیر تھا ہی موجود۔ ارسلہ کی کلاس کے لڑکے اور لڑکیاں بھی موجود تھے۔ شہاب احمد نے بہت پہلے سے آ کر آگے کی سیٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سے مرعوب تھا اس کے لئے وہ کتنی اہم تھی اس بات کی خبر ارسلہ کو نہیں تھی۔ ارسلہ کی نگاہیں پورے مجمع میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں اور پھر جلد ہی اسے وہ مرکز نگاہ مل گیا۔ رافع کی خوشی پوری کرنے آئی تھی۔ اس نے آج ترنم سے پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے کبھی کسی مشاعرے میں شرکت کی ہی نہیں تھی اور اگر لوگوں کی فرمائش پر کبھی کچھ سنایا تھا تو تحت اللفظ میں ٹھہر ٹھہر کر......مگر آج وہ اپنی آواز کا جادو بھی جگائے گی یہ اس نے سوچ لیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس کی شاعری معمولی درجے کی شاعری ہے اور اگر معمولی درجے کی شاعری کو ہی خوبصورت آواز اور اچھے ترنم سے پڑھا جائے تو مجمع پر سحر طاری ہو جاتا ہے اور آج وہ ایسا ضرور کرے گی مگر کس کے لئے صرف رافع کے لئے، صرف اسی کی خاطر۔

مشاعرہ شروع ہو چکا تھا۔ میزبان شاعر نے پہلے اپنا کلام سنایا پھر چند جونیئر اور نئے شعرا سے سنا گیا اور جلد ہی ارسلہ کو پکار لیا گیا۔

''اب میں ایک ابھرتی ہوئی شاعرہ مس ارسلہ باقی عثمانی کو دعوت دوں گا کہ وہ اپنے کلام سے ہم سب کو مستفیض فرمائیں۔'' اور پھر آ گئی تھی اس کے ہاتھ میں اس کی ڈائری تھی۔ اس نے مائیک کو درست کیا اور غزل شروع کی۔

''پھولوں سے پیار ہو کر دامن بھرا ہے میرا
اتنا پتا بتا دو گزرو گے تم کدھر سے
کانٹے ہٹا کے میں نے کچھ پھول رکھ دیئے ہیں
شاید گزر تمہارا ہو جائے پھر اِدھر سے
پھولوں کی بات چھوڑو آنکھیں بچھا کے رکھ دوں
ان راستوں پہ ہمدم گزرو گے تم جدھر سے
سب پھول چن لئے ہیں میرے چمن کے تم نے
اب کیا کرو گے آ کر کیا لے سکو گے گھر سے

کیا پوچھتے ہو خواہش محروم مبتلا کی
آؤ اسے مناؤ یوں اس طرح اِدھر سے
چپ چاپ بھر گئی ہیں اشکوں سے میری آنکھیں
بن موسموں کے بادل جیسے چمن میں برسے
اب سوچتی ہوں ہمدم سارے دیئے بجھا دوں
کچھ روشنی سمیٹوں تاروں سے کچھ سحر سے''

اس کی غزل ختم ہوئی تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس کی آواز نے واقعی ایسا جادو جگایا تھا کہ سب پر سحر طاری ہو گیا تھا۔ اس کے کلام کی بھرپور داد دی گئی۔ اس سے مزید کچھ سنانے کی فرمائش ہوئی مگر وہ معذرت کر کے اٹھ گئی۔ رافع حیران تھا، وہ ارسلہ کے اس وصف سے بے خبر تھا کہ وہ کوئل کی سی آواز رکھتی ہے۔ وہ اتنا اچھا پڑھے گی یہ اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔ شہاب احمد تو اتنا گم صم تھا کہ تالی بھی نہ بجا سکا۔ ارسلہ عثمانی کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اب بھی جب کہ وہ مائیک سے ہٹ چکی تھی۔ اس کی آواز میں درد تھا، الفاظ جادو بھرے تھے۔ آخری شعر نے تو اسے تڑپا دیا۔ اس کا دل بے قابو ہوا جا رہا تھا اب دوسرے لوگ پڑھ رہے تھے مگر وہ کچھ نہیں سن رہا تھا اس کے کانوں میں یہی شعر گونجے جا رہا تھا۔

اب سوچتی ہوں ہمدم سارے دیئے بجھا دوں
کچھ روشنی سمیٹوں تاروں سے کچھ سحر سے

وہ چپ چاپ ہال سے باہر نکل آیا وہاں بیٹھ کر کیا کرتا۔ ارسلہ نے اسے ہال سے باہر جاتا دیکھ لیا تھا۔ ایک گھنٹے بعد ارسلہ بھی اٹھ گئی، وہ زیادہ دیر نہیں رک سکتی تھی کیونکہ شام ہو چلی تھی اور اسے اتنی دور ابھی گھر بھی واپس جانا تھا۔ اس نے دیکھا دور سنگی بینچ پر شہاب احمد تنہا بیٹھا تھا۔ وہ چپ چاپ آہستہ قدموں سے اس کے نزدیک پہنچی تو اس کے کانوں میں اپنی غزل کی آواز آئی۔ شہاب نے اپنے موبائل پر ٹیپ کر لی تھی اور اب تنہائی میں بیٹھا سن رہا تھا۔ ارسلہ پریشان ہو گئی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے کچھ کہنا چاہئے یا خاموش رہنا چاہئے۔ شہاب کو یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے اگر کسی نے سن لیا تو پھر...... اس نے لمحاتی فیصلہ کیا اور پکارا۔

''شہاب......!'' اس نے پلٹ کر دیکھا ارسلہ پیچھے کھڑی تھی۔ اس نے اپنا موبائل بند کر

دیا اور گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارسلہ آپ مشاعرہ نہیں سنیں گی؟"

"اب دیر ہو رہی ہے، مجھے جلدی جانا ہے مگر آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟"

"آئی ایم سوری ارسلہ، میں نے آپ کی غزل ٹیپ کر لی تھی وہی سن رہا تھا، آپ کی آواز بے حد خوبصورت ہے۔"

"کیا اس طرح یونیورسٹی میں بیٹھ کر یہ سب کچھ کہنا اچھی بات ہے اور پھر ذرا سوچیں لوگ کیا کہیں گے...... کیا آپ میری رسوائی چاہتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں، ارسلہ میں تو کچھ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں...... آپ مجھے پسند ہیں، یقین کریں میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا نہ سناؤں گا۔ آپ مجھ پر بھروسا کر سکتی ہوں۔"

"آپ کو میں ایک اچھا انسان سمجھتی ہوں اس لئے اس بات کو درگزر کر رہی ہوں لیکن آئندہ آپ محتاط رہیے گا۔"

"آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

"او کے، شٹل آ گئی ہے میں جا رہی ہوں۔"

"خدا حافظ۔" وہ شرمندہ تھا مگر مجبور تھا ارسلہ کے جانے کے بعد اس نے اپنا موبائل دوبارہ آن کر لیا۔

❀ ❀ ❀

دوسرے دن کے اخبار میں مشاعرے کے حوالے سے خبر لگی ہوئی تھی اور اس میں ارسلہ عثمانی کا بطور خاص تذکرہ موجود تھا۔ اس کی تعریف تھی اس نے خوشی خوشی اخبار ابو کے سامنے رکھ دیا۔

"ابو دیکھیں، پڑھیں یہ خبر۔" ابو نے عینک لگا کر خبر اچھی پڑھی اور اپنی بیٹی کی تعریف پڑھ کر بے حد خوش ہوئے۔

"ارے سنتی ہو خالدہ بیگم۔" ابو نے امی کو پکارا۔

"ہاں، ہاں سن رہی ہوں، بولیں بات کیا ہے؟"

"تمہاری بیٹی کی تعریف چھپی ہے اخبار میں۔"

"اچھا کیا لکھا ہے، پڑھ کر سنائیں۔" خلاف معمول امی خوش ہو کر قریب چلی آئیں۔

ابو نے پوری خبر پڑھ کر سنائی۔

"دیکھ لو بیگم، یہ ہے میری بیٹی۔"

"اے لو ابھی میری تھی اب خود بخود آپ کی ہو گئی۔"

"اس کا مطلب ہے تم بھی خوش ہو...... اب اس کی شعر و شاعری کے خلاف کچھ نہ کہنا۔" آج چونکہ ہفتہ تھا اس لئے سلمیٰ کے سکول کی بھی چھٹی تھی وہ بھی نزدیک ہی چلی آئی۔ انہیں بھی ارسلہ کے بارے میں پڑھ کر خوشی ہوئی تھی۔

"ارے یہ تو بتاؤ تمہارا رزلٹ کب آ رہا ہے؟" سلمیٰ نے پوچھا۔

"بس آج کل میں...... کیا خبر آج ہی نوٹس بورڈ پر لگ جائے۔"

"پھر تمہیں کیسے خبر ہو گی؟"

"کوئی نہ کوئی اطلاع دے دے گا فون پر۔" ارسلہ نے کہا ہے۔ "ویسے بھی اب دوسرا سمسٹر شروع ہی ہونے والا ہے۔" پھر ابو سے بولی۔ "ابو آپ میرا گفٹ تیار رکھیے گا۔"

"اچھا بھئی رزلٹ تو آنے دو۔"

"سمسٹر تو بہت سے ہوتے ہیں۔" سلمیٰ نے کہا۔ "اب ہر سمسٹر کا انعام لو گی تو مشکل ہی ہو جائے گی۔"

"کم از کم پہلے سمسٹر کا انعام تو لے لوں، یونیورسٹی کا پہلا امتحان ہے۔" صبح کا وقت تھا اور چھٹی کا دن باقی صاحب کی کمپنی میں بھی ہفتے کی چھٹی ہوتی تھی ابھی تک ناشتہ نہیں ہوا تھا سب صبح ہی سے اخبار کی خبر اور بات چیت میں لگ گئے تھے۔

"سلمیٰ ناشتہ لاؤ، بھوک لگ رہی ہے۔" ابو نے کہا۔

"چھٹی کے دن لطف آ جاتا ہے۔ ڈھنگ کا ناشتہ مل جاتا ہے۔" ابو نے فوراً اپنی پلیٹ سنبھالی وہ ہمیشہ سامنے والی کرسی پر بیٹھتے تھے یہ ان کی مخصوص جگہ تھی۔

❀ ❀ ❀

دوپہر کو رافع کا فون آ گیا۔ ارسلہ کی دوسری پوزیشن آئی تھی جبکہ شہاب احمد نے پہلی پوزیشن لی تھی۔ ارسلہ بہت خوش تھی۔ آج کا دن بہت اچھا تھا ہر طرف سے خوش خبریاں مل رہی تھیں۔ تبھی ابو نے اپنی الماری کھول کر ایک پیکٹ نکالا اور ارسلہ کو دے دیا۔

"یہ لو اپنا گفٹ...... کئی روز ہوئے لے آیا تھا۔"

"اُف...... کیا ہے اس میں؟" ارسلہ نے جلدی سے پیکٹ کھولا ایک خوبصورت گھڑی تھی۔

"اُف اتنی پیاری گھڑی...... ابو، تھینک یو میری گھڑی بہت پرانی ہوگئی تھی۔" وہ سچ مچ خوش ہو رہی تھی۔

"بیٹی گھڑی تم سے کچھ کہہ رہی ہوتی ہے، اس کے پیغام کو سننا ضرور......!"

"ابو میں سمجھ گئی، میں وقت کی قدر کرتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ جو پل گزر جاتا ہے وہ پھر کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ اس لئے ہمیں وقت کی قدر کرنی چاہئے اور یہ بھی کہ وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا بدلتا رہتا ہے۔"

"بس میرا مقصد بھی یہی تھا۔ یہ گھڑی تمہیں ہر لحہ وقت کی اہمیت کا احساس دلاتی رہے گی۔"

"میں اسے سنبھال کر رکھوں گی ابو۔"

"رکھنا نہیں، استعمال کرنا ہے۔" ابو نے بات ختم کی اور اٹھ کر کسی کام سے چلے گئے۔

پاس ہونے کی خوشی میں سلمٰی نے بھی اسے ایک ریڈی میڈ سوٹ دیا تھا۔ وہ پہلے ہی چپ چاپ خرید لائی تھی، ارسلہ حیران رہ گئی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا "میرے گھر کے سب لوگ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ ایک سمسٹر ہی تو پاس کیا ہے اور سب نے اتنی خوشی منائی ہے۔"

ایک ہفتے بعد یونیورسٹی دوبارہ کھل گئی۔ نئے سمسٹر کی کلاسز شروع ہوگئیں۔ رافع کا یہ فائنل تھا وہ اپنی پڑھائی میں مصروف رہتا تھا۔ اسے ہر حال میں پہلی پوزیشن لینی تھی۔ اس کے بعد اسکالرشپ لے کر امریکہ جانا تھا، یہ اس کا پروگرام تھا۔ نگی کا بھی آنرز فائنل تھا اس لئے وہ بھی اپنی دوستوں کے ساتھ سیمینار میں بیٹھی نوٹس تیار کرتی رہتی تھی۔

ارسلہ کی شاعری سن کر اس نے کوئی ریمارکس پاس نہیں کیے تھے اس بات پر ارسلہ کو بڑی حیرت تھی اور اس کی دوست سعدیہ بھی متعجب تھی۔ کیونکہ یہ نگی کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ کسی کو نہیں بخشتی تھی اور ارسلہ کو تو بخشنے کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ رافع کا جھکاؤ ارسلہ کی طرف تھا اور نگی کسی قیمت پر رافع کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک روز ارسلہ سیمینار میں بیٹھی نوٹس تیار کر

رہی تھی۔ سعدیہ بھی ساتھ تھی کہ چپڑاسی نے ایک پیکٹ ارسلہ کو لا کر دیا۔

"اس میں کیا ہے، کس نے دیا ہے؟" ارسلہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"پتا نہیں جی......" کسی لڑکی نے دیا ہے میں اسے پہچانتا نہیں۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی نہیں ہے۔"

"کھول کر دیکھو ارسلہ۔" سعدیہ نے کہا۔

"خدا جانے اس میں ہے کیا......!" ارسلہ نے پیکٹ کھولا ایک پلاسٹک کی تھیلی میں کچھ پھولوں کی پتیاں رکھی تھیں اور ساتھ ہی ایک پرچہ بھی رکھا تھا۔

"پیاری ارسلہ! تمہیں پھول بھیج رہی ہوں تاکہ تم ان راستوں پر رکھ سکو جہاں سے رافع کا گزر ہوتا ہے۔

فقط تمہاری ایک ہمدرد!"

"یہ سراسر نگی کی حرکت ہے۔" سعدیہ نے فوراً کہا۔ "بدتمیزی کی حد ہوتی ہے۔"

"اتنی چھچھوری حرکتوں کا بھلا کیا جواب ہو سکتا ہے۔" ارسلہ نے کہا۔ "بزدل نے اپنا نام بھی نہیں لکھا۔"

"اپنی کسی دوست کی بہن وغیرہ سے بھجوا دیا ہوگا۔" سعدیہ کا خیال تھا۔

"حالانکہ وہ خود بھی آ کر دے سکتی تھی۔" ارسلہ نے کہا۔ "اتنی بولڈ لڑکی ہے اسے کسی کا کیا ڈر...... منٹوں میں عزت خاک میں ملا دینا اس کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔"

"بس یہ بھی ایک انداز ہے بے ہودگی کا۔" سعدیہ نے کہا۔

"میں اس کی ہر بات کے جواب میں خاموش رہوں گی۔ مجھے اس سے کچھ نہیں کہنا، رافع کا فائنل ہے...... چند ماہ رہ گئے ہیں، وہ یہاں سے چلا جائے گا تو اس لڑکی کا دماغ بھی درست ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، دفع کرو ہمیں اپنی پڑھائی سے غرض ہے۔"

"ویسے ایک بات ہے ارسلہ۔" سعدیہ نے مسکرا کر کہا۔

"وہ کیا؟"

"رافع ہے بہت اچھا......!" سعدیہ نے دوست کو چھیڑا۔

"اب میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔" اس نے کتاب سعدیہ کے اوپر ماری تو دونوں سہیلیاں

ہنس دیں۔

❀ ❀ ❀
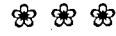
"ارسلہ ٹھنڈ ہو رہی ہے، سوئٹر پہن کر یونیورسٹی جانا اور پھر بادل بھی ہیں، کیا خبر بارش ہو جائے۔" سلمٰی نے بہن کو تاکید کی۔

"نہیں باجی، میں سوئٹر نہیں پہنوں گی، اچھا خوشگوار موسم ہے اور بادل تو کئی روز سے ہیں برستے نہیں ہیں۔"

"آج تو محکمہ موسمیات نے پیش گوئی کی ہے کہ زبردست بارش ہو گی۔"

"اس کا مطلب ہے بارش ہو ہی نہیں سکتی۔ باجی جس روز یہ لوگ پیش گوئی کریں اس دن تو کچھ نہیں ہوتا۔ پچھلے ہفتے کی پیش گوئی یاد ہو گی آپ کو آندھی طوفان کی پیش گئی تھی، میں تو انتظار کرتی رہ گئی کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"بہرحال احتیاط کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"سلمٰی ٹھیک کہہ رہی ہے سوئٹر پہن لو۔" امی نے پکار کر کہا۔

"امی مجھے سردی نہیں لگ رہی۔" ارسلہ نے کہا۔ "میں جا رہی ہوں اللہ حافظ۔" وہ کتابیں لے کر آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی۔ بس سٹاپ پر پہنچی تو جلد ہی پوائنٹ کی بس آ گئی۔ یہاں بس خالی ہوتی تھی کیونکہ ڈیفنس کا علاقہ تھا ادھر ہی سے چلتی تھی جوں جوں بس آگے جاتی لڑکے لڑکیاں اس میں سوار ہوتے جاتے اور پھر آدھے راستے کے بعد چڑھنے والوں کو کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑتا تھا۔

یونیورسٹی پہنچتے پہنچتے بادل گھرے ہو گئے اور شدید حبس ہو گیا۔ کلاسز شروع ہو گئیں ان دنوں پڑھائی زوروں پر ہو رہی تھی کیونکہ امتحانات نزدیک تھے۔ ارسلہ بھی اپنی کوئی کلاس مس نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کلاسز لینے کے بعد وہ کلاس روم سے باہر آئی تو بوندا باندی شروع ہو چکی تھی اس نے دیکھا رافع تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کی جانب آ رہا تھا۔

"مس ارسلہ، بادل گھرے ہو رہے ہیں بارش آنے والی ہے۔ ان حالات میں آپ کا اتنی دور ڈیفنس تک پہنچنا مشکل ہے اور پوائنٹ اپنے وقت ہی پر چلے گا یعنی دن کے ایک بجے ......ابھی گیارہ بجے ہیں آپ فوراً یہاں سے نکلیں، مس سعدیہ آپ بھی گھر چلی جائیں۔"

"واقعی رافع ٹھیک کہہ رہے ہیں ارسلہ، میں تو جا رہی ہوں۔"

"آیئے آپ لوگ میرے ساتھ میں آج گاڑی لے کر آیا تھا۔"

"لیکن مجھے تو ڈیفنس نہیں جانا۔" سعدیہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے جہاں تک جانا ہے وہاں تک تو بیٹھ جائیں۔" وہ دونوں اپنی کتابیں اٹھا کر رافع کے پیچھے چل دیں۔ رافع گاڑی سٹارٹ کر کے نزدیک لے آیا تھا۔ وہ دونوں روڈ پر آ چکی تھیں۔

"آپ مجھے نیپا پر اتار دیجئے گا۔" سعدیہ نے کہا۔ "میں وہاں سے بس پکڑ لوں گی۔"

"آل رائٹ۔" رافع نے فرنٹ ڈور کھول دیا تو سعدیہ نے ارسلہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس سیٹ پر دھکیل دیا اور خود پیچھے کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

"ابھی بارش ہلکی ہے، اس وقت نکل جانا اچھا ہے ورنہ بارش تیز ہو گئی تو مشکل ہو جائے گی۔" رافع نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" سعدیہ نے کہا۔ "اور بارش ہوتی ہے تو پانی جگہ جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔"

"جی ہاں، یہ مسائل تو ہیں کراچی کے۔" وہ آہستہ آہستہ گاڑی چلاتا ہوا نیپا تک پہنچا اور گاڑی روک دی، سعدیہ اتر گئی۔

"آپ جب تک بس میں سوار ہوں، میں رکا ہوا ہوں۔"

"نہیں رافع، تھینک یو میں چلی جاؤں گی، اس وقت ارسلہ کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے وہ خوف زدہ تھی کہیں بارش تیز نہ ہو جائے۔ اس طرح برستی بارش میں رافع کے ساتھ بیٹھ کر گھر جانا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا اور پھر اس کا اتنی دور تنہا جانا مشکل ہو جاتا۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں پریشان ہیں؟" رافع نے آہستہ خرامی سے گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔

"میں واقعی پریشان ہو رہی ہوں، خدا کرے بارش رک جائے۔" رافع کی نظریں سامنے تھیں اس نے ایک لمحے کو بھی ارسلہ کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ یہی تو بات تھی رافع کی شخصیت میں کہ وہ اس کے دل میں رچ بس گیا تھا۔ رافع کے ساتھ وہ اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرتی تھی۔ ابھی گاڑی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ بارش اچانک تیز ہو گئی بادل گھرے ہو گئے اِک دم سیاہ...... گاڑی اب بھی چل رہی تھی بالکل آہستہ رفتار سے۔ وہ دونوں خاموش تھے اپنی اپنی

سوچوں میں گم کہ اچانک بادل بہت زور سے گرجا ایسا لگا جیسے کہیں بجلی گری ہو اور پھر بارش بہت تیز ہوگئی۔ رافع نے گاڑی کنارے کر کے روک دی۔

"آپ رک گئے ہیں۔"

"جی ہاں، اس وقت ہمیں تھوڑی دیر رک کر بارش کے ہلکے ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔" وہ خاموش رہی۔

"آپ شاید خوف زدہ ہیں۔ آپ بے فکر رہیں ہم انشاء اللہ خیریت سے پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے، رافع۔"

"کچھ دیر انتظار کریں...... بارش ہلکی ہوتے ہی ہم نکل چلیں گے۔"

"میرے گھر والے پریشان ہوں گے۔" ارسلہ نے کہا۔

"آپ فون کر دیں، آپ کے پاس موبائل ہے؟"

"ٹھیک ہے، میں ابو کو فون کر دیتی ہوں، ابو آفس میں ہوں گے وہ گھر پر امی کو بتا دیں گے۔"

"آپ امی کو فون کر دیں۔"

"نہیں، میں ابو سے بات کروں گی امی پریشان ہو جاتی ہیں۔ باجی بھی سکول گئی ہیں۔"

"ان کا سکول کہاں ہے؟"

"نزدیک ہی ہے، ان کی کولیگ انہیں چھوڑ دیتی ہیں اکثر۔" ارسلہ نے ابو کے موبائل پر فون کیا۔

"ابو آپ کہاں ہیں؟"

"میں گھر کے لئے نکل رہا ہوں، کیوں خیریت......؟"

"جی ابو میں نے یہی بتانے کے لئے آپ کو فون کیا ہے کہ میں خیریت سے ہوں۔ ابو میں رافع کی گاڑی میں ہوں، ڈیفنس میں رہتے ہیں رافع۔ میں ان کے ساتھ آ رہی ہوں آپ پلیز امی کو سمجھا دیجئے گا۔"

"اچھا بیٹی میں ابھی فون کرتا ہوں تمہاری امی کو۔ وہ واقعی پریشان ہوں گی۔" فون کر کے ارسلہ مطمئن ہوگئی۔

"میرے ابو بہت اچھے ہیں رافع، بہت اچھے دوست...... میری ابو سے بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، امی سے آپ کی دوستی نہیں؟"

"امی بہت جلد پریشان ہو جاتی ہیں، میری شاعری پر بھی اکثر خفا ہوتی ہیں جبکہ ابو حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔"

"اس روز مشاعرے میں آپ نے کمال کر دیا۔"

"بہت دنوں بعد آپ کو خیال آیا، اب تو یہ بات پرانی ہو چکی۔"

"بات کبھی پرانی یا نئی نہیں ہوتی مس ارسلہ...... بات صرف بات ہوتی ہے۔"

"اچھا فلسفہ ہے۔"

"یہ فلسفہ نہیں، یہ سچ ہے مس ارسلہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر باتیں ذہن میں زندہ کیوں رہ جاتی ہیں، نکل کیوں نہیں جاتیں۔ باتیں خواہ نئی ہوں یا پرانی کہیں نہ کہیں اپنی جگہ ضرور بنا لیتی ہیں اور پھر مٹتی نہیں ہیں، آزما لیجئے گا کبھی۔" اس نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ارسلہ پر ڈالی تھی پھر نظریں دوسری طرف کر لیں۔ اچانک بادل زور سے گرجا۔ تیز ہوا چلی اور ایک بڑا نیون سائن بورڈ دھڑام سے نیچے گرا اور پھر ایک درخت بھی اکھڑ کر گر پڑا۔ آدھی روڈ بلاک ہوگئی، ارسلہ خوف زدہ ہوگئی۔ اس نے اچانک رافع کا بازو پکڑ لیا مضبوطی کے ساتھ۔

"رافع مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"اس طرح خوف زدہ ہونے سے کیا ہوگا۔ دعا کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے بہت ہلکے سے ارسلہ کے ہاتھ پر تھپکی دی۔ وہ اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"سوری رافع۔"

"اٹ از آل رائٹ، میں کوشش کرتا ہوں آہستہ گاڑی چلا کر لے جاؤں۔" رافع نے مشینی انداز میں کہا پھر گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد گاڑی سٹارٹ ہوگئی۔ وہ برستی بارش میں گاڑی چلانے لگا سڑک پر پانی بہت تھا۔ اسے ڈر تھا کہیں گاڑی رک نہ جائے۔ اسے اپنی نہیں ارسلہ کی فکر تھی، وہ ایک با اصول اور مضبوط انسان تھا نہیں چاہتا تھا کہ ارسلہ پر کوئی حرف آئے۔ اس نے گاڑی ایک گاڑی کے پیچھے لگا لی۔ سڑک پر اکا دکا گاڑیاں رینگ رہی تھیں کچھ پھنس گئی تھیں جگہ جگہ بسیں پھنسی کھڑی تھیں رافع کی گاڑی کبھی رک جاتی

کبھی چل پڑتی۔ ڈیفنس میں داخل ہوئے تو دن کے دو بج رہے تھے۔ اب بارش بہت ہلکی ہو گئی تھی لیکن سڑکیں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ رافع کی گاڑی کسی نہ کسی طرح ارسلہ کے فلیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔

"بس یہیں روک دیجئے۔"

"یہاں تو بہت پانی کھڑا ہے آپ کس طرح اتر کر جائیں گی؟"

"مجبوری ہے یہی گھر ہے میرا۔"

"آپ رکیں میں اس طرف آتا ہوں آپ کو اترنے میں مدد دوں گا۔" وہ گاڑی سے اتر کر اس طرف چلا آیا۔ رافع نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر کنارے تک پہنچایا۔

"تھینک یو رافع۔"

"آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا کر میں جاؤں گا اس کے بعد شکریہ ادا کیجئے گا چلیں اوپر۔" وہ آگے آگے سیڑھیاں چڑھنے لگی رافع اس کے پیچھے تھا۔ پوری چالیس سیڑھیاں چڑھ کر وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچی اور بیل بجا دی سلمٰی نے دروازہ کھولا۔ رافع اور ارسلہ کھڑے تھے۔

"باجی یہ رافع ہیں۔"

"آیئے آپ اندر آ جائیں۔" رافع نے اپنے جوتے اتار دیئے کیونکہ وہ کیچڑ میں لت پت تھے اور پھر ڈرائنگ روم میں رکھے سادہ سے صوفے پر ایک کنارے پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ذرا سی دیر میں امی، ابو اور باجی سب ہی اس کے قریب بیٹھے تھے۔

"بیٹا آپ کا بہت شکریہ، میں ٹی وی پر دیکھ رہا ہوں...... تمام گاڑیاں، بسیں رستے میں پھنسی ہوئی ہیں، ارسلہ خیریت سے گھر پہنچ گئی ہم لوگ تو فکر مند تھے۔"

"انکل اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں۔ میں جانتا تھا کہ تیز بارش میں گھر پہنچنا مشکل ہو جائے گا اس وجہ سے میں خود ہی مس ارسلہ کو لے کر آ گیا۔"

"آج پوائنٹ نہیں چلے آپ کے......؟ باجی نے پوچھا۔ رافع کو ہنسی آ گئی۔"

"باجی پوائنٹ کی حالتِ زار ایسی ہے کہ عام دنوں میں مشکل سے سٹارٹ ہوتے ہیں اور پھر اکثر کی چھتیں بھی ٹوٹی ہوئی ہیں، اندر باہر سب ایک جیسا موسم ہوتا ہے۔ آج تو کوئی پوائنٹ نہیں چل پایا ہوگا۔"

"پھر سب کس طرح گھر پہنچیں گے؟"

"بس کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جائے گی۔" رافع نے کہا۔ "لیکن بہت ٹائم لگ جائے گا مجھے تو ڈر ہے کہ دور دراز رہنے والے کہیں رات تک گھر پہنچ سکیں گے۔" رافع اور ابو باتیں کرتے رہے، امی اور باجی باورچی خانے میں تھیں، کھانا تیار تھا۔ ارسلہ نے جلدی جلدی میز صاف کی اور کھانا لگا دیا گیا۔

"آؤ بیٹا، کھانا کھا لو، تھک گئے ہو گے۔" امی نے خلوص سے کہا۔ رافع کو شرمندگی ہو رہی تھی اس نے ایسا نہیں سوچا تھا کہ وہ ارسلہ کے گھر کھانا کھانے بیٹھ جائے گا۔

"میں اب گھر جا کر ہی کھا لوں گا، میری امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"تکلف مت کرو بیٹا...... جو کچھ دال روٹی ہے کھا لو۔" اور وہ انکار نہ کر سکا۔

"آپ ہاتھ دھو لیں۔" باجی نے کہا۔ رافع ہاتھ منہ دھو کر میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ دال چاول اور قیمہ آلو پکے تھے۔ باجی نے گرم گرم روٹیاں ابھی پکائی تھیں۔ رافع کو بہت بھوک لگ رہی تھی اس نے رغبت سے کھانا کھایا۔

"کھانا بہت مزے دار ہے۔" رافع نے تعریف کی۔

"اب تم تکلف نہ کرنا۔" ابو نے کہا۔

"جی نہیں، میں لے رہا ہوں۔" کھانا کھا کر فارغ ہوا تو ارسلہ چائے کی ٹرے لے کر آ گئی۔ اس نے شکریہ کے ساتھ چائے کی پیالی تھام لی اور اب چائے پی کر وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"انکل اب اجازت دیں۔ مجھے آپ سب سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔"

"بہت شکریہ بیٹا، مجھے بھی تم بہت اچھے لگے ہو۔" اس نے امی کو بھی سلام کیا، باجی اور ارسلہ کو اللہ حافظ کہہ کر اپنے گھر کو سدھارا۔

❀ ❀ ❀

رات کو ارسلہ سونے لیٹی تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ باجی کب کی سو چکی تھیں مگر وہ جاگ رہی تھیں۔ پورے دن کے واقعات ایک فلم کے مانند نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ موسلادھار بارش، گرجتے بادل، تیز چلتی ہوائیں، گرتے ہوئے درخت، سائن بورڈ اور رافع کے ہمراہ اس کی گاڑی میں اس کا چپ چاپ بیٹھنا...... یہ سب کچھ کتنا ناقابلِ یقین

تھا۔ رافع کے اعلیٰ کردار، مضبوط روّیے اور خود اعتمادی نے اسے اپنا اسیر کرلیا تھا۔ یہ اسیری اس کے مقدر میں لکھ دی گئی۔ اس کا دل ایک کورے کاغذ کے مانند تھا اس پر کسی کی تصویر نہ تھی، نہ کوئی لکیر تھی مگر اب ایک تصویر بن گئی تھی کسی کا نام لکھ دیا گیا تھا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے رافع کے بارے، سوچنے لگی۔ اسے ہر لمحہ ہر وقت اسی کا خیال رہتا۔ کتاب کھلتی تو سامنے رافع کا پر اعتماد چہرہ نظر آتا۔ اس کا وجود، اس کی پرچھائیں، اس کا تصور ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتا مگر اس کے لب خاموش تھے اس نے تہیہ کرلیا وہ اب کبھی رافع کا نام اپنی زبان پر نہیں لائے گی۔ مبادا کسی کو اس کے حالِ دل کی خبر ہو جائے۔ کہیں کوئی بات اس کی ذات سے منسوب نہ ہو جائے۔ کہیں باجی اسے پھر ٹوک نہ دیں۔

''باجی نے شاید درست ہی کہا تھا میں ہر وقت رافع کی بات کرتی ہوں اور مجھے احساس بھی نہیں تھا، مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ رافع کبھی ہمارے گھر ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ خیر یہ اچھا ہی ہوا۔ رافع نے ہماری حیثیت دیکھ لی سب گھر والوں سے مل لئے...... اب ان کے لئے کوئی ابہام نہیں۔'' ان دنوں وہ عجیب انداز سے سوچنے لگی تھی۔ ''اگر یہ جو کچھ ہوا اس کا الٹ ہوا ہوتا تو یعنی رافع کسی معمولی فلیٹ میں رہتا ہوتا اور وہ خود کسی بڑے باپ کی بیٹی ہوتی۔ اس کے پاس ایک خوبصورت گاڑی ہوتی اور برستی بارش میں وہ خود اپنی گاڑی پر رافع کو اس کے گھر ڈراپ کرتی اپنے ایک عدد ڈرائیور کے ساتھ تو حالات بہت مختلف بھی ہو سکتے تھے۔ وہ اس پوزیشن میں ہوتی کہ اپنی پسند آسانی سے حاصل کرسکتی تھی...... جو اعلیٰ ہو پہل اسی کی جانب سے ہوتی ہے مگر حالات یوں نہ تھے وہ صرف ان باتوں کو سوچ سکتی تھی' سوچوں کا کیا ہے جو چاہو سوچ لو۔ جیسی چاہو رنگین دنیا بسا لو۔ کوئی پابندی نہیں...... جاگتے میں خواب دیکھنا ہر انسان کا حق ہے کم از کم یہ بات ایسی ہے کہ اس پر کوئی قدغن نہیں۔''

پہلے اس نے سوچا کہ وہ اس معاملے میں سعدیہ کو شریک کرے مگر پھر اس کے ذہن نے خود ہی اس خیال کی نفی کردی۔ رافع نے کب اس سے کوئی بات کی، کوئی جملہ، کوئی لفظ، کوئی ایک نظر ہی سہی کچھ بھی تو نہیں تھا پھر وہ کس بات کو بنیاد بنا کر کوئی بات کرتی۔ اس طرح تو وہ خود اپنے آپ کو گرا لے گی اور یہ اسے منظور نہیں تھا مگر وہ اپنے دل کو سمجھا نہ سکی، رافع کو دل سے نہ نکال سکی۔ ہر گزرتے دن نے رافع کو اس سے نزدیک کیا اور اسی دوران فائنل امتحانات

ہوگئے اور چھٹیاں ہوگئیں۔

کئی بار اس کا جی چاہا وہ رافع کو فون کرے مگر ہمت نہیں پڑی کبھی خیال ہوا شاید وہ خود ہی کسی کام سے فون کرلے مگر ایسا بھی نہیں ہوا۔ ایک آدھ بار امی ابو یا باجی نے رافع کا ذکر کیا مگر اس نے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی اس ذکر کو ٹال گئی۔ ان دنوں اس کے پاس فرصت تھی سو وہ خوب شاعری کرتی اچھی اچھی نظمیں کہتی اور اخبار میں بھیج دیتی۔ ان ہی دنوں اچانک اس کے گھر میں بھونچال آگیا جب اس کے ابو کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ دفتر سے فون آیا تھا گھر میں لڑکیاں ہی تھیں کیا کرتیں...... ایسے وقت میں ننھی خالہ کے میاں غوری صاحب کام آئے۔ ابو کو ہسپتال پہنچایا جا چکا تھا۔ آفس کے لوگوں نے یہ کام کیا تھا اور گھر اطلاع دے دی تھی۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ غوری صاحب خواتین کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ارسلہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اس کی آنکھوں سے اشک جاری تھے جبکہ باجی خاموش اور امی سکتے کے عالم میں تھیں۔ دل ہی دل میں میاں کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

پورا دن اسی تفکر اور پریشانی میں گزر گیا شام تک باقی صاحب کی طبیعت سنبھلی۔ ڈاکٹروں نے اطمینان دلا دیا کہ خطرہ ٹل گیا ہے مگر آئندہ بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ دوسرا اٹیک جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے۔ ارسلہ دم بخود تھی۔

''الٰہی ابو تو بہت اچھی صحت کے ہیں۔ چاق و چوبند، چلتے پھرتے اوپر سے نیچے سیڑھیاں اترتے۔ سارے کام کرتے اور پھر ابھی تو ان کی ریٹائرمنٹ میں کئی سال ہیں ان کی عمر بھی زیادہ نہیں۔ بظاہر کوئی پریشانی بھی نہیں تھی اور وہ فطری طور پر خوش رہنے والے انسان ہیں پھر انہیں دل کا دورہ کیوں پڑ گیا۔'' دو دن بعد ابو گھر آگئے۔ ارسلہ ہر وقت ابو کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی۔

''ابو پلیز آپ اب کبھی بیمار مت پڑیئے گا...... وعدہ کیجئے ابو۔''

''پگلی، بیماری آزادی تو انسان کی زندگی کے ساتھ لگی رہتی ہے اور پھر یہ خدائی کام ہیں، انسان کے اختیار سے باہر...... تم دعا کرو گی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ارسلہ نے ابو کی تیمارداری کی پوری ذمے داری سنبھال لی تھی۔ وقت پر دوا دینا، پابندی سے ٹمپریچر لینا جو کہ نارمل ہی ہوتا تھا۔ باقی صاحب آرام کر رہے تھے۔ سیڑھیاں اترنا چڑھنا منع ہوگیا تھا۔ گھر کا سودا سلف اب لڑکیاں خود لاتی تھیں یا پھر ننھی خالہ کا بیٹا گڈو جو چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔

بہت سے کام کر دیتا تھا۔

ارسلہ نے امی سے پوچھے بغیر خالہ جان کے گھر فون کر دیا تھا خالہ جان نے تسلی دلاسے اور بہت سی باتیں کیں مگر خود آنے کا ذکر نہیں کیا۔ حیدر آباد کون سا دور تھا بہن سے محبت ہوتی تو کیا دو دن کے لئے آ نہیں سکتی تھیں۔ وہ یہ باتیں سوچ کر رہ گئی کہہ نہ سکی۔ اسے عابد بھائی پر غصہ تھا ایک فون تک نہیں کیا۔

"باجی، سے باتیں بنا کر گئے تھے پھر اب کیا ہو گیا کیوں بھول گئے سب کچھ......!" اور یہ بات اس نے سلمٰی سے کہہ بھی دی۔

"باجی، عابد بھائی تو بالکل بھول ہی گئے۔ غالباً پہلے آئے تھے تب بھولے سے آ گئے ہوں گے۔"

"چھوڑو ارسلہ، کون کسے یاد رکھتا ہے پھر یہ دنیا تو دولت کو دیکھتی ہے جذبات کو نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ دولت سے بہت کچھ خریدا جا سکتا ہے۔"

"بہت کچھ نہیں سب کچھ میری جان......!" سلمٰی جذباتی ہو گئیں۔

"ہاں......شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" اسے اچانک رافع یاد آ گیا۔ جب سے وہ اس کے گھر سے ہو کر گیا تھا کوئی خبر نہیں لی تھی یونیورسٹی میں نظر آ جاتا تھا تو بس ہیلو ہائے ہو جاتی...... بہت مصروف تھا شاید فائنل جو تھا اور اگر وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی ہوتی وہ اس کے محل نما گھر میں آیا ہوتا تو کیا پھر بھی اس کا یہی رویہ ہوتا شاید پھر ایسا نہیں ہوتا۔

"اب تم کیا سوچنے لگیں؟" سلمٰی نے اسے سوچوں میں غرق دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں باجی، میں اپنے حالات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"مت سوچو کچھ ابو ٹھیک ہو جائیں گے۔ چند دنوں میں دفتر جانے لگیں گے۔ انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"باجی ہمارا خاندان کتنا چھوٹا ہے، ایک خالہ اور ایک تایا۔ تایا ابو اور ان کی فیملی امریکہ میں بیٹھی ہے ان سے کوئی تعلق سرے سے ہے ہی نہیں اور خالہ جان حیدر آباد میں، وہ بھی لاتعلق ......نہ کوئی پھوپی نہ ماموں۔"

"ماموں، پھوپی ہوتے بھی تو کیا ہوتا......؟"

"باجی کاش میرے کوئی ماموں ہوتے، میری سہیلیاں ذکر کرتی ہیں ان کے ماموں

انہیں بہت چاہتے ہیں۔"

❀ ❀ ❀

"محبت رشتوں سے مشروط نہیں ہوتی ارسلہ۔ یہ تو انسان کی فطرت میں رچی بسی ہوتی ہے۔ اب ابو کو دیکھ لو اپنے بھائی کو کتنا یاد کرتے ہیں، ان کی دونوں بیٹیوں کی خیریت کی انہیں ہر وقت فکر رہتی ہے، وہ ضد کر کے تایا ابو کو فون ملوا کر بات کرتے ہیں مگر ادھر سے کبھی پہل نہیں ہوئی یہ تو اپنی اپنی فطرت ہے۔"

"اصل میں ان کی بیٹیاں امریکہ میں پیدا ہوئیں وہیں، پلی بڑھیں ہم لوگوں سے ملے بھی برس ہو گئے اسی وجہ سے انہیں ہم سے کوئی لگاؤ نہیں۔"

"تو تایا ابو تو امریکہ میں نہیں پلے بڑھے۔" سلمٰی نے جل کر کہا۔ "چھوٹا بھائی اولاد کی طرح ہوتا ہے وہ ابو کو کیوں یاد نہیں کرتے۔"

"چھوڑیں باجی، بیکار کی باتیں کر کے دل کو جلانے سے کیا حاصل......"

"تم ہی نے شروع کی تھیں۔"

"اب نہیں کروں گی۔" وہ باجی کے پاس سے اٹھ گئی۔ اس کا دل بہت اداس تھا۔ "اللہ یہ سب لوگ اتنے بے حس کیوں ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کے دکھ کو محسوس کیوں نہیں کرتا...... ہم جس سے محبت کرتے ہیں وہ ہم سے محبت کیوں نہیں کرتا۔" ان دنوں وہ بے حد حساس ہو گئی تھی۔ گھر کے بہت سارے کام کرنے لگی تھی امی کو منع کر دیا تھا باورچی خانے میں نہ جائیں۔ وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔ امی خود بھی کچھ پریشان سی رہتی تھیں، ابو کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو انہوں نے گھر کے ماحول کو شگفتہ کرنے میں اپنا ازلی کردار نبھانا شروع کر دیا۔ ادھر اُدھر کی پُرلطیف باتیں کرتے، پرانے قصے دُہراتے، خود بھی ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے اب انہیں دفتر جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر جاتے بظاہر سب کچھ معمول پر آ گیا تھا۔ اسی طرح صبح ہوتی شام ہوتی تین وقت کھانا بھی کھایا جاتا سردیاں شروع ہو چکی تھیں دن چھوٹے ہو گئے تھے۔

دسمبر کا مہینہ تھا جنوری میں نیا سال شروع ہونا تھا ابھی تک ارسلہ کا رزلٹ نہیں آیا تھا۔ ابو کی بیماری کی وجہ سے وہ یونیورسٹی کا چکر نہیں لگا سکی۔ سعدیہ سے بھی بس دو بار فون پر بات ہوئی اس نے ابو کی بیماری کا سرسری سا تذکرہ کیا تھا۔ ان دنوں اس کے گھر میں عجیب طرح کا

سناٹا تھا لگتا تھا کچھ ہونے والا ہے پھر ایک دن اس نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔

اس نے دیکھا وہ لق و دق صحرا میں تنہا کھڑی ہے اس کے پاس کوئی بھی نہیں...... وہ گھر جانا چاہتی ہے اسے راستہ یاد نہیں، وہ کسی کو پکارنا چاہتی ہے مگر اس کی آواز نہیں نکلتی، وہ قدم اٹھانا چاہتی ہے مگر اس ے قدم من من بھر کے ہوگئے ہیں پھر اچانک آندھی آتی ہے، مینہ برستا ہے۔ سیاہ بادل، گرج چمک، ایک شور، ایک طوفان...... اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ گھبرا کر اٹھی۔ اس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ باجی برابر میں سو رہی تھیں رات کے دو بجے تھے گھر میں سناٹا تھا۔

''الٰہی یہ کیسا خواب تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے صرف خواب تھا۔'' مگر وہ بے حد پریشان تھی پھر سو نہ سکی۔ صبح ہوئی وہ ابو کو دیکھنے پہنچ گئی۔ ابو بظاہر ٹھیک تھے امی باورچی خانے میں تھیں۔ پہلے اس نے سوچا وہ امی کو خواب کے بارے میں بتائے مگر پھر خاموش رہی۔ ''امی پریشان ہو جائیں گی جبکہ خواب صرف خواب ہوتا ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔'' حالانکہ ایسا نہیں ہوتا...... بہت سے واقعات، حادثات، خوشیاں اور غم ان کی اطلاع خواب کی صورت ہی ہمیں ہو جاتی ہے۔ ہم کبھی نہ ان باتوں پر غور کرتے ہیں اور نہ یقین بس یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ خواب تھا۔

اور پھر وہ ہو گیا جس کا کوئی گمان نہیں تھا۔ ابو کو دوسرا اٹیک ہوا تھا۔ غوری صاحب نے ایمبولینس فون کر کے منگوائی۔ جس وقت سٹریچر پر ڈال کر ابو کو لے جایا گیا وہ غسل خانے میں چھپ گئی، اس سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اس نے ساتھ جانے سے بھی انکار کر دیا۔

''باجی آپ چلی جائیں۔ امی آپ بھی جائیں، میں گھر پر رہوں گی۔'' نہ جانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اب ابو واپس نہیں آئیں گے اور پھر یہی ہوا شام ڈھلے ابو کی موت کی اطلاع آ گئی۔ آس پاس کے تمام لوگ گھر میں جمع تھے...... میت ابھی ہسپتال میں تھی۔ غوری صاحب نے سب انتظام کیا۔ ایدھی والوں نے غسل وغیرہ دے کر دوسری صبح گھر پہنچایا۔ دور پرے کے کچھ رشتے دار تھے وہ آ گئے، محلے والے تھے امی کے کہنے پر ارسلہ نے خالہ جان کو اطلاع کر دی تھی بعد نمازِ ظہر تدفین تھی، ابو کا آخری دیدار کرتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔ سلمٰی نے کسی نہ کسی طرح ارسلہ کو سنبھالا، امی نے اپنی چوڑیاں اتار دیں۔ بیوگی کی چادر اوڑھ لی۔ دفن کے وقت عابد بھائی نہ آ سکے حالانکہ اطلاع رات ہی کو ہو گئی تھی مگر ارسلہ کو اب ان باتوں

کی پروا نہیں تھی۔ امی بھی ایک حرف نہیں بولیں۔ شام کو خالہ جان آ گئیں۔ عامر بھائی ساتھ آئے تھے۔ بہن سے لپٹ کر رونے لگیں امی بھی بڑی بہن کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں دل بھر کر روئیں۔ چھوٹی بہن آنکھوں کے سامنے بیوہ ہو گئی یہ کوئی معمولی بات نہ تھی انہیں سچ مچ دکھ ہوا تھا مگر خالو جان اب بھی نہیں آئے تھے۔ عریشہ کیا آتی اس کی تو خیر امید بھی نہیں تھی۔ خالہ جان نے سلمٰی کو گلے لگا کر ڈھیروں آنسو بہائے کچھ سوچ کر ٹھنڈی سانس بھرتی رہیں مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔ عابد بھائی بھی خاموش رہے۔ ہاں، دفن میں شریک نہ ہو سکنے کی معذرت کی تھی مگر کوئی تسلی، کوئی دلاسا کچھ بھی نہ تھا۔ خالہ جان دو دن کے لئے آئی تھیں۔ عابد بھائی اپنے دوست کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے سوئم کر کے واپس چلے گئے۔ محلے دار بھی ایک ایک سیپارہ پڑھ کر اپنے گھر کو سدھارے۔ یہاں پلاؤ زردے کی دیگیں چڑھیں نہ کوئی دھوم دھڑکا ہوا۔ صرف ایک پیالی چائے کا انتظام تھا سنا تھا کہ لوگوں نے اس پر بھی خوب باتیں بنائیں۔ کئی دن تک دفتر کے لوگ پرسے کے لئے آتے جاتے رہے پھر یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

''باجی، تایا ابو کو اطلاع کر دینی چاہئے۔ ایک ہفتہ ہو گیا ابو کے انتقال کو۔'' ارسلہ نے کہا۔

''ہاں بیٹی، فون کر دو انہیں۔'' امی نے بھی کہا۔ کراچی میں رات تھی امریکہ میں دن تھا چنانچہ اسی وقت سلمٰی نے تایا ابو کو فون کیا، فون پر تایا ابو ہی تھے۔ سلمٰی نے ابو کی موت کی اطلاع دی۔

''ارے، باقی میاں ختم ہو گئے ایک ہفتہ ہوا اور تم اب بتا رہی ہو......؟'' تایا ابو ناراض تھے۔

''تایا ابو کون بتاتا، ہم سب بے حال تھے۔ اب حواس قابو میں آئے ہیں تو بات کر رہی ہوں۔ امی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیسے ہوا، کیا ہوا؟'' تایا ابو پوچھ رہے تھے۔ سلمٰی نے مختصر طور پر سب کچھ بتایا پھر کہا۔

''تایا ابو، ہمارا تو کوئی نہیں...... کوئی مرد ہی نہیں ہے محلے والوں نے سب انتظام کیا۔''

''تم لوگوں نے اطلاع ہی نہیں کی، میں آخری دیدار بھی نہیں کر سکا۔''

''تایا ابو آپ کا آنا مشکل تھا، کیا آپ آتے؟''

''اطلاع ہوتی تو کچھ سوچتے۔''

"تایا ابو، مرنے والے کا دیدار کر کے آپ کو کیا حاصل ہوتا۔ ابو تو جا چکے...... ہاں اگر خیال کرنا ہے تو ان لوگوں کے بارے میں سوچیں جو زندہ ہیں اور جن کا حال مردوں سے بدتر ہے۔" نہ جانے کیسے سلمیٰ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ تایا ابو کو بھی کچھ خیال ہوا بولے۔

"تم لوگ فکر نہ کرو، میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ دیکھو اس وقت میرا دماغ صحیح کام نہیں کر رہا اچانک خبر ملی ہے۔ میں تم لوگوں سے پھر بات کروں گا۔"

"باجی آپ نے ایسا کیوں کہا، ہمیں تایا ابو کی امداد لینا گوارا نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہوگی۔" ارسلہ نے کہا۔

"میں نے امداد کی بات نہیں کی اگر تایا ابو کے دل میں بھائی کا درد ہوگا تو اس وقت وہ ہم لوگوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کراچی ضرور آئیں گے۔ ارسلہ ہمارا تو کوئی نہیں ہے، آخر ہم اپنے دل کی بات کس سے کریں۔ تایا ابو مجھے بہت یاد آرہے ہیں میرے دل میں ان کی محبت ہے۔" سلمیٰ رونے لگیں۔

"باجی چپ ہو جائیں، مت روئیں پلیز۔" ارسلہ کی آواز بھی رندھ گئی" باجی، تایا ابو نہیں آئیں گے میں یہ بات جانتی ہوں۔ تایا ابو کے دل میں ہماری محبت ہوگی مگر تائی اماں کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے اور نہ ان کی امریکہ میں پلنے بڑھنے والی بیٹیوں کو۔"

"ارسلہ میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے، مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا اب ان کی مرضی آتے ہیں یا نہیں۔ زندگی کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائے گی۔"

"سلمیٰ ٹھیک کہتی ہے۔" امی نے کہا۔ "سب کا رکھوالا اوپر بیٹھا ہے وہی سب کی حفاظت کرنے والا ہے۔"

"امی، ہمیں تایا ابو سے کوئی مالی امداد نہیں لینی۔" سلمیٰ نے پھر کہا۔ "گھر ہمارا اپنا ہے چھوٹا ہے تو کیا ہوا ہے تو اپنا، میں بھی کما رہی ہوں دفتر سے ابو کی کچھ نہ کچھ رقم ملے گی ہم اسے قومی بچت سنٹر میں آپ کے نام سے انویسٹ کر دیں گے۔ بیوہ خواتین کو مناسب منافع مل جاتا ہے۔ انشاء اللہ ٹھیک گزارہ ہو جائے گا اور ویسے بھی ہمارے کون سے شاہانہ اخراجات ہیں۔"

"سلمیٰ یہ کام بھی تم ہی کو کرنا ہوگا، آفس سے پتا کرنا تمہارے ابو کے فنڈز وغیرہ سے کیا ملے گا، پرائیویٹ کمپنی تھی پنشن تو ملے گی نہیں۔"

"خدا کرے جلد یہ کام ہو جائے، ہمارے گھر تو ایک ماہ بھی تنخواہ کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔"

"ہر گھر کا یہی حال ہے امی، مہنگائی نے مصیبت ڈھائی ہوئی ہے صرف ایک سال میں ہر چیز کی قیمتی دگنی ہوگئی ہے۔ اخباروں میں خبریں لگی ہوتی ہیں مختلف حکمرانوں کے بیانات بھی مگر عمل کہیں نظر نہیں آتا۔ سب کا حال پتلا ہے ہم تو ویسے بھی معمولی لوگ ہیں۔"

"بیٹی اللہ سب کا رازق ہے۔ اللہ کی طاقت، قوت اور بڑائی کا مظاہرہ یکھنا ہو تو صرف یہی بات کافی ہے کہ خواہ کچھ ہو جائے سب کا کام کسی نہ کسی طرح چل رہا ہوتا ہے۔ کوئی وسیلہ، کوئی سبیل نکل ہی آتی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں امی، کوئی کام رکتا نہیں ہے۔" سلمیٰ نے کہا۔

"اچھا بیٹی، اب تم لوگ اپنے کمرے میں جاؤ، مجھے نیند آرہی ہے۔"

"اچھا امی شب بخیر۔" دونوں لڑکیاں اپنے کمرے میں آگئیں اور بتی بجھا کر سونے لیٹ گئیں۔

❀ ❀ ❀

موبائل بج رہا تھا، ارسلہ غسل خانے میں تھی باہر نکلی تو موبائل بند ہو چکا تھا۔ اس نے نمبر دیکھا اجنبی نمبر تھا۔

"خدا جانے کس نے کال کی تھی اور جس نے بھی کی اسے میرا موبائل نمبر کہاں سے ملا......" ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ موبائل دوبارہ بج اٹھا۔ اس نے ہیلو کہا دوسری طرف شہاب احمد تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔

"آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا......؟"

"میں نے رافع سے لیا تھا، آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔ دراصل مجھے آپ کو ایک خوش خبری سنانی تھی۔"

"خوش خبری......؟"

"جی ہاں، مٹھائی تیار رکھیئے گا۔ آپ اس بار اول آ رہی ہیں، میں دوسرے نمبر پر ہوں۔ رزلٹ کل آ جائے گا اخبار میں مگر میں نے نمبر معلوم کر لئے ہیں۔"

"اچھا......مگر ایسا کیسے ہو گیا شہاب......پہلی پوزیشن تو آپ ہی کی تھی۔"

"وہ پہلے تھی اس بار نہیں۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔"

"ہائیں، آپ افسوس کر رہی ہیں۔ آپ کو اپنے فرسٹ آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟"

"مجھے معلوم نہیں شہاب مجھے خوش ہونا چاہئے یا نہیں۔ دراصل ان دنوں میں کچھ پریشان رہی ہوں اس لئے سارے احساسات مر گئے ہیں۔" شہاب احمد پریشان ہو گیا۔

"کیوں ارسلہ خیریت، کیا ہوا ہے آپ کو؟"

"کچھ نہیں۔" وہ بس اس قدر کہہ سکی۔ نہ جانے کیوں اس کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے،

اس بار آواز بھرا گئی تھی۔ غم کی کیفیت میں اچانک کسی دوست کا فون آ جائے تو دل بھر ہی آتا ہے اور شہاب بہت مخلص لڑکا تھا وہ یہ بات جانتی تھی۔

"مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے مس ارسلہ پلیز، آپ ضرور بتائیں۔"

"دراصل میرے ابو کی ڈیتھ ہو گئی، اچانک شہاب میرے ابو......اب میرا رزلٹ سن کر خوش ہونے والے نہیں رہے تو میں کیا کروں یہ سب سن کر......میرے لئے اب کوئی فرق نہیں پڑتا اچھے یا برے نمبر ہوں۔" وہ بلک بلک کر رو دی۔ ضبط کرنا چاہا' نہ کر سکی۔ اس کی سسکیاں موبائل پر گونجتی رہیں شہاب کا دل کٹا جا رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ ارسلہ کو کن الفاظ میں تسلی دے۔

"مت روئیں، خاموش ہو جائیں ارسلہ۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں تھا کاش میں آپ کے لئے کچھ کر سکتا۔"

"آئی ایم سوری، آئی ایم رئیلی سوری شہاب۔ میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔"

"مجھے جس قدر افسوس ہوا ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتیں......کاش آپ میرے نزدیک ہوتیں اور آپ کے آنسو میں خشک کر سکتا۔ میرا دل بہت خراب ہو رہا ہے، اس لئے اب اجازت چاہوں گا۔" اس نے بھی خدا حافظ کہا اور فون بند کر دیا۔ نہ جانے کتنی دیر تک وہ چپ چاپ کمرے میں پڑی آنسو بہاتی رہی، اس وقت باجی گھر میں نہیں تھیں وہ کسی کے سامنے آنسو نہیں بہاتی تھی، باجی کے سامنے بھی نہیں......وہ جانتی تھی باجی ان دنوں بہت غم زدہ رہتی ہیں۔ خالہ جان اور عابد بھائی کے سرد رویے نے انہیں مایوس کر دیا تھا اور امی تو بالکل ہی بجھ کر رہ گئی تھیں اور وہ خود کو بہت بہادر اور مضبوط خیال کرتی تھی اندر سے کتنی بزدل، ڈرپوک تھی اس کا اندازہ اسے اب ہوا تھا۔ ابو کو اسٹریچر پر لیٹا وہ نہیں دیکھ سکی تھی، ابو کا آخری دیدار کرتے ہوئے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ وہ کب اس پوزیشن میں تھی کہ دوسروں کو تسلی دیتی، اسے خود تسلی دینے والے کی ضرورت تھی۔

شہاب کا فون سن کر وہ ضبط نہیں کر سکی۔ وہ جانتی تھی شہاب کتنا شریف لڑکا ہے اور اس کے دل میں ارسلہ کے لئے کتنی جگہ ہے اس سے بات کر کے آنسو بہا کر وہ دل پر پڑے بوجھ میں کچھ کمی محسوس کر رہی تھی۔ "اب یہ خبر سب کو معلوم ہو جائے گی۔ رافع کو سب سے پہلے معلوم ہو گی......ظاہر ہے شہاب انہیں ضرور بتائے گا......شہاب نے رافع سے میرا نمبر لیا تھا تو

کیا رافع مجھے تسلی دینے آئیں گے، کیا ان کے دل میں میرے لئے اتنی جگہ ہے کہ وہ میرے غم کو اپنا غم سمجھیں......؟" وہ سمجھ نہیں سکی رافع کے بارے میں وہ کوئی واضح خیال نہیں رکھتی تھی۔ رافع ایک ایسی بند کتاب کے مانند تھا جس کا ہر ورق چپکا ہوا ہوتا ہے کچھ پتا نہیں چلتا اندر لکھا کیا ہے۔ "نہ جانے فائنل کا رزلٹ نکلا یا نہیں۔" ان دنوں اس نے اخبار بھی نہیں پڑھا تھا کئی اخبار ربر بینڈ بندھے ہوئے جوں کے توں پڑے تھے۔ "ہوسکتا ہے فائنل کا رزلٹ آگیا ہو اور رافع نے ٹاپ پوزیشن لی ہو کچھ پتا نہیں......" پھر اسے نگی کا خیال آیا وہ بھی تو آنرز فائنل کر چکی ہوگی۔ باجی باہر سے آئیں تو ارسلہ گم صم بیٹھی تھی۔

"کیا ہوگیا، اتنی اداس کیوں ہو رہی ہو، تم شاید روتی رہی ہو؟" باجی پریشان ہوگئیں۔

"ہاں باجی، آنسو آپ ہی آپ نکل آئے دراصل میرے کلاس فیلو شہاب کا فون آیا تھا۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"میرے فرسٹ آنے کی مبارکباد دے رہا تھا۔ باجی بس میں برداشت نہیں کر سکی رو دی۔ ابو کو کتنا انتظار تھا میرے رزلٹ کا، وہ کتنا خوش ہوتے۔ اب وہ نہیں تو کیسی خوشی کہاں کی خوشی۔" ایک بار پھر آنسو بہہ نکلے۔

"ایسا نہیں کہو میری بہن، تمہیں بہت بہت مبارک ہو تم فرسٹ آئی ہو۔ اپنے آنسو خشک کرو، منہ دھو آؤ امی کو بتاتے ہیں چل کر، وہ ہیں ناخوش ہونے کے لئے اور پھر میں بھی تو ہوں، کیا مجھے خوشی نہیں ہے تمہاری؟"

"میں جانتی ہوں باجی۔"

"اچھا تو جاؤ منہ دھو کر آؤ۔" وہ اٹھ گئی ہاتھ منہ دھو کر خود کو نارمل کیا۔ سلمٰی ارسلہ کو لے کر امی کے کمرے میں گئی، امی آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔ دونوں لڑکیوں کو ساتھ آتا دیکھ کر چونک گئیں۔

"امی آپ کے لئے ایک خوش خبری ہے......!" سلمٰی نے کہا۔ امی اچانک اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"خوش خبری، کیا تمہاری خالہ جان کا فون آیا تھا؟"

"امی آپ ان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں۔" سلمٰی نے متانت سے کہا۔ "میں تو

ارسلہ کا رزلٹ بتا رہی ہوں آپ کو۔ ارسلہ کی پہلی پوزیشن آئی ہے کلاس میں۔"

"اچھا بہت مبارک ہو، ارسلہ بہت محنت کرتی ہے۔ اس کے ابو ہوتے تو کتنا خوش ہوتے۔" پھر وہی ذکر...... ظاہر ہے یہ ذکر تو ہونا ہی تھا ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ صبح شام ایک ہی بات، ایک ہی خیال ابو کے جانے سے گھر کتنا سونا ہوگیا تھا۔ گھر میں صرف تین عورتیں رہتی تھیں۔ کوئی مرد نہیں تھا اپنے غیر محفوظ ہو جانے کا احساس بہت شدید تھا مگر اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ اللہ نے جو آزمائش...... ڈالی تھی اسے حوصلے اور صبر سے برداشت کرنا تھا۔

❀ ❀ ❀

رات کو سلمٰی سونے لیٹی تو اسے امی کی بات یاد آنے لگی۔ "امی نے کتنی امید سے پوچھا تھا کہ خالہ جان کا فون آیا ہوگا۔ پتا نہیں امی نے کیوں امید باندھ رکھی ہے...... آخر وہ اس خیال کو ذہن سے نکال کیوں نہیں دیتیں۔ اگر خالہ جان کو واقعی میرا خیال ہوتا تو اس موقع پر وہ امی کا بوجھ کم کر سکتی تھیں۔ بیٹیاں بوجھ ہوتی ہیں۔ میں جانتی ہوں امی کو رات دن میری فکر کھائے جا رہی ہے مگر میں ابھی اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی کیونکہ اب حالات دوسرے ہیں، میں چلی گئی تو ان دونوں کا کیا بنے گا، ارسلہ بہت معصوم ہے، ڈرپوک ہے اس کے اندر برداشت کا مادہ نہیں ہے۔" کچھ ہی دن گزرے تھے کہ تایا ابو کا فون آیا انہوں نے بھاوج کا اکاؤنٹ نمبر پوچھا تھا، وہ کچھ رقم بھیجنا چاہ رہے تھے مگر سلمٰی نے منع کر دیا۔

"تایا ابو، ہمیں رقم کی ضرورت نہیں، یقین کیجئے ہم بہت مزے میں ہیں، ابو کی گریجویٹی اگلے ہفتے مل جائے گی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، آپ بےفکر رہیں۔"

"لیکن مجھے تو فکر ہے تم سب کی۔"

"تایا ابو، ہمیں رقم کی ضرورت نہیں، ہم تو بس آپ سب کی توجہ، محبت چاہتے ہیں اور بس......!" تایا ابو نے بھاوج سے بھی بات کی امی نے بھی خوبصورتی سے منع کر دیا چند دن کے وقفے سے تائی کا فون آگیا۔ افسوس بھرے چند رٹے پٹے جملے دہرانے کے بعد انہوں نے کہا۔

"تم لوگوں نے خواہ مخواہ منع کر دیا۔ اپنے رشتے داروں کا حق پہلے ہوتا ہے۔ باری (تایا) تو نہ جانے کہاں کہاں پیسہ بھیجتے ہیں، یہاں امریکہ میں بھی اور ادھر پاکستان میں بھی......اب

بھی اکاؤنٹ نمبر بتا دو کوئی حرج نہیں...... میں پھر کہوں گی پہلا حق رشتے داروں کا ہوتا ہے دوسروں کا بعد میں...... اللہ کا حکم بھی یہی ہے۔" ارسلہ نے فون ریسیو کیا تھا وہ چپ چاپ تائی اماں کی بات سنتی رہی غصے اور دکھ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"آپ کی مہربانی کا شکریہ تائی اماں، ہم بھی اپنی حسب حیثیت مدد کرتے ہیں لوگوں کی مگر ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔" تائی اماں نے برا مان لیا تھا چند ایک باتیں کہہ کر فون بند کر دیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں تائی اماں؟" سلمٰی نے بے چینی سے پوچھا، امی بھی نزدیک ہی بیٹھی تھیں۔

"اکاؤنٹ نمبر مانگ رہی تھیں امی کا تاکہ زکوٰۃ کی رقم بھیجی جا سکے۔" ارسلہ نے جل کر کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو ارسلہ......؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں باجی یہی کہہ رہی تھیں وہ۔ زکوٰۃ کا نام نہیں لیا مگر کہا یہی کہ تایا بہت لوگوں کی مدد کرتے ہیں، رشتے دار کا حق پہلا ہوتا ہے۔"

"نہیں بھئی ایسا تو نہیں کہہ سکتیں تائی۔"

"یہی کہہ رہی تھیں باجی۔"

"تایا ابو کو نہیں معلوم ہوگا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی، تایا ابو بھی رقم بھیجنے کی بات کر چکے ہیں مگر تائی کا تو انداز ہی کچھ اور تھا۔" ارسلہ نے کہا۔

"چھوڑو بیٹی، مت سوچو ہمیں کسی سے کچھ نہیں...... لینا ہمارے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔" امی نے کہا۔

"یہی بات تو تائی کو ناگوار گزری ہے۔ زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی اور پورے خاندان میں ان کی ناک بھی اونچی ہوتی کہ بھائی کی یتیم بچیوں اور بیوہ بھاوج کا خیال کیا، سہارا بنے ایک تیر سے دو شکار...... میں خوب سمجھتی ہوں اس دنیا اور دنیا والوں کو۔" ارسلہ نے کہا۔ چالیسواں ہونے سے قبل ہی باقی صاحب کی گریجوٹی کی رقم کا چیک مل گیا۔ پراونٹڈ فنڈ کی زیادہ تر رقم وہ پہلے ہی لے چکے تھے بہرحال پانچ لاکھ روپے امی کے نام سے بچت سنٹر میں انویسٹ کر دیے گئے۔ کچھ رقم بینک میں کیش رکھ لی۔

"بس ارسلہ اب اسی میں گزارہ کرنا ہے تقریباً پانچ ہزار ماہانہ ملیں گے اور میری تنخواہ ہے۔" سلمٰی نے کہا۔

"باجی، میں ٹیوشن کر لوں گی، محلے کے بچوں کو پڑھا لوں گی۔"

"اب اس وقت کچھ نہ سوچو ہمارا خرچ ہی کیا ہے، تم پڑھائی مکمل کر لو بس ایک یہی کام باقی ہے۔"

"پڑھائی تو ابھی بہت باقی ہے ایک سال ہی گزرا۔ ابھی تین سال باقی ہیں۔"

"وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے، تین سال بھی گزر ہی جائیں گے۔"

"باجی ابو کا چالیسواں بھی تو کرنا ہے۔"

"ہم کچھ کھانا پکا کر یتیم خانے بجھوا دیں گے۔ سیپارے خود ہی پڑھ لیں گے، محلے والوں سے ہمیں کچھ نہیں کہنا۔ ننھی خالہ آ جائیں گی اور ان کا بیٹا بھی حفظ کر رہا ہے فر فر قرآن حکیم پڑھتا ہے۔ پانچ لوگ ہو جائیں گے۔"

"یہ بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔" ارسلہ نے کہا "مگر محلے والے کب جینے دیں گے، آپ کو تو معلوم ہی ہے محلے میں کسی کی موت ہو جائے تو سوئم اور چالیسویں کے کھانے کے کتنے تذکرے ہوتے ہیں۔ لوگ کس طرح بیان بازیاں کرتے ہیں۔"

"بکنے دو سب کو...... میں کسی کو ایک نوالہ نہیں کھلاؤں گی۔" باجی نے کہا۔

"پھر کب کر رہی ہیں چالیسواں؟"

"بس اسی اتوار کو رکھ لیں گے۔ مرغی کا قورمہ میں پکا لوں گی ہوٹل کی روٹیاں منگوا لوں گی، غوری صاحب یتیم خانے میں دے دیں گے، میں کل ہی ننھی خالہ سے بات کروں گی۔"

"آپ نے امی سے پوچھ لیا؟"

"ہاں، میں امی سے بات کر چکی ہوں۔" سلمٰی نے کہا۔

"تمہاری یونیورسٹی کب کھل رہی ہے؟"

"پیر سے۔"

"چلو ٹھیک ہے، ابو کے چالیسویں کے بعد کھلے گی بس اب تم اپنا دھیان پڑھائی میں لگانا۔"

"اب اور کرنا بھی کیا ہے اچھا ہی ہے یونیورسٹی کھل جائے۔ روٹین لائف شروع ہو

جائے گی۔"

"تم نے اپنی دوست سعدیہ کو بتا دیا تھا؟"

"باجی اسے میں نے بتایا تھا، وہ بے چاری کئی بار فون کر چکی ہے مگر وہ آ نہیں سکتی ہمارے گھر۔ ناظم آباد میں رہتی ہے۔ اس کا کوئی اور بھائی بہن بھی نہیں ہے کس کے ساتھ آئے کئی بار کہہ چکی ہے۔"

"لڑکیوں کے ساتھ یہی پرابلم ہوتی ہے کہیں جانا چاہیں تو بھی نہیں جا پاتیں۔" سلمیٰ نے کہا۔

"بس اب تو یونیورسٹی میں ہی ملاقات ہوگی۔"

❀ ❀ ❀
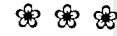
حسب پروگرام ابو کا چالیسواں کر دیا گیا سب کچھ خاموشی سے ہو گیا۔ دوسرے دن یونیورسٹی کھل گئی۔ ارسلہ معمول کے مطابق تیار ہو کر یونیورسٹی پہنچی۔ اس کے والد کے انتقال کی خبر چند ایک ہی کو تھی سب نارمل انداز میں مل رہے تھے۔ اب تمام نتائج نکل چکے تھے رافع نے حسب توقع ٹاپ کیا تھا نگی نے سیکنڈ ڈویژن میں آنرز کیا تھا اب فائنل کی سٹوڈنٹ تھی۔ سب سے اہم خبر یہ تھی کہ رافع کو اسی ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت مل گئی تھی۔ وہ اب اساتذہ میں شامل تھا۔ ارسلہ کا ایک پیریڈ بھی رافع کے پاس تھا۔ اب ارسلہ کی ملاقات رافع سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب اساتذہ میں شامل تھا۔ ارسلہ کا ایک پیریڈ بھی رافع کے پاس تھا۔ اب تک ارسلہ کی ملاقات رافع سے نہیں ہوئی تھی۔ خدا جانے وہ کدھر تھا اس نے ابو کی وفات کا پرسا بھی نہیں دیا تھا۔ شہاب البتہ فوراً اس سے ملنے چلا آیا تھا ظاہر ہے وہ ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔

"ارسلہ، مجھے آپ کے ابو کا سن کر جس قدر افسوس ہوا تھا، وہ میں محسوس کر سکتا ہوں لفظوں میں شاید نہ کہہ سکوں۔"

"میں سمجھتی ہوں آپ کے جذبات۔"

"نہیں آپ نہیں سمجھتیں۔" وہ آہستہ آواز میں کھڑے کھڑے کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟"

"میرا یہ مطلب ہے کہ آپ یہ نہیں جانتیں کہ دو سال قبل میرے والد کا بھی اچانک انتقال ہو گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ دکھ کیسا ہوتا ہے اور اسے کس طرح برداشت کرنا ہوتا

ہے۔ میرے گھر میں میری بڑی بہن ہیں اور امی اس کے علاوہ کوئی اور نہیں۔"

"اوہ، آئی ایم سوری شہاب۔ آپ کے حالات میرے جیسے ہی ہیں۔"

"ہاں شاید، بس فرق یہ ہے کہ میں لڑکا ہوں اور آپ کا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

"یہ تو بہت بڑا فرق ہے شہاب۔"

"مگر یہ سب خدائی فیصلے ہوتے ہیں، ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"میں نے اپنے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔" ارسلہ نے کہا۔

"اگر کبھی کسی کام کی ضرورت ہو تو آپ بلا تکلف مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے شہاب، میں جانتی ہوں آپ کی طبیعت کو۔" وہ پھر رکا نہیں اس کے پاس سے چلا گیا۔

پہلا دن تھا پڑھائی نہیں ہو رہی تھی۔ ٹائم ٹیبل لگ چکا تھا وہ ارسلہ دیکھ چکی تھی۔ آج رافع کا پیریڈ نہیں تھا مگر دو روز بعد ہونا تھا یعنی بدھ کے دن مگر اس کا دل چاہ رہا تھا وہ رافع سے ملے، وہ نظر کیوں نہیں آ رہا تھا اور پھر وہ نظر آ گیا۔ سبز گاؤن پہنے وہ محتاط قدم اٹھاتا ادھر ہی آ رہا تھا، ارسلہ کو دیکھ کر وہ رک گیا۔ وہ اتنا ہینڈسم لگ رہا تھا کہ ارسلہ مبہوت ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ ایک لمحے کے لئے سب کچھ بھول گئی۔ ابو کی موت، اپنی پوزیشن اس کی نظروں کے سامنے تو رافع تھا جو اب اس کا استاد بھی بن گیا تھا اور جسے وہ بے حد پسند کرتی تھی۔

"ارسلہ آپ میرے ساتھ آئیں۔" رافع نے اسے پکارا اور قدم آگے بڑھا دیے۔ وہ رافع کے پیچھے پیچھے جانے لگی، رافع اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

"بیٹھیں۔" اس نے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میز کی دوسری طرف اس کی اپنی کرسی تھی، وہ بیٹھ چکا تھا ارسلہ خاموش بیٹھی تھی۔

"ارسلہ مجھے آپ کے والد کی وفات کا علم ہو گیا تھا۔ شہاب نے مجھے بتایا تھا۔ آئی ایم سوری میں اب تک آپ سے کچھ کہہ نہیں سکا۔" رافع کی نظریں میز پر گڑی تھیں وہ پھر بولا۔

"کئی بار سوچا فون کروں، ہمت نہیں ہوئی۔ فون پر تعزیت کرنا اچھا نہیں لگا پھر میں نے یہ بھی سوچا آپ کے گھر جاؤں لیکن ارسلہ میں نے مناسب نہیں سمجھا، آپ لوگ صرف خواتین رہتی ہیں اگر آپ کا کوئی بھائی ہوتا تو میں ضرور آتا۔" وہ اب بھی میز کی طرف دیکھ رہا تھا ارسلہ کی طرف اس کی نظریں تھیں۔

"مجھے کچھ کہنا نہیں آتا لیکن میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔" اچانک رافع نے نظریں اٹھائیں۔ ارسلہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"ارے، آپ رو رہی ہیں پلیز، ایسا مت کریں۔" وہ گھبرا گیا اچانک ارسلہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی۔ اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں تھا۔ ان دنوں کچھ ایسا ہی ہو گیا تھا۔ ذرا سی ہمدردی، اپنائیت اسے کہاں سے کہاں لے جاتی تھی۔ رافع نے پکارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہولے ہولے سسکیاں بھرتی رہی۔ اچانک رافع نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لئے۔

"بس کریں، آپ نے میری بات سنی نہیں شاید...... ابھی کوئی آ جائے گا تو کیا کہے گا آپ کو آنسو بہاتا ہوا دیکھ کر...... سنبھالیں اپنے آپ کو۔" رافع نے اس کے ہاتھ صرف آدھے منٹ کے لئے تھامے تھے، وہ حیران رہ گئی تھی۔ پشیمان بھی تھی۔ ارسلہ نے اپنے آنسو خشک کر لئے اور رافع کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا اس کی آنکھوں میں کوئی انوکھا جذبہ نہیں تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا وہی مضبوطی، روکھا پن اور چٹانوں جیسی سختی...... وہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکی۔ رافع کے اس عمل کو وہ کیا سمجھے۔

"اب آپ آنسو نہیں بہائیں گی، سمجھ رہی ہیں آپ؟" وہ اب اس کی آنکھوں میں سیدھا دیکھ رہا تھا۔

"جی۔"

"میں تو آپ کو بہت بہادر سمجھتا تھا۔ زندگی اس وقت ایک چیلنج بن کر آپ کے سامنے کھڑی ہے، آپ کو اس چیلنج کا مقابلہ کرنا ہے اور اس طرح تعلیمی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں ملوث رہنا ہے جس طرح آپ اب تک رہتی آئی ہیں۔"

"میں کوشش کروں گی۔" وہ ایک لمحے کو رکی پھر کہا۔

"آپ کو مبارک ہو، آپ استاد بن گئے ہیں۔ پہلی پوزیشن کی بھی مبارک باد۔"

"تھینک یو، آپ کو بھی ہائیسٹ نمبر لینا مبارک ہو...... ہاں اب آپ جا سکتی ہیں لیکن ایک وعدے کے ساتھ۔"

"کیسا وعدہ؟"

"یہی کہ آپ نارمل رہیں گی۔"

"او کے سر۔" وہ مسکرائی۔ رافع کے روم سے نکل کر وہ اپنی کلاس روم کی طرف چلی گئی۔

نگی نے اسے رافع کے روم سے نکلتے دیکھ لیا تھا، اس نے طنزیہ نگاہوں سے ارسلہ کی طرف دیکھا اور پھر دل ہی دل میں کوئی پلان ترتیب دینے لگی۔ ارسلہ کے انتظار میں سعدیہ کب سے کھڑی تھی۔

"بڑی دیر کر دی تم نے......؟"

"ہاں رافع بلا کر لے گئے تھے۔"

"یہ تو میں جانتی ہوں، آگے بتاؤ کیا بات کی انہوں نے۔"

"ابو کی موت کا پرسا دینے کے لئے بلایا تھا اور معذرت کر رہے تھے کہ وہ میرے گھر آ سکے نہ فون کر سکے۔" اس کے بعد ارسلہ نے مختصر بات چیت دہرائی مگر وہ ہاتھ مضبوطی سے تھام لینے والی بات نہ کہہ سکی اور اس میں کہنے والی بات تھی بھی کیا...... یہ تو ان کا ایک غیر اختیاری عمل تھا مگر وہ جب سے رافع کے پاس سے آئی تھی عجیب طرح کے احساسات کے گھیراؤ میں تھی۔ اسے یہ سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ رافع کا عمل خواہ کچھ بھی رہا ہو اس کے کسی عمل سے وہ کوئی ایسی بات اخذ نہ کر سکی جس سے ان کی اس کی ذات میں پسندیدگی ظاہر ہوتی ہو۔ "رافع کو مجھ سے ہمدردی ہے اور بس...... لیکن کیا میں رافع کو اپنے دل سے نکال سکوں گی ہرگز نہیں، ایسا ممکن ہی نہیں......"

"اس روز وہ جلد گھر واپس آ گئی اس کا دل اب یونیورسٹی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ آرام سے اپنے بستر پر لیٹ کر رافع کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی اور سوچے جا رہی تھی، وہ جانتی تھی کہ شہاب اسے پسند کرتا ہے یہ بات وہ کہہ بھی چکا تھا اور نہ بھی کہتا تو اس کی آنکھیں بولتی تھیں مگر پھر بھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی شہاب کے بارے میں سوچنے کو تیار نہ تھی۔ اس کے دل میں رافع کی تصویر تھی اور اس بات کو مان لینے میں حرج بھی کیا تھا کہ وہ رافع سے محبت کرتی ہے، اس کا جذبہ سچا ہے، بے غرض خواہ رافع اسے چاہے یا نہ چاہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سچی محبت کرنے والے صلے کی تمنا نہیں رکھتے اور محبت کو امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں۔" میں رافع کا نام اپنی زبان پر کبھی نہیں لاؤں گی شاید اب وہ میرے دل سے کبھی نہ نکل سکے۔" سوچتے سوچتے نہ جانے کب وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

❀ ❀ ❀

جب سے ٹیلی فون کی سہولت ہوگئی تھی تب سے خط لکھنے کا رواج تقریباً ختم ہی تھا۔ شاذ و نادر ہی ڈاک آتی مگر آج اچانک پوسٹ مین ایک لفافہ ڈال گیا تھا۔

"ارے ارسلہ، دیکھو کس کا خط ہے......؟" امی نے کہا۔ ارسلہ نے لفافہ اٹھایا۔

"امی، خالہ جان کا خط ہے، حیدرآباد سے آیا ہے۔"

"ارے لاؤ ادھر کیا لکھا ہے آپا جان نے۔" ارسلہ نے خط امی کو تھما دیا۔

"آپ پڑھیں، میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔"

"خالدہ بیگم نے بے چینی اور اشتیاق سے بہن کے خط کو کھولا۔"

"ضرور انہوں نے کوئی خاص بات لکھی ہوگی، ہوسکتا ہے عابد اور سلمیٰ کے رشتے کی بات لکھی ہو۔" خط کھولا، اسے پڑھا لکھا تھا۔

"چھوٹی، بہت بہت دعائیں۔"

امید ہے تم لوگ ٹھیک ہوگے باقی میاں کی موت کے بعد میں تم سے ملی بھی تھی مگر میں تم سے زبانی بات نہ کر سکی......فون بھی نہ کیا کہ اس قسم کی بات کرتے مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بات عابد میاں کی شادی کی ہے، تم جانتی ہو میری خواہش کیا تھی۔ اب اسے دُہرانے سے کیا حاصل......سلمیٰ ہر لحاظ سے عابد کے لائق ہے مگر وکیل صاحب اس رشتے پر راضی نہیں ہیں۔ انہوں نے عابد کی شادی اس کی چچا زاد ثمن سے طے کر دی ہے کوئی باقاعدہ فنکشن نہیں ہوا مگر بھائیوں میں زبانی بات ہوگئی ہے، میں تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں تا کہ سلمیٰ کا رشتہ تم اپنی مرضی اور خوشی سے جہاں چاہو کر سکو......چھوٹی مجھے معاف کر دینا، میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکی۔

فقط تمہاری آپا جان!"

بڑی بہن کا خط پڑھ کر وہ سناٹے میں رہ گئیں شاید ان کو توقع بھی یہی تھی مگر وہ اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دیتی آئی تھیں......کیا خبر کوئی معجزہ ہو جائے۔ آپا جان کے دل میں اللہ تعالیٰ نیکی ڈال دے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ ثمن کو وہ نہیں جانتی تھی دیکھا بھی نہیں تھا ہاں صرف سنا تھا ڈاکٹر بن رہی ہے باپ بھی ڈاکٹر ہیں۔

"ظاہر ہے اختر بھائی نے اپنے بیٹے کے لئے جو مناسب سمجھا وہ کیا......کہاں ڈاکٹر بہو

اور کہاں یتیم سلمیٰ دونوں کا کیا مقابلہ......میں ہی احمق تھی جو اتنے دن جھوٹی آس لگائے بیٹھی تھی اب نہ جانے اس بات کا اثر سلمیٰ پر کیا ہوا، یہ بہت برا ہوا۔" ارسلہ ہاتھ منہ دھو کر باہر آئی۔

"امی کیا لکھا ہے خالہ جان نے؟"

"لو خود پڑھ لو۔" ارسلہ نے دو منٹ میں خط پڑھ ڈالا پھر ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ تو ہونا ہی تھا امی، آپ کچھ غم نہ کیجئے گا ہمیں کسی سے کوئی امید نہیں......میں تو عابد بھائی اور خالہ جان کے رویّے سے سمجھ گئی تھی اور خالو جان وہ آج تک ہمارے گھر میں نہیں آئے ابو کی وفات پر بھی نہیں۔" امی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"یہ دنیا ہے......سب مطلب پرست ہوتے ہیں، سلمیٰ کیا کر رہی ہے۔"

"باجی سو رہی ہیں بے خبر۔"

"امی اباجی سب جانتے ہیں وہ کچھ نہیں سوچیں گی۔"

"ٹھکرائے جانے کا غم ضرور ہوتا ہے۔" امی نے بڑی گہری بات کہی، ارسلہ نے امی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے بھوک لگی تھی آج صبح ٹھیک سے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ خالہ جان کا خط پڑھ کر اس کا دل خراب ہوگیا تھا مگر پیٹ تو بھرنا ہی تھا اس نے ایک پلیٹ میں دال چاول نکالے اور لاؤنج میں رکھی کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ کھانے لگی۔ سلمیٰ سو کر اٹھی تو انہوں نے خالہ جان کا خط خود ہی اٹھا کر پڑھ لیا۔ امی نے کھانے کی میز پر خط اسی لئے رکھ دیا تھا اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا عابد بھائی کی کہی ہوئی باتیں یاد آنے لگیں۔

"وہ سب جھوٹ تھا، سراب تھا۔ کاش عابد بھائی نے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر مجھ سے وہ سب کچھ نہ کہا ہوتا، اپنی پسند نہ بتائی ہوتی وہ پسند جو کبھی ان کے دل میں تھی ہی نہیں۔ انہوں نے میرے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے مجھے ٹھکرا کر میری انا کو زخمی کیا......میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

سلمیٰ نے خط ایک طرف ڈال دیا شام کی چائے کا پانی چولہے پر رکھا اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھ کر پڑھا ہوا اخبار دوبارہ پڑھنے لگی۔ امی جانتی تھی کہ سلمیٰ نے خط پڑھ لیا ہے پھر بھی کچھ تو کہنا ہی تھا۔ اب گھر میں تھا ہی کون تین نفوس ہر بات آپس میں ہوتی تھی ہر مسئلہ بیان ہوتا تھا۔

"سلمیٰ تم کوئی غم نہ کرنا آپا جان نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک کیا۔ اختر بھائی کی مرضی شروع سے نہیں تھی۔"

"امی میں اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتی بالکل بیکار بات ہے جس کا نہ کوئی سر نہ پیر۔" سلمیٰ نے کہا۔

"باجی ٹھیک کہتی ہیں امی، ہم اپنی زندگی خود بنائیں گے...... ہمیں کسی تایا، خالہ کی مدد کی ضرورت نہیں...... ہم لڑکیاں ہیں تو کیا ہوا، ہمیں جینا آتا ہے۔"

"ارسلہ پلیز کوئی اور بات کرو۔" سلمیٰ نے کہا۔ "مجھے خاندانی جھگڑوں اور بکھیڑوں سے وحشت ہوتی ہے۔" ارسلہ نے چائے دم دی اور تین مگ تیار کر کے لے آئی۔ سب خاموشی سے چائے پی رہے تھے کہ دروازے پر کھٹ کھٹ ہوئی ننھی خالہ آئی تھیں۔

"آیئے ننھی خالہ۔" سلمیٰ نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "گرم گرم چائے پئیں، موسم بھی تو سرد ہے۔"

"واہ بیٹی واہ، چائے تو میری جان ہے، تم جانتی ہو میں کبھی منع نہیں کرتی۔" وہ آرام سے بیٹھ گئیں سلمیٰ نے ان کے لئے خوبصورت پیالی میں چائے نکالی اور لے آئی۔

"ارے یہ کیا، مجھے بھی مگ میں دے دیتیں۔ پیالی کیوں نکالی اندر سے۔" ننھی خالہ نے کہا۔

"ارے نہیں ننھی خالہ، آپ تو مہمان ہیں اور مہمان کی عزت کرنا تو فرض ہوتا ہے۔"

"میں مہمان نہیں ہوں سلمیٰ، اپنا گھر سمجھ کر آئی ہوں۔" ننھی خالہ نے کہا۔

"تو کیا ہوا ننھی خالہ آپ اتنی اچھی جو ہیں اس لئے۔"

"اچھا بیٹھو اِدھر...... میں بہت سی خبریں سناؤں گی تمہیں۔ تم لوگوں کو تو کچھ خبر نہیں ہوتی محلے میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔" ننھی خالہ ہمیشہ سے باتونی تھیں بے حد بولتی تھیں۔ سب ان سے گھبراتے تھے مگر اس گھر میں ان کی باتیں سنی جاتی تھیں۔ پہلے یہ لڑکیاں بھی ان سے گھبراتی تھیں مگر وقت پڑنے پر یہی لوگ کام آتے تھے اور آئے تھے۔ اس لئے ننھی خالہ کی آمد نہ ان کی بات چیت کسی کو تکلیف دیتی تھی۔

"ارے وہ جوشاکر صاحب ہیں نا...... کونے کے فلیٹ میں جو رہتے ہیں۔"

"ہاں، ہاں سفید داڑھی والے۔" امی نے کہا۔ "انہیں کیا ہوا؟"

"اے لو، انہیں کیا ہونا تھا، انہوں نے نکاح کیا ہے اس عمر میں۔" ننھی خالہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی وہ کیسے؟" امی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بس کر لی شادی، بیوی مر چکی تھیں یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے مگر ان کی بہو بہت ناراض ہے۔"

"پوتا، پوتی بھی تو ہیں گھر میں۔" امی نے کہا۔

"سب ہیں مگر ایک بات ہے سلمیٰ کی امی، ان بڑے میاں کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا...... بہو ذرا خیال نہیں کرتی تھی بھوکے پیاسے پڑے رہتے تھے اب آرام ہو گیا ہوگا بے چارے کو۔"

"کس سے کی ہے شادی......؟"

"ان ہی کی رشتے دار ہے بیوہ تھی اور لاولد بھی۔"

"یہ تو اچھا ہی ہوا ننھی خالہ......!"

"میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ بڑے میاں نے جو کیا ٹھیک کیا، بیمار ہوں گے تو دو گھونٹ پانی پلانے والا کوئی ہوگا پاس۔"

"ننھی خالہ ان کی بیوی بوڑھی ہیں یا جوان؟" سلمیٰ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نہ بوڑھی نہ جوان مگر اچھی صحت والی عورت ہے۔"

"اچھا ننھی خالہ، چھوڑیں ان لوگوں کو آپ یہ بتائیں کہ گڈو کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے اور قرآن پاک کتنا حفظ کر لیا؟"

"پندرہ سیپارے حفظ کر لئے ہیں میرے بیٹے نے اور پڑھنے میں بھی اچھا ہے، اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا چھٹی میں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے ننھی خالہ، آپ کی تو جنت پکی ہو گئی۔" ارسلہ نے کہا۔ "حفظ کرنے والے کی ماں، باپ، نانا، نانی اور دادا دادی بھی بخش دیئے جاتے ہیں اور انہیں جنت ملتی ہے۔"

"بس بیٹی اللہ سب کو بخشنے والا ہے۔ رحمان، رحیم ہے، ہم گناہگار کیا کہہ سکتے ہیں۔" ننھی خالہ خاصی دیر بیٹھیں شام کا اندھیرا پھیلا تو وہ اپنے گھر سدھاریں۔

❀ ❀ ❀

لائبریری سے واپس آتے ہوئے سعدیہ نے ارسلہ سے کہا۔

"آؤ کچھ دیر یہیں بیٹھ جاتے ہیں، مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" دونوں لڑکیاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی موسم خوشگوار تھا۔

"بولو کیا بات ہے......؟" ارسلہ نے کہا۔

"میں تم سے یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ میں اس سال بی اے کی ڈگری نکلوا لوں گی آگے نہیں پڑھوں گی۔"

"ارے وہ کیوں سعدیہ، اس طرح تو میں بالکل اکیلی رہ جاؤں گی۔"

"یہ میری مجبوری ہے ارسلہ!"

"کیسی مجبوری کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"دراصل امی ابو چاہتے ہیں کہ میری شادی کر دیں، آج کل ہمارے گھر میں اچھا خاصا جھگڑا چل رہا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں، تم کہنا کیا چاہ رہی ہو۔"

"ارسلہ میں تمہیں بتاؤں، میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوں پھر بھی مجھے اپنے گھر میں نہ سکون ملا نہ خوشی۔ میرے ماں باپ کے درمیان ہمیشہ جھگڑا ہی رہا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا انہیں ایک دوسرے سے تنفر ہی دیکھا۔ کیا مجال ہے کبھی ابو، امی کی کسی بات کو مان لیں، اب ابو یہ چاہتے ہیں کہ میری شادی اپنے بھائی کے بیٹے ارشد سے کر دیں مگر امی ایسا نہیں چاہتیں۔"

"تم ٹھیک سے بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو، ارشد کیسا ہے کیا کرتا ہے۔"

"ارشد ایک فرم میں ملازم ہے بس ٹھیک ہے، اس میں کوئی برائی نہیں مگر میں امی کو دکھ نہیں دے سکتی۔ ابو نے ہمیشہ امی کی بے عزتی کی انہیں بات بے بات طعنے دیئے اب وہ چاہتے ہیں کہ میں بھی امی سے بغاوت کر کے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی ابو کے بھتیجے سے شادی ہو گئی تو امی پوری دنیا میں تنہا رہ جائیں گی۔"

"پھر تم کس سے شادی کرو گی...... تمہاری امی کے خاندان میں کوئی لڑکا ہے؟"

"نہیں، یہ بات نہیں، میں نے اپنی پسند امی...... کو بتا دی ہے، قاسم میرا پڑوسی ہے ہم

دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں بہت اچھے لوگ ہیں...... امی کو میری پسند پر کوئی اعتراض نہیں۔"

"اچھا اتنا عرصہ ہو گیا ساتھ رہتے قاسم کا ذکر آج کر رہی ہو۔"

"اب وقت آیا ہے تو بات کر رہی ہوں۔"

"قاسم کے بارے میں بتاؤ جلدی سے...... کیسا ہے، کیا کرتا ہے؟"

"ابھی بتاتی ہوں کیسا ہے۔" سعدیہ نے پرس سے ایک تصویر نکال کر ارسلہ کے ہاتھ پر رکھ دی، ایک خوش شکل نوجوان کی تصویر تھی۔

"شکل تو اچھی ہے، تم سے میچ کر رہی ہے کرتے کیا ہیں، صاحبزادے۔" سعدیہ کو ہنسی آ گئی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو بڑے بوڑھوں جیسی......!"

"اب بول بھی چکو۔"

"ان کے والد کا گارمنٹس کا کاروبار ہے۔ قاسم نے بی اے کر کے والد کے ساتھ کام شروع کر دیا ہے ان کا کوئی اور بیٹا بھی نہیں ہے بس دو بہنیں ہیں چھوٹی۔"

"تو پھر...... تمہاری امی نے تمہارے ابو سے بات کی یا نہیں۔"

"ابھی نہیں کی مگر وہ کریں گی بلکہ امی میرے ساتھ ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ قاسم ہی کی نہیں ان کے سب گھر والوں کی خواہش ہے۔ قاسم کی ماں بہنیں مجھے پسند کرتی ہیں، اس کی ایک بہن سے میری بہت دوستی ہے۔"

"بس یہی بات اہم ہے کہ لڑکے کے گھر والے ایسا چاہتے ہیں کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لڑکا چاہتا ہے مگر گھر والے نہیں مانتے...... اس طرح بات ختم ہو جاتی ہے۔" ارسلہ کو باجی کا خیال آ گیا تھا مگر اس نے سعدیہ کے سامنے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"یہ ہمارے پرانے پڑوسی ہیں۔ ابو کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے سارا محلہ ان سے اور ان کی شرافت سے واقف ہے۔"

"اس سے بہتر رشتہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"مگر تم ابو کو نہیں جانتیں وہ امی کی مخالفت میں کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"میں تمہارے لئے دعا کروں گی۔"

"بس آج میں نے تمہیں اپنے دل کی بات بتا دی ہے۔"

"مگر پڑھائی کیوں چھوڑ رہی ہو۔"

"قاسم کا خیال ہے میں بی اے کی ڈگری نکلوا لوں تاکہ معاملہ جلد نمٹ سکے اور پھر اس سے زیادہ کی انہیں ضرورت بھی نہیں۔"

"یہ تو ٹھیک ہے سعدیہ جب تک شادی طے نہ ہو جائے یا ہو نہ جائے تم ایسی غلطی مت کرنا۔"

"ابھی تو بہت وقت پڑا ہے میں نے یونہی بتا دی پوری بات۔"

"خدا کرے تمہارے ابو مان جائیں اور تمہیں تمہاری منزل مل جائے۔"

"کیسی دعا۔"

"یہی کہ تمہیں تمہاری منزل مل جائے۔"

"میں تمہاری بات نہیں سمجھی......!"

"اب بنو مت، میں سر رافع کی بات کر رہی ہوں۔" ارسلہ سنجیدہ ہو گئی۔ اس کا معصوم سا دل دھڑک اٹھا۔

"سعدیہ یہ سب خوابوں کی باتیں ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم نے یہ بات کیسے سوچ لی جب کہ رافع نے ایسی کوئی بات مجھ سے نہیں کہی اور ویسے بھی ہماری دنیاوی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"محبت میں حیثیت کہاں سے آ گئی درمیان میں......؟"

"انہوں نے کب محبت کا اظہار کیا، سعدیہ پلیز تم آئندہ مجھ سے رافع کے لئے کچھ مت کہنا۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ جس لڑکی کو پسند کر کے وہ اپنی زندگی کا ساتھی بنائیں گے وہ یقیناً خوش نصیب ہو گی مگر وہ میں نہیں ہو سکتی۔ اتنی بات مجھے معلوم ہے۔"

"پورے سال وہ تمہاری ہر طرح مدد کرتے رہے۔ کتابیں، نوٹس، تمہاری فکر، تمہاری خبر گیری اور پسند کسے کہتے ہیں۔ تم دونوں ساتھ ساتھ پروگرام کرتے رہے، میٹنگز میں ہمیشہ ساتھ رہے اور پھر بھی ......آخر ان سب باتوں کا مطلب کیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم ان باتوں کا کیا مطلب تھا۔ ہاں بس یہ کہ ان کی عادت اچھی ہے، دوسروں کا خیال کرتے ہیں۔"

"سب کا نہیں صرف تمہارا۔"

"مگر ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں اور پھر تم یہ بھی جانتی ہو کہ انہوں نے اسکالرشپ کے لئے اپلائی کیا ہے وہ کسی وقت بھی امریکہ چلے جائیں گے پانچ سال کے لئے اور پھر سب انہیں بھول بھال جائیں گے۔"

"تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو۔" سعدیہ نے کہا۔ "واقعی جب انہوں نے کچھ کہا ہی نہیں تو یہ ذکر ہی فضول ہے

"تم خوش قسمت ہو کہ قاسم نے تم کو پسند کیا اور اب تم سے شادی کرنا چاہ رہا ہے۔"

"ہاں شاید مگر دیکھو قسمت کیا دکھاتی ہے۔"

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہو گا تم اپنے دل سے سب اندیشے نکال دو۔ مجھے یقین ہے تمہارے ابو تمہاری بات مان جائیں گے۔"

"اب دیکھو کیا ہوتا ہے، آج کل میں امی ابو سے بات کریں گی۔" سعدیہ نے کہا پھر بولی۔ "آؤ ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں اگلا پیریڈ فری نہیں ہے۔"

"ہاں چلو۔" دونوں لڑکیاں آہستہ آہستہ قدموں سے ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دیں۔

❀ ❀ ❀

نگی کے گھر پارٹی تھی۔ یہ پارٹی اس نے رافع کے ٹاپ کرنے اور لیکچرر بن جانے کی خوشی میں دی تھی۔ اپنی چند قریبی دوستوں کو مدعو کیا تھا اس کے اپنے گھر میں ماں، باپ، بھائی اور بھابی تھیں۔ رافع خوب تیار ہو کر نگی کے گھر پہنچے، وہ گلشن میں رہتی تھی۔ نگی کے گھر والوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ غائبانہ طور پر وہ سب رافع سے واقف تھے۔ آزاد خیال لوگ تھے انہیں معلوم تھا کہ نگہت، رافع کو پسند کرتی ہے۔ چنانچہ بہت خوشی اور اہتمام کے ساتھ پارٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ پارٹی بہت شاندار رہی خوب تصویریں کھینچی گئیں۔ سب نے انجوائے کیا نگی کی سہیلیاں جلد رخصت ہو گئیں۔ صرف رافع بیٹھے رہ گئے اور دیر تک ان سب لوگوں سے بات چیت کرتے رہے۔ اب کافی دیر ہو چکی تھی اس لئے رافع نے بھی اجازت چاہی اور سب کا شکریہ ادا کر کے اپنے گھر سدھارے، رافع کے جانے کے بعد نگی کی بھابی نے کہا۔

"نگی لڑکا تو بہت اچھا ہے تمہاری پسند کی داد دیتی ہوں۔ دیکھو اس لڑکے کو ہاتھ سے جانے نہ دینا خواہ کچھ بھی ہو جائے اچھے لڑکے آج کل ملتے کہاں ہیں۔" نگی ہنس دی۔

"آپ بے فکر رہیں بھابی، یہ تو میرا پرانا دوست ہے۔ اس کے گرد ایسا جال بنوں گی کہ یہ بھاگ نہیں پائے گا۔"

"مگر تم تو کہہ رہی ہو کہ امریکہ جانے والا ہے پانچ سال کے لئے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے فون تو ہے نا اپنے پاس...... ہر وقت کانٹیکٹ میں رکھوں گی۔"

"ہاں اور ای میل بھی ہے، انٹرنیٹ نے بہت آسانی پیدا کر دی ہے تم چیٹنگ کر سکتی ہو۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، مجھے سب باتوں کا پتا ہے۔" رافع کی وجہ سے نگی نے بہت اعلیٰ لباس پہنا تھا سرخ جوڑا، کامدار دوپٹہ اور کانوں میں آویزے...... وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی رافع لاکھ محتاط سہی آخر کو ایک مرد ہے اور مرد کو بے قابو کرنا کچھ اتنا مشکل بھی نہیں۔ ہاں تھوڑے سے گٹس ہونے چاہئیں۔ اس نے فخریہ انداز میں سوچا۔ اسے پورا یقین تھا وہ رافع کو اپنا اسیر کر لے گی وہ بڑی ہوشیار تھی۔ اس نے دل ہی دل میں بہت سے پلان بنا رکھے تھے۔

"جب بھی ضرورت پڑی معصوم بن جاؤں گی۔ ایک دم سیدھی، کبھی روٹھ جاؤں گی، کبھی من جاؤں گی، باتوں باتوں میں بس چلتے پھرتے کوئی نہ کوئی جملہ ارسلہ کے خلاف ضرور انڈیلتی رہوں گی۔ مرد بڑے کچے کانوں کے ہوتے ہیں ان کی سوچ، خیالات سب وقتی ہوتے ہیں اور میں جانتی ہوں رافع، ارسلہ کو بڑی اعلیٰ لڑکی اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں مگر یہ میں ہوں نکہت آرا عرف نگی اگر رافع کے دل سے ارسلہ کو نکال نہ پھینکوں تو اپنا نام بدل دوں گی۔" اس نے دوسرے ہی دن فوٹوز پرنٹ کروا لیں اور اگلے دن لے کر یونیورسٹی پہنچی، تصویریں بہت عمدہ آئی تھیں۔

"چلو نگی یہ تصویریں ارسلہ کو دکھاتے ہیں چل کر۔" عارفہ نے کہا۔

"آؤ چلیں، وہ وہیں سامنے ہی تو کھڑی ہیں ارسلہ وغیرہ۔" نگی اپنی سہیلیوں عارفہ اور آسیہ کے ساتھ ان کے پاس آئی۔

"آؤ ارسلہ، میں تمہیں کچھ تصویریں دکھاتی ہوں۔" نگی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"کیسی تصویریں؟" ارسلہ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

"ہمارے گھر پارٹی ہوئی تھی اس کی تصویریں۔" نگی نے اک شانِ بے نیازی سے کہا اور پھر چھوٹی فوٹو البم ارسلہ کے ہاتھ میں تھما دی۔ ارسلہ نے تصویریں دیکھیں۔ رافع اپنی تمام تر خوبصورتی اور وجاہت کے ساتھ بہت سی تصویروں میں نمایاں تھے اور نگی سرخ جوڑے میں قیامت ڈھا رہی تھی۔ نگی اطمینان بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس تقریب کا احوال بیان کر رہی تھی۔ ارسلہ کی کلاس کی ایک لڑکی الفت بھی کھڑی تھی۔ لمبے قد کی دبلی پتلی الفت تھوڑی بے وقوف سی اور حد سے زیادہ سیدھی لڑکی تھی۔ اس نے تصویریں بڑے شوق سے دیکھیں اور پھر بول پڑی۔

"ہائے اللہ نگی، یہ تو تمہاری منگنی کی تصویریں لگ رہی ہیں، سچ کہو سر رافع سے تمہاری منگنی ہو گئی کیا، سرخ جوڑے میں تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اس کی بات سن کر نگی اور اس کی سہیلیاں ہنس دیں نگی نے کہا۔

"ابھی تو نہیں ہوئی مگر ہو بھی سکتی ہے۔" پھر ارسلہ سے پوچھنے لگی۔

"ارسلہ کیا بات ہے آج کل تم رافع کے ساتھ نظر نہیں آ رہیں، کیا رافع نے تم سے دوستی ختم کر دی؟"

"میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں کہ غیر مردوں سے دوستیاں کرتی پھروں، میرا تعلق وی پی اور جی ایس کی حیثیت سے تھا۔ اب وہ بات ختم ہو گئی ہے۔"

"بس یہی تعلق تھا؟" نگی نے ابرو چڑھا کر مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"نکہت صاحبہ، آپ براہ مہربانی یہاں سے تشریف لے جائیں۔" یہ کہہ کر ارسلہ نے سعدیہ کا ہاتھ پکڑا اور کلاس روم میں چلی گئی۔ نکہت اٹھلاتی ہوئی قہقہے لگاتی دوسری طرف نکل گئی۔

"تم نے سر رافع کو تصویریں دکھائیں؟" آسیہ نے پوچھا۔

"ابھی نہیں، اطمینان سے جاؤں گی پیریڈ کے بعد تاکہ کچھ دیر بیٹھ بھی سکوں، باتیں کر سکوں یہی تو موقع ہے دیر تک بیٹھنے کا۔"

"ظاہر ہے تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔" عارفہ نے کہا تو نگی ایک بار پھر ہنس دی۔ چھٹی کے بعد وہ رافع کے کمرے میں پہنچی اور تصویریں ان کے ہاتھ میں رکھ دیں۔

"یہ دیکھیں سر...... کتنی اچھی تصویریں آئی ہیں۔" رافع نے تصویریں الٹ پلٹ کر

دیکھیں اور فوراً واپس کردیں، وہ کسی کام میں مصروف تھے۔

"بہت اچھی تصویریں ہیں، اب آپ کا شکریہ۔ آپ نے اتنا اہتمام کیا۔"

"لو اس میں شکریے کی کیا بات ہے، آپ آئے آپ کا شکریہ۔"

"آپ نے پیچھے پڑ کر بلایا تھا، میں کیسے نہیں آتا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ کا دل نہیں تھا۔"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" اتنے میں ایک دوسرے استاد کمرے میں آ گئے تو نگی کو جاتے بن پڑی۔ وہ جو بڑے بڑے پلان بنا کر آئی تھی کہ رافع سے اس طرح سے بات کرے گی یوں ہوگا اس طرح ہوگا۔ سب خاک میں مل گیا۔ بہرحال وہ مایوس نہیں تھی اسے اپنی صلاحیتوں پر پورا پورا اعتماد تھا۔

❀ ❀ ❀

ارسلہ کو خاموش دیکھ کر سعدیہ نے کہا۔

"تم کس سوچ میں گم ہو؟"

"میں نگی کی ذہنیت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیسی لڑکی ہے...... اسے نہ اپنی عزت کا خیال ہے نہ کسی دوسرے کا۔ کس اطمینان سے رافع کے ساتھ خود کو منسوب کر رہی ہے حالانکہ انہیں علم بھی نہیں ہوگا یہ اس قسم کی باتیں پھیلا رہی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، کیا سر رافع، نگی سے شادی کرلیں گے؟" سعدیہ نے پوچھا۔

"اب تم بھی ایسا احمقانہ سوال کرنے لگیں۔ سر رافع پڑھا رہے ہیں، استاد ہیں ہمارے..... کچھ دنوں میں امریکہ چلے جائیں گے کیسی شادی کیسا بیاہ...... یہ سب نگی کی خود ساختہ سوچ ہے اور کچھ نہیں۔ ویسے رافع کے مزاج کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں وہ اس قسم کے انسان نہیں کہ ایسی چھچھوری لڑکیوں کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" سعدیہ نے کہا۔ "ویسے بھی اب اس لڑکی کا بھی آخری سال ہے دفع ہو جائے گی اس کے بعد۔"

"ارے ہاں ہمیں اس سے کیا غرض اور اگر بالفرض سر رافع اس سے شادی کریں تو بھی ہمیں کیا.....!" ارسلہ نے کہا، پھر کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔

"چلو اٹھو چھٹی ہو چکی ہے کتاب کیوں کھول کر بیٹھ گئیں۔" سعدیہ نے کہا۔

"ہاں چلتی ہوں، یہ ذرا بس دو منٹ...... میں کچھ پڑھ رہی تھی۔" ذرا دیر بعد دونوں لڑکیاں پوائنٹ کے انتظار میں باہر آ کر کھڑی ہو گئیں۔

❀ ❀ ❀

دو دن سے ارسلہ بخار کی وجہ سے گھر پر تھی، یونیورسٹی نہ جاسکی وہ یونیورسٹی کا ناغہ نہیں کرتی تھی مگر بیماری کی وجہ سے مجبور ہو گئی تھی۔ دو دن کے بعد یونیورسٹی پہنچی تو سب ہی نے اس کی خیریت پوچھی اور سعدیہ تو بہت بور ہو گئی تھی۔

"تم بہت خراب ہو، دو دن سے غائب تھیں؟"

"کیا کرتی مجبوری تھی...... اب آ تو گئی ہوں۔"

"تمہارے لئے ایک نئی خبر ہے۔"

"نئی خبر...... وہ کیا؟"

"ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں میتھس کے نئے سر آئے ہیں سر علی۔ کل انہوں نے کلاس لی تھی بہت اچھا پڑھاتے ہیں اور ہیں بھی بہت اچھے اخلاق کے۔"

"ایک دن میں تمہیں ان کی اخلاقیات بھی پتا چل گئیں۔"

"بھئی انسان ایک نظر میں پہچانا جاتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔"

"آج بھی تیسرا پیریڈ ان ہی کا ہے...... تم خود دیکھ لینا۔"

"تو پرانے سر کدھر گئے؟"

"وہ کسی اور کی کلاس لے رہے ہیں۔ ٹائم ٹیبل میں تھوڑی سی تبدیلی ہو گئی۔"

"اور بتاؤ ان دنوں میں کیا کچھ پڑھ لیا ہے؟"

"ایسا کوئی خاص نہیں، اکنامکس کے کچھ نوٹس ملے تھے، وہ میں تمہیں دے دوں گی فوٹو کاپی کروا لینا۔"

"ٹھیک ہے، دے دینا ایک دو دن بھی ناغہ ہو جائے تو بہت نقصان ہو جاتا ہے۔"

"ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا پورا اسٹاف ہی اچھا ہے کوئی بھی ناغہ نہیں کرتا سارے ہی لوگ کلاس ضرور لیتے ہیں خواہ کچھ بھی ہو جائے۔" دو پیریڈ گزر گئے تو پھر تیسرا پیریڈ شروع ہوا یہ نئے سر کی کلاس تھی۔ سر کلاس میں داخل ہوئے تو ارسلہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا، یہ عابد

بھائی تھے جن کا نام عابد علی تھا۔ وہ حیران پریشان انہیں دیکھتی رہ گئی سب بیٹھ چکے تھے مگر وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''سٹ ڈاؤن۔'' علی نے کہا تو وہ گھبرا کر بیٹھ گئی۔ دبی دبی سی ہنسی کی آواز کلاس میں گونجی پھر سب خاموش ہو گئے۔ سر عابد علی نے حاضری لی اور فوراً ہی پڑھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ارسلہ کو نہ پہچاننے کی شاندار ایکٹنگ کی ارسلہ سمجھ نہیں سکی اسے کیا کرنا چاہئے، اس کا مطلب ہے عابد بھائی یہ نہیں چاہتے کہ میری ان سے رشتے داری کسی کو پتا چلے یا پھر...... وہ ہم لوگوں سے ناراض ہیں، جب سے خالہ جان کا خط آیا تھا کوئی فون بھی نہیں ہوا تھا نہ ادھر سے اور نہ اُدھر سے بلکہ اب گھر میں عابد بھائی کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا تھا، وہ جان بوجھ کر اس معاملے پر خاموش تھی وہ جانتی تھی باجی اس معاملے میں بے حد حساس ہیں۔ سر علی کلاس سے چلے گئے اور وہ اب بھی چپ تھی۔ کیا بات ہے، تم کیوں گم صم ہو؟'' سعدیہ نے پوچھا۔ ''سر علی تمہیں کیسے لگے کچھ تو بولو۔''

''اچھے لگے بہت اچھا پڑھایا انہوں نے۔''

''مگر تم اتنی اپ سیٹ کیوں ہو؟''

''تمہارا وہم ہے، تم جانتی ہو دو دن کے بخار سے اٹھی ہوں۔ ابھی ٹھیک طرح سے میری طبیعت سنبھلی بھی نہیں اور میں پڑھنے آ گئی بہت کمزوری لگ رہی ہے۔ سر میں چکر سا آ رہا ہے۔''

''واقعی تم چہرے سے بہت کمزور لگ رہی ہو کچھ کھا ہی لو۔'' سعدیہ نے کہا۔ ''آؤ کینٹین چلتے ہیں۔''

''میں سینڈوچ ساتھ لائی ہوں، چلو سیمینار میں بیٹھ کر کھا لیں گے۔'' ارسلہ نے کہا۔ ''دو عدد لائی ہوں ایک اپنے لئے اور ایک تمہارے لئے۔'' سعدیہ اور ارسلہ کلاس سے نکل کر سیمینار میں بیٹھ گئیں، ارسلہ نے سینڈوچ نکالے دونوں کھانے لگیں۔ سینڈوچ کھاتے ہوئے بھی اس کا پورا دھیان، خیال عابد بھائی کی طرف تھا۔ ''حد ہو گئی لاتعلقی اور بے نیازی کی۔ عابد بھائی ٹرانسفر ہو کر کراچی آ گئے مگر انہوں نے تذکرہ بھی ہیں کیا۔ خالہ جان نے بھی فون کر کے انہیں بتایا۔ رشتہ بھی خود ہی ختم کیا اور ناراض بھی وہ ہیں۔ اچھا انصاف ہے، میرا تو کوئی بھائی بھی نہیں، میں نے ہمیشہ عابد بھائی کو ہی اپنا سگا بھائی سمجھا اور وہ خود بھی مجھے اسی طرح

چاہتے تھے۔ عریشہ سے کم انہوں نے کبھی نہ سمجھا اور کہا بھی اور اب تو ابو بھی نہیں رہے اب تو ہمارا کوئی نہیں کم از کم ان حالات میں عابد بھائی کو مورل سپورٹ دینی چاہئے تھی، نہ کرتے رشتہ...... خالہ زاد بہنیں ہیں ہم دونوں اس رشتے کا ہی خیال کر لیتے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا انہوں نے صرف رشتہ ہی نہیں توڑا پہچان بھی ختم کر دی مگر وہ ایسے تو نہیں تھے اور تایا ابو انہوں نے بھی ہری جھنڈی دکھا دی۔'' نہ جانے کیوں اچانک ہی اس کا دل بھر آیا اور آنکھ سے چپ چاپ آنسو پھسل پڑے۔

''ارے ارسلہ، تم رو رہی ہو؟'' سعدیہ پریشان ہو گئی۔ ''پلیز بتاؤ کیا بات ہوئی ہے؟''

''کوئی بات نہیں سعدیہ، بس ویسے ہی۔''

''تم کچھ چھپا رہی ہو......؟''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دراصل مجھے ابو بہت یاد آ رہے ہیں اس وقت ان ہی کا خیال آ رہا تھا اور میرا کوئی بھائی بھی نہیں۔''

''اب تم یہ سوچنا چھوڑ دو، مجھے دیکھو میں تو بالکل ہی اکیلی ہوں نہ کوئی بھائی نہ بہن۔ ابو ہیں اللہ ان کی عمر دراز کرے مگر وہ میری خوشی کی پروا نہیں کرتے، امی سے بھی جھگڑتے رہتے ہیں۔'' ارسلہ نے اپنے آنسو خشک کر لئے۔

''معاف کرنا سعدیہ، میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔ میں کیا کروں ان دنوں بلکہ یوں کہو ابو کی ڈیتھ کے بعد میں بہت حساس ہو گئی ہوں...... بات بات پر آنسو نکل آتے ہیں خود پر قابو ہی نہیں رہا مگر آئندہ احتیاط کروں گی۔''

''وقت ہر چیز کا مرہم ہوتا ہے، آؤ چلیں کلاس میں۔'' سعدیہ اٹھی تو ارسلہ بھی اس کے ساتھ ہو لی۔ گھر آ کر بھی اس نے امی یا باجی سے عابد بھائی کا کوئی ذکر نہ کیا اس نے دل ہی دل میں تہیہ کر لیا تھا وہ اس وقت تک عابد بھائی کو نہیں پہچانے گی جب تک وہ خود اپنی پہچان کروانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس کے سر میں درد تھا وہ بے سدھ بستر پر گر گئی۔

''معلوم ہوتا ہے، ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی۔'' امی فکر مند تھیں۔

''ایک دو دن اور ناغہ کر لیتیں۔''

''امی ناغہ نہیں کر سکتی، پڑھائی کا بہت نقصان ہو جاتا ہے ویسے میری طبیعت ٹھیک ہے، آپ فکر نہیں کریں۔''

"کیسے نہ کروں فکر لو تھرمامیٹر لگاؤ، دیکھو اپنا بخار۔" اس نے چپ چاپ تھرمامیٹر لیا اور منہ میں لگالیا۔ واقعی اسے ٹمپریچر تھا۔

"میں پہلے ہی کہہ رہی تھی۔" امی نے کہا "دوا کھالو بخار کی اور آرام کرو، اب لکھنے پڑھنے نہ بیٹھ جانا صحت ہے تو سب کچھ ہے۔"

"امی کہاں پڑھ رہی ہوں۔ سر میں سخت درد ہے آرام کروں گی۔" باجی بخار کی گولی اور گلاس میں پانی لے کر آگئیں۔ اس نے گولی کھائی اور آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ وہ عابد بھائی کے ہر خیال کو دل سے نکال دینا چاہتی تھی۔ شام کو اس کی طبیعت بہتر تھی بخار بھی اتر گیا تھا۔

"ارسلہ بہت دنوں سے آپا جان کی خیریت نہیں ملی، ایک فون ہی کرلوں ان کے گھر۔" امی نے کہا۔

"امی چھوڑیں، میرا دل نہیں چاہتا خالہ جان کے گھر فون کرنے کا' جب ان لوگوں کو خیال نہیں تو ہم کیوں خوشامد کریں۔"

"خوشامد کرنے کو کہہ رہا ہے، میں نے صرف خیریت معلوم کرنے کی بات کی ہے۔"

"امی وہ سب لوگ خیریت ہی سے ہوں گے، آپ بے فکر رہیں وہاں عابد بھائی کی شادی کی تیاری ہو رہی ہوگی، میڈیکل کا رزلٹ نکل چکا ہے۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا اب تک ان کی ثمن ڈاکٹر بن چکی ہوگی، کیا یہ سب خبریں سننا چاہ رہی ہیں۔" سلمٰی پاس بیٹھی تھی اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

"امی آپ خالہ جان کا ذکر نہیں کیا کریں خوامخواہ عابد بھائی کا خیال آتا ہے اور خالہ جان کے خط کا۔ باجی کو دکھ ہوتا ہے، آپ یہ بات جانتی ہیں۔" ارسلہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"میں جانتی ہوں مگر اپنے دل سے مجبور ہوں۔ بڑی بہن ہیں، ان کی محبت دل سے نکالنا چاہوں تو بھی نہیں نکلے گی۔"

"امی آپ کس کس کا رونا روئیں گی، اچھے وقت کے سب ساتھی ہوتے ہیں لیکن برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا...... تایا ابو اور تائی کی باتیں بھی سن چکی ہیں آپ۔"

"بس اپنا اپنا مزاج ہے کوئی کیا کر سکتا ہے۔" امی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"اب آپ کچھ بھی نہیں سوچیں...... میں چائے دم کر کے لاتی ہوں۔ آپ بھی پئیں اور باجی بھی۔ میرا تو ویسے بھی چائے پینے کا دل نہیں چاہ رہا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے مگر امی آپ انہیں ننھی خالہ کیوں کہتی ہیں، وہ تو آپ سے بہت چھوٹی ہیں۔"

"ارے بھئی پورا محلہ اسی نام سے پکارتا ہے، میں بھی یہی کہہ دیتی ہوں۔ ویسے واقعی ان کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں بیٹا بھی چھوٹا ہی ہے۔"

"ہاں مگر تیزی سے لمبا ہو رہا ہے خوب قد نکالا ہے اس نے۔"

"اللہ اس کی عمر دراز کرے، حفظ کر رہا ہے جنتی ہے جنتی۔" امی کے دل میں حافظِ قرآن کی بڑی عزت تھی اور سچ بات تو یہ ہے کہ برے وقت میں ننھی خالہ غوری صاحب اور گڈو نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ ابھی چائے دم ہوئی اور اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔ ننھی خالہ آگئی تھیں۔

"افوہ چائے پی جا رہی ہے۔"

"ننھی خالہ یہ رہی آپ کی پیالی، ہمارے تین عدد مگوں کے ساتھ۔"

"اچھا بھئی لاؤ دے دو۔ تمہارے گھر کی چائے بہت مزے دار ہوتی ہے۔" ننھی خالہ مزے لے کر چائے پینے لگیں پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

"ارے پتا ہے وہ شاکر صاحب ہیں نا جنہوں نے نکاح کیا تھا۔"

"ہاں کیا ہوا انہیں؟"

"ان کا بیٹا بہو اس گھر سے چلے گئے۔"

"ارے، وہ کیوں؟" امی نے حیرت سے پوچھا۔

"بس بہو نے طوفان کھڑا کر دیا ہے کہ اسے شرم آتی ہے۔ سسر نے بڑھاپے میں شادی کر لی چنانچہ میاں کو بھڑکا کر الگ ہو گئی۔"

"کہاں چلے گئے سب؟"

"اُدھر ہی گھر کرائے پر لیا ہے یہ گھر تو شاکر صاحب کا ہے اب وہ دونوں میاں بیوی آرام سے رہتے ہیں۔ میں تو اکثر جاتی ہوں ان کی بیوی بہت سگھڑ اور سلیقے کی ہیں۔ شاکر صاحب کو اتنا آرام دے رہی ہیں کہ وہ اپنے سارے دکھ بھول گئے۔"

"اللہ تعالیٰ سب کو سکھ دے۔" امی نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ سب کے بیٹوں اور بہوؤں کو بھی نیک ہدایت دے اگر بیٹا بہو خیال کرنے والے ہوتے تو ایسا نہیں ہوتا۔" ننھی خالہ نے کہا۔

"سچ بات تو یہ کہ بہو کے بس کا ہوتا بھی نہیں سسر کو سنبھالنا۔ ہاں بیٹا کر سکتا ہے یا پھر بیوی کر سکتی ہے۔" امی نے کہا۔

"بہر حال جو کچھ ہوا وہ شاکر صاحب کے حق میں تو اچھا ہی ہوا۔" ننھی خالہ چائے کی پیالی رکھ کر بولیں۔ "کسی دن لے کر آؤں گی انہیں یہاں بلکہ آپ بھی چلئے گا ان سے ملنے۔"

"ارے میں کہاں جاؤں گی، میں تو کہیں آتی جاتی نہیں۔" امی نے یہ کہہ کر بات ختم کی اب ننھی خالہ کسی اور گھر کی کہانی سنا رہی تھیں۔

❀ ❀ ❀

پوائنٹ بس سے اتر کر وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ آہستہ قدموں سے جا رہی تھی کہ سامنے ہی عابد بھائی نظر آ گئے۔ اس نے ایک نظر دیکھا پھر نگاہیں پھیر لیں۔ عابد بھائی نزدیک آ گئے۔

"ارسلہ کیا بات ہے، ناراض ہو مجھ سے؟"

"یہ بات آپ اپنے آپ سے پوچھیں۔"

"میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، آؤ میرے ساتھ میرے کمرے میں۔" وہ چپ چاپ ان کے پیچھے ہو لی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور ارسلہ سامنے پڑی کرسی پر۔

"ارسلہ مجھے پتا چلا ہے کہ تم نے پہلے سال میں فرسٹ پوزیشن لی ہے بہت بہت مبارک ہو۔"

"شکریہ۔"

"تم ناراض ہو غالباً۔"

"نہیں، ہم کیا ناراض ہوں گے ہمارے پاس رکھا ہی کیا ہے۔ ناراض بھی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس دھن دولت ہوتی ہے یا پھر کسی کی محبت کا مان ہوتا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو ارسلہ، تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میرے دل میں تو کسی قسم کا کوئی غلط خیال نہیں۔"

"تب ہی آپ نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا اور خالہ جان نے رشتہ کرنے سے۔"

"تم سمجھنے کی کوشش کرو، میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے آتے ہی یہ بات گشت کرنے لگے کہ تم میری کزن ہو۔ بعض اوقات اس سے سٹوڈنٹ کو نقصان ہوتا ہے۔ میں چونکہ تمہاری کلاس بھی لیتا ہوں اس وجہ سے مجھے اپنی ذمے داری کا احساس ہے کچھ وقت گزرنے دو پھر یہ

بات بھی سب کو معلوم ہو جائے گی کہ تم میری بہن ہو اور رہی رشتے سے انکاری کی بات تو ارسلہ میں بہت شرمندہ ہوں، میں سلمیٰ کے سامنے جانے کی ہمت خود میں نہیں پاتا میں نے اس لئے تمہارے گھر فون بھی نہیں کیا، کیا کہتا...... تم خواہ کچھ بھی کہو مگر انکار میں نے نہیں، میرے ابو نے کیا ہے اور ابو سے ٹکر لینا میرے لئے ناممکن ہے۔"

"جب ایک بات ممکن ہی نہیں تھی تو اس کا ذکر ہوا ہی کیوں تھا۔"

"مجھے حالات کی سنگینی کا علم نہیں تھا۔"

"ثمن کیا کر رہی ہیں اور ہاں آپ کی منگنی مبارک ہو۔"

"ثمن اب ہاؤس جاب کر رہی ہیں اور ہماری باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی نہ کوئی فنکشن۔ بس ابو اور چچا میں بات ہوئی ہے پھر ابو نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ امی نے کچھ کہا بھی مگر ان کی آواز دبا دی گئی۔"

"یہ بڑی عام سی کہانی ہے اور گھسی پٹی سی مجبوری ہے عابد بھائی...... اب ان کہانیوں میں جان نہیں رہی' چھوڑیں بھی اس بات کو کوئی اور بات کریں اور منگنی کی مبارک باد قبول کر لیں۔"

"سلمیٰ کیسی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تم سچ مچ ناراض ہو...... پلیز تم مجھ سے اس طرح بی ہیو نہیں کرو۔"

"آپ میرے استاد ہیں علی صاحب۔ آپ کو مجھ سے کبھی شکایت نہیں ہوگی، کیا اب میں جا سکتی ہوں؟"

"ہاں تم جاؤ مگر یاد رکھو تم میری بہن ہو۔"

"اور یہ بھی کہ اس رشتے داری کا کسی کو علم نہیں ہونا چاہئے، ہے نا؟" عابد بھائی نے اس کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہیں کہا وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

❀ ❀ ❀

رافع نے اسے علی کے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تھا اس وقت رافع، علی ہی کے پاس جا رہے تھے۔ اگرچہ علی کو یہاں آئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے مگر رافع اور علی کے درمیان دوستی ہو گئی تھی۔

"ارسلہ سے باتیں ہو رہی تھیں؟" رافع نے یونہی پوچھا۔

"نہیں، ایسی کوئی خاص نہیں۔" علی نے ٹالتے ہوئے کہا پھر خود ہی بولا۔ بہت ہی ٹیلنٹڈ لڑکی ہے میں نے چند کلاسز لی ہیں مگر اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔" رافع نے کہا۔ "پڑھائی کے علاوہ بھی اس لڑکی میں بہت خصوصیات ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"یہ بہت اچھی شاعرہ بھی ہیں۔"

"اچھا، آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"میں نے اس لڑکی کی شاعری پڑھی ہے اور اسے مشاعرے میں بھی سنا ہے۔ اچھی شاعری کرتی ہے اور آواز بے حد خوبصورت ہے۔"

"اچھا، یہ تو اچھی بات ہے۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی خوش قسمتی ہے یہ۔"

"بیت بازی کے ایک مقابلے میں کپ جیت کر لا چکی ہے اور ٹرافی بھی۔"

"بہت خوب......!"

"اچھا یہ بتائیں علی صاحب آپ نے ایم بی اے کہاں سے کیا؟"

"میں نے ایم بی اے انگلینڈ سے کیا ہے اور ایم اے سندھ یونیورسٹی سے۔" پھر رافع سے پوچھا۔ "آپ کے اسکالر شپ کا کیا بنا...... آپ تو غالباً امریکہ جا رہے ہیں پی ایچ ڈی کے لئے؟"

"جی ہاں، یہ میرا خواب ہے۔ اسکالر شپ مل ہی جائے گی کچھ وقت تو لگ ہی جاتا ہے۔"

"آپ ابھی بہت ینگ ہیں، یہی وقت ہوتا ہے پڑھائی کا اچھا ہے جلد باہر چلے جائیں۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں، میرے والدین کی بھی یہی خواہش ہے۔"

"آپ کے ہاں کتنے لوگ ہیں؟"

"بس والد، والدہ اور ہم دو بھائی۔ میرا بھائی مجھ سے چھوٹا ہے اور ایم بی اے کر رہا ہے۔" رافع نے بتایا پھر علی سے پوچھا۔ "آپ کی فیملی کہاں ہوتی ہے؟"

"آپ کو معلوم تو ہے حیدر آباد میں...... میں اِدھر آ گیا ہوں دراصل میرے والد ایڈووکیٹ ہیں اور ان کی پریکٹس بہت اچھی چل رہی ہے پھر گھر بھی اپنا ہے، وہ حیدر آباد چھوڑنا نہیں چاہتے۔ میری ایک چھوٹی بہن بھی ہے وہ میڈیکل کر رہی ہے۔ اس کے ٹرانسفر کی کوشش کی تھی نہیں ہو سکا۔"

"اور آپ ابھی تک سنگل ہیں؟"

"جی ہاں۔" عابد علی نے مسکرا کر کہا۔

"مگر آپ تو اپنی تعلیم ختم کر چکے، سیٹل ہو چکے پھر دیر کیوں؟"

"بس یہ سب قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں جب ہونا ہوگی تو ضرور ہو جائے گی میں نے ابھی سیریسلی اس معاملے پر سوچا ہی نہیں ہے۔"

"تو اب سوچ لیں علی صاحب۔" رافع نے بے تکلفی سے کہا۔

"ضرور آپ کے مشورے پر جلد ہی عمل کریں گے۔" علی نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

ارسلہ، عابد علی کے کمرے سے نکل کر کلاس میں آ گئی...... وہ ان سے بات کر کے کچھ ریلیکس ہو گئی تھی اسے عابد بھائی سے اپنی رشتے داری کا ڈھنڈورا پیٹنے...... کچھ بھی ہو آخر وہ اس کے سگے بھائی تو نہیں تھے، خالہ زاد تھے ان کے ساتھ بے تکلفی صرف گھر کی حد تک محدود رہ سکتی تھی گھر سے باہر نہیں اور یونیورسٹی میں تو بالکل بھی نہیں اور جہاں تک رشتہ منع کرنے کا سوال تھا یہ بات شاید عابد بھائی کو بھی پسند تھی وہ اندر سے رنجیدہ تھے۔ ہو سکتا ہے آئندہ کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ باجی اور عابد بھائی ایک ہو سکیں شاید کوئی انہونی ہو جائے۔ ابھی تو ثمن کے ہاؤس جاب میں پورا ایک سال پڑا ہے اور ایک سال میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ کیا خبر باجی کی خوشی انہیں مل ہی جائے بہر حال میرے امکان میں تو جو بھی ہوا میں باجی کے لئے ضرور کروں گی۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ کلاس کا وقت ہو چکا تھا وہ کلاس میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سر آ چکے تھے پیریڈ شروع ہو گیا تو اس کے خیالات کا تسلسل بھی ٹوٹ گیا۔

ارسلہ، سلمٰی اور امی نے رات کا کھانا کھایا۔ سلمٰی نے برتن سمیٹے ارسلہ نے میز صاف کی پھر امی سے کہا۔

"امی میں آپ کو ایک بات بتانا چاہ رہی ہوں، باجی آپ بھی آ جائیں۔" سلمٰی باورچی خانے سے نکل کر پھر میز پر آ گئی۔

"کیا بات ہے؟"

"بیٹھ جائیں باجی، میں آپ لوگوں کو ایک بات بتانا چاہ رہی ہوں۔"

"اب کہہ بھی چکو۔"

"دراصل ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں میتھمس کے ایک نئے استاد آئے ہیں...... بہت اچھے سے ہیں، علی نام ہے ان کا میں انہیں اپنے گھر بلانا چاہ رہی ہوں۔"

"بھئی وہ کس لئے، تم انہیں کیوں بلانا چاہ رہی ہو؟"

"باجی وہ میرے استاد ہیں اور مجھے اچھے لگتے ہیں اگر انہیں بلا لوں گی تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ کیوں امی...... پلیز اجازت دے دیں۔"

"تمہاری بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" امی نے کہا۔ "اس سے قبل تم نے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں...... ارسلہ تمہیں کیا ہو گیا ہے یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

"میں کوئی انوکھی بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"ارسلہ ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔ ہم لڑکیاں ہیں ہمارا کوئی سرپرست بھی نہیں، ابو بھی نہیں رہے کوئی بھائی بھی نہیں اور پھر میں تمہارے منہ سے کسی علی صاحب کا ذکر سن کر پریشان ہو گئی ہوں اس سے قبل تم نے ذکر بھی نہیں کیا۔"

"انہیں آئے ہوئے ایک ماہ ہی ہوا ہے۔"

"اور تم سے اتنی بے تکلفی ہو گئی کہ تم انہیں اپنے گھر بلانا چاہ رہی ہو۔"

"یہی سمجھ لیں۔"

"اور ایک اور بھی تھے بلکہ ہوں گے رافع نام کے سر۔ وہ کہاں گئے ان کا نام اب تمہاری زبان پر نہیں آتا۔" سلمیٰ نے ناراضی سے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ نہ دیں اجازت۔" ارسلہ یہ کہہ کر میز سے اٹھ گئی۔ امی اور سلمیٰ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں، امی کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔

"سلمیٰ تم سمجھاؤ ارسلہ کو...... یہ کس راستے پر جا رہی ہے۔ خدا جانے کون آ گیا ہے نیا استاد اور پھر اگر آیا بھی ہے تو ارسلہ سے اس کا کیا تعلق......؟"

"امی میں ارسلہ کو سمجھاؤں گی، آپ بے فکر رہیں۔" رات کو دونوں بہنیں سونے لیٹیں تو سلمیٰ نے پھر بات چھیڑی۔

"ارسلہ تم چپ کیوں ہو؟"

"کوئی بات نہیں ہے۔"

"کوئی تو بات ہے جو تم چھپا رہی ہو۔"

"آپ یقین کریں باجی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے...... کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں کوئی غلط کام کر سکتی ہوں۔"

"لیکن کوئی وجہ ہوتی ہے، کوئی تک ہوتی ہے کسی بات کی۔ آخر تم ان صاحب کو اپنے گھر کیوں لانا چاہ رہی ہو یہی تو معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"بس یونہی، وہ ہاسٹل میں رہتے ہیں اکیلے کراچی میں ان کا کوئی نہیں ہے۔"

"یہ سب باتیں انہوں نے تم سے کہیں۔"

"ہاں، میں نے خود پوچھا تھا تو وہ بتانے لگے پھر میں نے ان سے کہا کہ کسی دن آئیے گا وہ بولے ضرور آؤں گا بس اتنی سی بات ہے۔" سلمیٰ کا ذہن اب بھی الجھا ہوا تھا اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ارسلہ کیا تم رافع کو بھول گئی ہو؟"

"باجی وہ میرے استاد ہیں۔ ریزرو رہنے والے استاد پہلے کی بات اور تھی وہ سٹوڈنٹ تھے اور ہمارے وی پی اور میں جی ایس کی پوسٹ پر ان کے ساتھ کام کرتی تھی۔ وہ بھی میرا خیال رکھتے تھے، ایک بار مجھے پہنچانے یہاں آ گئے تھے اور وہ بھی اس لئے کہ وہ بھی ڈیفنس میں رہتے ہیں ادھر ہی آنا تھا انہیں...... پھر وہ سب سے ملے ابو بھی تھے اس وقت لیکن اس کے بعد اب وہ کیوں آئیں گے باجی انہوں نے ابو کا پرسا دیا تھا مجھے...... بہت افسوس کر رہے تھے۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ......"

"آپ جو کچھ سمجھیں...... ویسے وہ باہر جا رہے ہیں پانچ سال کے لئے۔"

"جو کچھ بھی ہو نئے سر کو گھر بلانے کا فلسفہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"سب سمجھ میں آ جائے گا، ایک بار علی سے مل لیں آپ تو۔"

"مجھے ان میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے ارسلہ اور ہاں تم بھی اپنی سوچ تبدیل کر لو۔"

"سوچ کہاں تبدیل ہوتی ہے باجی...... کیا آپ عابد بھائی کو بھول پائی ہیں۔"

"عابد بھائی کا یہاں کیا ذکر؟"

"ذکر تو آتا ہی ہے، آپ بھی تو ابھی ذکر کر رہی تھی رافع کا حالانکہ جس طرح عابد بھائی نے سیڑھی بدل لی بات ختم...... اسی طرح رافع اب امریکہ جا رہے ہیں، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ویسے بھی میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔" یہ کہہ کر ارسلہ نے تکیہ اپنے منہ پر رکھ لیا گویا بات ختم ہوگئی تھی، وہ اب اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اچانک اس کے ذہن میں رافع کی تصویر ابھر کر سامنے آنے لگی۔ "بھول جانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ مشکل ہی نہیں ناممکن، میں رافع کو کبھی بھول نہیں پاؤں گی۔ کاش میں انہیں جان سکتی، سمجھ سکتی مگر انہوں نے مجھ سے کچھ کہا ہی کب...... میں ہی پاگل ہوں جو انہیں دل میں بسا کر بیٹھ گئی ہوں اور شہاب احمد وہ بھی اب کچھ نہیں کہتا مگر اس کی آنکھیں بولتی ہیں، میں اس کی آنکھوں کی زبان سمجھنا نہیں چاہتی اس لئے انجان بنی رہتی ہوں۔" سوچتے سوچتے نہ جانے جب وہ سوگئی۔

❀ ❀ ❀

یونیورسٹی پہنچ کر وہ معمول کے مطابق کلاسز لے رہی تھی تب ہی سر علی نے اسے بلا بھیجا۔ چپڑاسی آیا تھا۔ وہ جلدی سے ان کے کمرے میں جا پہنچی۔

"جی سر......؟"

"میں تمہارا بھائی بھی ہوں، کلاس کے اندر سر ہوں باہر نہیں۔"

"آپ یونیورسٹی کے اندر سر ہی ہیں۔ جس دن ہمارے گھر آئیں گے اس دن میں آپ کو عابد بھائی کہہ کر بلاؤں گی۔ اچھا یہ بتائیں کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا......؟"

"تم سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ چھوٹی خالہ اور سلمیٰ کیسی ہیں بتاؤ تفصیل سے۔"

"ان دنوں بڑی پریشان ہیں۔"

"ارے وہ کیوں، کیا ہوگیا انہیں......؟"

"بس کچھ نہیں، میں نے تذکرہ کیا تھا کہ ایک نئے سر آئے ہیں...... سر علی اور میں انہیں اپنے گھر بلانا چاہ رہی ہوں بس پھر کیا امی اور باجی دونوں فکر مند ہوگئیں کہ یہ ارسلہ کو کیا ہوگیا۔" عابد علی کو ہنسی آگئی۔

"اچھا تو یہ شرارت ہے تمہاری...... پھر کب چلوں تمہارے گھر؟"

"کسی بھی روز بلکہ ایسا کرتے ہیں کل کا دن رکھ لیتے ہیں۔ آج میں امی سے اور باجی دونوں سے کہہ دوں گی کہ میں نے سر علی کو انوائٹ کرلیا ہے۔"

"کیوں تنگ کر رہی ہو ان کو......؟"

"مزہ آرہا ہے عابد بھائی۔ سچ جب وہ آپ کو دیکھیں گی تو کتنی خوش ہوں گی۔"

"پتا نہیں ارسلہ، مجھے تو سلمیٰ کے سامنے جاتے ہوئے گلٹی سا فیل ہو رہا ہے مگر میں چھوٹی خالہ سے ملنا چاہتا ہوں اور سلمیٰ سے بھی۔ یہاں کراچی میں تم لوگوں کے سوا میرا ہے بھی کون

"......!"

"کاش باجی اور آپ ایک ہوسکتے۔" اچانک ارسلہ کے منہ سے نکل گیا۔

"اب اس ذکر کو چھوڑ دو ارسلہ، ہم شاید ایک نہ ہوسکیں۔" اسی وقت رافع کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے علی کا جملہ سن لیا تھا۔ سامنے ارسلہ بیٹھی تھی وہ حیران رہ گئے۔ یہ علی کیا کہہ رہے تھے۔ وہ ارسلہ سے اتنے بے تکلف کس طرح ہوگئے اور ان کے درمیان اتنی بڑی بڑی باتیں کیسے ہونے لگیں وہ ساکت کھڑے تھے۔

"آؤ رافع، کھڑے کیوں ہو بیٹھو۔"

"تو پھر میں جاؤں؟" ارسلہ اٹھ گئی۔

"ہاں، اب جائیے آپ۔"

"اچھا تو پھر میں کل کے بارے میں آپ سے کنفرم کرلوں گی۔"

"میں خود بتادوں گا۔"

"او کے۔" وہ وہاں سے نکل گئی۔ رافع بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے مگر کچھ بھی نہ پوچھ سکے کچھ کہہ نہ سکے۔ ان کا ذہن کنفیوز ہوگیا...... نہ جانے کس کام سے آئے تھے کچھ یاد نہیں رہا۔

"ہاں رافع کیا حال ہیں، کیا مصروفیت ہیں؟"

"کوئی خاص نہیں، اپنے تو ایک جیسے دن ہیں اور آپ سنائیں۔"

"میرے پاس بھی سنانے کو کچھ نہیں۔ ہاسٹل میں اکیلا رہتا ہوں گھر والوں سے دور رہنے کا اگرچہ پہلا تجربہ نہیں پھر بھی گھبرا جاتا ہوں۔"

"تو تنہائی کا علاج ڈھونڈ کیوں نہیں لیتے۔"

"اسی مسئلے میں تو پھنسا ہوا ہوں۔"

"کیسا مسئلہ؟"

"بس ہے کوئی بات ...... پرسنل سا معاملہ ہے۔" یہ کہہ کر عابد علی خاموش ہوگئے۔ رافع نے بھی پھر کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا

❀ ❀ ❀

نکہت آراء عرف نگی اپنے منصوبے پر سنجیدگی سے عمل کررہی تھی۔

رافع کی کلاس اس وقت شروع ہونے میں دس منٹ باقی تھے کہ نگی ان کے کمرے میں جا پہنچی۔

"اگر اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں......؟"

"تشریف رکھیے۔"

"سر آپ کے جانے کی ڈیٹ کنفرم ہوئی یا نہیں......؟"

"ابھی تو نہیں، آپ کو بہت جلدی ہے میرے جانے کی......؟"

"میں تو اس لئے پوچھ رہی تھی کہ ہم فائنل کے اسٹوڈنٹ آپ کو الوداعی پارٹی دینے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔"

"اس تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ لوگ جاتے ہی رہتے ہیں باہر پڑھنے کیلئے۔"

"آپ لوگوں کی بات چھوڑیں۔ آپ تو ہمارے خاص سر ہیں سب کے پسندیدہ۔"

"کوئی پسندیدہ وسندیدہ نہیں ہوں۔ سب بیکار کی باتیں ہیں اور پسند کا کیا ہے بدل بھی جاتی ہے۔ آج میں ہوں کل کوئی دوسرا ہوگا۔"

"ایسا تو نہ کہیں سر، اب ہر کوئی ارسلہ جیسا تو نہیں ہوتا نا......!" اس نے معصومیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔

"ارسلہ کا یہاں کیا ذکر......؟"

"بس ویسے ہی ایک بات منہ سے نکل گئی۔ پچھلے سال اس کے ہونٹوں پر آپ کا نام ہوتا تھا مگر اب ہر وقت علی صاحب کے ساتھ نظر آتی ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میں نہ کہوں تو کوئی اور کہہ دے گا......"

"خیر مجھے کیا۔ میں اس کے بارے میں کیوں سوچوں؟"

"یہ بات آپ نے اچھی کہی، آپ اس کے بارے میں نہ ہی سوچا کریں تو بہتر ہے۔ ویسے آپ میرے بارے میں ضرور سوچیئے گا۔" یہ بات اس نے کھڑے ہوکر رافع کے اوپر تھوڑا جھک کر کہی پھر فوراً ہی کمرے سے نکل گئی۔

نگی نے بہت اچھا پرفیوم لگا رکھا تھا۔

رافع کی ناک میں خوشبو گھس گئی۔

وہ نگی کے بارے میں سوچنے لگے۔

"اس کا مطلب ہے نگی واقعی مجھ میں دلچسپی لیتی ہے۔" مگر دوسرے ہی لمحے انہوں نے نگی کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

مگر ارسلہ کا خیال سب پر بھاری تھا۔

"ارسلہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

انہوں نے دل ہی دل میں سوچا پھر رجسٹر اٹھا کر کلاس لینے چلے گئے۔

"امی، کل سر علی آرہے ہیں۔ میں نے رات کے کھانے کا کہہ دیا ہے۔" ارسلہ نے دھماکا کیا۔

"اچھا تو پھر بتاؤ کیا پکوانا ہے؟" امی نے بادل ناخواستہ کہا۔

"کچھ بھی پکا لیں۔ سادہ کھانا کھاتے ہیں۔ میں نے پوچھ لیا تھا۔"

"پھر بھی کچھ تو کرنا ہوگا۔" باجی نے کہا۔ "آخر استاد ہیں تمہارے اور تم انہیں انوائٹ کر آئی ہو۔ اب دال روٹی تو کھلانے سے رہے۔"

"پھر آپ ہی بتائیں باجی کھانے میں کیا پکوایا جائے؟"

"اچھا کچھ سوچ لیں گے۔ آج تو نہیں آرہے نا......!" باجی نے کہا پھر بچوں کی کاپیاں چیک کرنے میں منہمک ہوگئیں۔ امی بھی کچھ نہ بولیں۔

ارسلہ کو عابد بھائی کے آنے کی بے حد خوشی تھی۔ وہ دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی تھی۔

"امی کس قدر انہیں چاہتی ہیں اپنے بیٹوں کی طرح اور باجی...... وہ بھی تو ہر آہٹ پر ان کی چاپ سنتی ہیں۔ کچھ بھی ہو میں اپنی سی پوری کوشش کروں گی کہ باجی کی زندگی میں خوشی لا سکوں۔"

صبح تیار ہو کر یونیورسٹی جانے لگی تو امی نے پوچھا۔

"اب بتا کے جاؤ کیا پکواؤ گی؟ تمہیں تو آتے آتے ڈھائی تین بجتے ہیں۔ سلمیٰ بھی اسکول سے تھک کر آتی ہے۔ کرنا مجھے ہی ہے۔"

"میں یونیورسٹی سے آکر کچھ نہ کچھ پکا لوں گی۔ سر علی تو مغرب کے بعد آئیں گے۔" یہ کہہ کر ارسلہ یونیورسٹی کے لئے روانہ ہوگئی۔

اس نے موقع ملتے ہی علی کو یاد دہانی کروا دی تھی۔

"تم اطمینان رکھو، میں ضرور آؤں گا اپنی بہن کے گھر۔"

"تو پھر یہ بھی بتا دیجئے کیا کھائیں گے آپ؟"

"کوئی تکلف نہیں، اپنا ہی گھر ہے۔"

"وہ تو ہے مگر امی اور باجی تو کچھ نہیں جانتیں کہ کون آرہا ہے اگر وہ پوچھیں تو کیا پکواؤں؟"

"دال چاول۔" یہ کہہ کر علی ہنستے ہوئے اس کے پاس سے چلے گئے۔

رافع سب کچھ دیکھ رہے تھے علی کی مسکراہٹ اور ارسلہ کی ہنسی۔ کتنے خوش تھے وہ دونوں...... یوں لگتا تھا جیسے بہت پرانی دوستی ہو۔

"خیر مجھے کیا، وہ کچھ بھی کرے۔" وہ سر جھٹک کر اپنے روم میں چلے گئے۔

پورا دن وہ آپ ہی آپ مسکراتی رہی خوش ہوتی رہی۔ آخر سعدیہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ پوچھ ہی بیٹھی۔

"بڑی خوش نظر آرہی ہو، کیا بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" وہ ٹال گئی۔

"میں دیکھ رہی ہوں تم مجھ سے ہر بات چھپانے لگی ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے سعدیہ، میں تم سے بھلا کیا چھپاؤں گی......؟"

"تم نہ بھی بتاؤ کیا فرق پڑتا ہے مگر بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو لوگوں کی زبان پر آجاتی ہیں پھر لوگ ان باتوں کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"میں تمہاری دوست ہوں ارسلہ، سچی ہمدرد...... میں جانتی ہوں تمہارے مزاج کو اور تمہاری طبیعت کو...... مگر سب تمہیں نہیں جانتے۔ کافی دنوں سے تم اور سر علی ایک دوسرے کے قریب ہو رہے ہو۔ میں اس بات کو نظر انداز کر دیتی ہوں مگر بہت سے لوگ ان باتوں کو ہوا بھی دیتے ہیں۔"

"کون سے لوگ سعدیہ، بتاؤ، ایسی بھلا کیا بات ہوگئی؟"

"نگی نے تمہارے خلاف باتیں پھیلائی ہیں وہ سر رافع سے پتا نہیں کیا کچھ کہتی ہے۔ تم

نے نوٹ نہیں کیا سر رافع تم سے الگ الگ رہتے ہیں۔"

"مجھے کسی کی پروا نہیں اور سر رافع کا مجھ سے کیا تعلق ہے؟ نگی نے اپنی منگنی سر رافع سے ہو جانے کی خبر خود ہی پھیلائی ہے اور پھر کچھ ان کے دل میں بھی ہوگا تب ہی تو نگی کے گھر گئے تھے پارٹی کروانے اور تصویریں کھنچوانے۔"

"مگر یہ سر علی کہاں سے بیچ میں آگئے ارسلہ؟"

"اب تم بھی مجھ پر شک کرو گی؟"

"میں تو صرف پوچھ رہی ہوں۔"

"مت پوچھو کوئی ایسی بات جس کا سرے سے وجود ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے اگر تم ناراض ہو رہی ہو تو میں خاموش ہو جاتی ہوں۔ آئندہ کوئی بات نہیں کروں گی۔"

"اب تم ناراض ہوگئی ہو؟"

"میں ناراض نہیں ہوں۔ چلو مائکرو اکنامکس کے نوٹس تیار کرنے ہیں۔ سیمینار سے کتاب لے کر کچھ کام کر لیں۔" وہ اپنی کتابیں سمیٹ کر سعدیہ کے ساتھ سیمینار چلی گئی۔

❀ ❀ ❀

پونے تین بجے ارسلہ گھر پہنچی تو اچھے اچھے کھانوں کی خوشبو گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔

باجی اور امی دونوں باورچی خانے میں کام کر رہی تھیں۔ سلمیٰ کا اسکول نزدیک تھا وہ ڈیڑھ بجے گھر آجاتی تھیں۔

"ارے امی، باجی بڑی خوشبوئیں پھیل رہی ہیں۔ کیا کچھ کر ڈالا آپ لوگوں نے......؟"

"خوش ہو جاؤ، امی نے بہت اچھی اچھی ڈشز تیار کی ہیں۔"

"مگر سر علی تو کہہ رہے تھے کہ انہیں دال چاول پسند ہیں۔"

"بیٹا یہ تو صرف کہنے کی بات ہوتی ہے۔ اب یہ تو ناممکن ہے تم نے اپنے ٹیچر کو بلایا ہے اور ہم کچھ خاطر، مدارت بھی نہ کریں۔ یہ ہمارے گھر کا رواج نہیں۔"

اور سلمیٰ سوچ رہی تھی۔ "عابد نے بھی ایک بار کہا تھا کہ بس دال چاول پکا دیجئے گا اور ہاں عابد کو کباب پسند ہیں۔ یہ حضرت بھی کچھ ایسے ہی منچلے لگتے ہیں۔ بہر حال کباب تو دسترخوان کا لازمی جزو ہوتے ہیں۔" وہ سلمیٰ نے بنا دیئے تھے۔

"باجی آپ ٹھیک سے تیار ہو جائیے گا۔"

"کیوں بھئی، میں کیوں ٹھیک سے تیار ہوں؟"

"اس لئے کہ آپ میری باجی ہیں اور میں نے سر سے آپ کی ڈھیروں تعریفیں کر رکھی ہیں۔" سلمیٰ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہیں اپنی اس تھوڑی پاگل سی معصوم بہن پر پیار آگیا۔

مغرب سے پہلے امی اور باجی دونوں تیار ہوگئی تھیں۔

ارسلہ نے البتہ کوئی خاص تیاری نہیں کی۔

"ارے تم نے کیوں حلیہ بنایا ہوا ہے؟"

"باجی میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ سب نماز مغرب سے فارغ ہو کر علی کے انتظار میں تھے کہ کال بیل بج اٹھی۔

"تم علی صاحب کو ڈرائنگ روم میں بٹھانا، ہم وہیں آجائیں گے۔" امی نے ارسلہ سے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ باجی اپنے کمرے میں تھیں۔

ارسلہ نے دروازہ کھولا۔ عابد بھائی اپنی تمام تر محبتوں کے ساتھ سامنے کھڑے تھے۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا پھر ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

چھوٹا سا گھر...... سامنے ہی ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ عابد بھائی صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ابھی آتی ہوں عابد بھائی! امی اور باجی کو سرپرائز ملے گا۔" وہ چپ چاپ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"امی آئیں، باجی آپ بھی آئیں۔ سر آگئے ہیں۔"

سلمیٰ نے اپنا دوپٹا برابر کیا اور امی نے ساڑی کا پلو...... وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں...... اور پھر...... ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"ارے یہ کیا، عابد بیٹا تم...... مگر ارسلہ تو کسی سر علی کا ذکر کر رہی تھیں۔"

"امی یہی ہیں سر علی۔ عابد علی نام ہے ان کا۔ کیا آپ نہیں جانتیں؟ اور انہیں کو تو میں بلانا چاہ رہی تھی۔ اتنے دنوں سے......"

امی کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا...... انہوں نے عابد کو گلے لگا لیا۔

سلمیٰ خاموش کھڑی تھیں۔

’’سلمیٰ کیسی ہو؟ تم بھی بیٹھو۔‘‘ عابد بھائی نے کہا۔

سلمیٰ ایک طرف خاموش بیٹھ گئیں۔

ارسلہ کچن میں چلی گئی۔ امی بھی اٹھ گئیں شاید وہ خود ہی موقع دے رہی تھیں کہ وہ دونوں آپس میں بات کرسکیں۔

’’سلمیٰ تم مجھ سے ناراض ہو شاید...... میں اسی شرمندگی میں یہاں نہ آسکا۔ نہ ہی تمہیں فون کرسکا۔‘‘

’’میں ناراض نہیں ہوں عابد بھائی۔ بھلا میرا تعلق ہی کیا ہے آپ سے؟‘‘

’’ایسا نہ کہو سلمیٰ! میں تو پہلے ہی دل گرفتہ ہوں۔‘‘

’’پلیز عابد صاحب! آپ کوئی اور بات کریں۔ ہم ٹوٹے ہوئے لوگ ہیں، ہمیں اور توڑنے کی کوشش نہ کریں۔‘‘

’’ارسلہ تمہاری اجازت کے بغیر مجھے یہاں لے آئی ہے شاید یہ بات تمہیں پسند نہیں آئی۔‘‘

اتنے میں ارسلہ اندر آگئی۔

’’عابد بھائی میں نے سرپرائز دیا ہے باجی اور امی کو...... کیسا لگا آپ کو؟‘‘

’’یہ بات تم سلمیٰ سے پوچھو، میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ کہاں جا رہا ہوں۔‘‘

’’کیوں باجی! کیسی لگی میری شرارت اور سرپرائز......؟‘‘

’’تم اگر بتا دیتیں تو بھی ٹھیک ہوتا۔ اس میں چھپانے والی کون سی بات تھی کہ ان کی خالہ کا گھر ہے۔ انہیں نہ اجازت کی ضرورت ہے نہ کسی سرپرائز کی......!‘‘

’’باجی آپ گڑبڑ کر رہی ہیں اور یہ میں آپ کو نہیں کرنے دوں گی۔‘‘

امی بھی آکر بیٹھ گئیں۔

’’ارسلہ نے بتایا ہی نہ تھا کہ تم کراچی آگئے ہو اور سب وہیں ہیں۔‘‘

’’چھوٹی خالہ میں ہاسٹل میں ہوں۔ باقی سب وہیں ہیں۔ وہ لوگ یہاں کس طرح آسکتے ہیں۔ میری تو ملازمت ہے۔‘‘

’’ارے تو کیا ہاسٹل میں رہو گے بے یار و مددگار؟‘‘ امی نے کہا۔

’’چھوٹی خالہ ہاسٹل میں ہر طرح کا آرام ہے۔ ویسے گھر کیلئے اپلائی کر دیا ہے۔ جب

خالی ہوگا تو الاٹ ہو جائے گا۔‘‘

امی کو اپنے بھانجے کے آنے کی خوشی تھی۔ وہ دیر تک اپنی بہن اور بھانجی کی خیریت دریافت کرتی رہیں۔ ہاں عابد کی شادی کی بات البتہ ٹال گئیں۔ آج کھانے کی میز پر خوب رونق تھی۔

سلمیٰ کے ہاتھ کے بنے ہوئے کباب عابد نے شوق سے کھائے اور خوب تعریف کی۔

کئی طرح کے کھانے تھے اور بے حد لذیذ...... خوب دیر تک باتیں ہوئیں۔ ارسلہ نے چائے بھی بنائی۔

رات کے گیارہ بجے عابد نے اجازت چاہی اور آئندہ بھی آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگئے۔

❀ ❀ ❀

رافع نے چائے کے ساتھ کینٹین سے کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی منگوالی تھیں۔

’’لو علی، کھاؤ گرما گرم سموسے۔ تمہاری وجہ ہی سے منگوائے ہیں کیونکہ سموسے تم شوق سے کھاتے ہو۔‘‘ رافع نے کہا۔

علی نے صرف چائے کی پیالی تھام لی اور کہا۔

’’نہیں یار، اس وقت تو میں صرف چائے پیوں گا۔ کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہے۔‘‘

’’وہ کیوں...... ایسی کیا بات ہوگئی؟‘‘

’’دراصل کل ڈنر پر چلا گیا تھا۔ بہت کھا لیا رات اس لئے احتیاط لازم ہے۔‘‘

’’اچھا کس جگہ تھا ڈنر؟‘‘

’’ارسلہ کے گھر، وہ میری کزن ہے یار میں نے تذکرہ نہیں کیا۔ دراصل کئی ماہ ہوگئے کراچی آئے ہوئے اور میں اس کے گھر نہ جاسکا اور اب تو وہ بہت اصرار کر رہی تھی۔ اس نے رات کے کھانے پر انوائٹ کیا۔ میں صرف خالو کے انتقال پر کراچی آیا تھا اس کے بعد کل گیا ہوں۔‘‘

’’اچھا تو یہ بات ہے۔‘‘ رافع نے کہا۔ ’’خوب خاطر مدارت ہوئی ہوگی۔‘‘

’’بہت زیادہ...... ارسلہ کے گھر کا کھانا بہت مزیدار ہوتا ہے۔‘‘ علی نے کہا۔ ’’پھر ان لوگوں کی دلچسپ باتیں۔ رات کے گیارہ بج گئے۔ یونیورسٹی پہنچا ہوں تو پونے بارہ ہو رہے

تھے۔"

رافع کو وہ دن یاد آ گیا جب انہوں نے ارسلہ کے گھر کھانا کھایا تھا۔ واقعی بے حد لذیذ اور اچھا کھانا تھا۔

"تو آپ کو ارسلہ نے کوئی غزل نہیں سنائی؟" رافع نے کریدنے کے لئے پوچھا۔

"سنائی تھی۔ غزل بھی نظم بھی، اس لئے تو رات کے گیارہ بج گئے تھے۔"

"کیسی تھی نظم؟"

"بہت اچھی، یار مجھے تو پتا ہی نہیں تھا اس لڑکی کے ٹیلنٹ کا، تم ٹھیک کہتے تھے یہ اچھی شاعری کرتی ہے۔ اس سے قبل میں نے اس کی کوئی نظم نہ پڑھی تھی۔"

"آواز بھی بہت اچھی ہے۔" رافع نے کہا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ یہ تمہیں معلوم ہوگا۔" علی نے مسکرا کر رافع کو دیکھا مگر رافع جواب میں مسکرا نہ سکے۔ وہ نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔

علی اٹھ کر چلے گئے مگر رافع کے پاس سوچنے کیلئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔

نہ جانے کیا بات تھی، جس دن سے رافع نے یہ سنا تھا کہ ارسلہ نے علی کی دعوت کی تھی اور نظمیں وغیرہ سنائی تھیں وہ چپ سے ہو گئے تھے۔

رافع ہفتے میں ایک کلاس ارسلہ کی لیتے تھے مگر ان کے درمیان اجنبیت بڑھ رہی تھی۔

"کہاں پچھلا سال جب وہ دونوں ہر وقت ہر لمحہ ساتھ نظر آتے تھے۔ کہاں اب...... اب تو شاید ارسلہ انہیں بھول چکی ہے علی جو آ گئے ہیں۔ علی تو اس کے کزن بھی ہیں۔ علی تو کوالیفائڈ، اپنا کیریئر بنا چکے ہیں اور میں، میری منزل ابھی بہت دور ہے۔" یہ ان کی اپنی سوچ تھی۔

ارسلہ نے محسوس کر لیا تھا کہ رافع اس سے کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں مگر وہ ناراضی کی وجہ جاننے سے قاصر تھی...... اور وہ خود اپنے دل کا حال کسی پر واضح کرنا نہیں چاہتی تھی۔ سعدیہ پر بھی نہیں۔

رافع کی بے شمار باتیں، یادیں اس کے ذہن میں چکر لگاتیں۔ وہ ہر خیال کی جھٹک دیتی اور سارا دھیان اپنی پڑھائی کی طرف کر لیتی مگر اس کی پڑھائی ٹھیک سے ہو نہیں پا رہی تھی وہ جانتی تھی اس سال اپنی پوزیشن قائم نہیں رکھ سکے گی۔ اس کے گھریلو حالات ناگفتہ بہ تھے۔ ابو

کی وفات، باجی کی شادی کا مسئلہ اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کے ہاتھوں مجبور و بے بس امی...... ہر خرچہ لازمی تھا۔ ضروری تھا، کس چیز کو بند کیا جاتا۔

مجبوراً ارسلہ نے ایک چھوٹے بچے کا ٹیوشن کر لیا تھا۔ بچہ کلاس ون میں پڑھتا تھا...... اور امیر ماں باپ کا بچہ تھا۔ تین ہزار روپے ماہوار ٹیوشن کے مل جاتے تھے مگر ارسلہ کا بہت وقت ضائع ہو جاتا تھا۔ بچے کو ہوم ورک کرواتا، سبق یاد کرواتا، اس کا سر درد کرنے لگتا تھا۔

نتیجہ یہی تھا کہ وہ اپنے امتحان کی تیاری ٹھیک سے نہیں کر پا رہی تھی مگر یہ اس کی مجبوری تھی۔ اسے کسی نہ کسی طرح ڈوبتی نیا کو پار لگانا تھا۔

رافع کے پرچے کا ٹیسٹ ہونے والا تھا سمسٹر کے امتحان سے قبل رافع ایک ٹیسٹ ضرور لیتے تھے تاکہ اسٹوڈنٹ کی تعلیمی حالت کا اندازہ کر سکیں۔ سب ہی طالب علم بھرپور تیاری کر رہے تھے۔

ارسلہ اس ٹیسٹ کیلئے کچھ زیادہ تیاری نہیں کر سکی تھی۔

ٹیسٹ ہوا...... اور اس کے نمبر بہت کم آئے۔

رافع نے حیرت سے ارسلہ کے پرچے کو دیکھا۔

اس کے اتنے خراب رزلٹ کی انہیں امید نہ تھی۔

رافع نے ایمانداری سے نمبر دیئے اور کاپیاں کلاس میں سب کو واپس کیں۔

"اگرچہ اس ٹیسٹ کا تعلق آپ کے امتحان سے نہیں ہے پھر بھی مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کس حد تک تیاری کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ فائنل میں اس سے بہتر پرچہ کریں گے۔ میں اپنے تمام اسٹوڈنٹ کو اے ون دیکھنا چاہتا ہوں۔" رافع نے کلاس میں کہا۔ پھر ارسلہ سے کہا۔

"مس ارسلہ اس بار آپ نے محنت نہیں کی مگر مجھے امید ہے آپ امتحان میں بہت اچھے نمبر لیں گی۔"

ارسلہ نے کچھ نہیں کہا۔

اس نے اپنی کاپی کھول کر دیکھی۔ سر نے بالکل درست نمبر دیئے تھے۔ ظاہر ہے اس کا پرچہ اچھا نہیں ہوا تھا۔ زیادہ نمبر کیسے آ سکتے تھے۔

رافع کے جانے کے بعد شہاب احمد نے ارسلہ سے بات کی تھی۔

''آپ کو کیا ہوا ارسلہ، اتنے کم نمبر؟''

''بس میں تیاری نہیں کر سکی۔ آپ کو ہایسٹ نمبر کی مبارکباد۔''

''سالانہ میں آپ تیاری کر کے ہایسٹ مارکس لیں گی۔''

''کوشش کروں گی۔''

وہ مسکرائی اور اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

❀ ❀ ❀

نگی کو جب بھی موقع ملتا وہ کسی نہ کسی بہانے رافع کے کمرے میں پہنچ جاتی اور دیر تک گپ شپ کرتی۔

یونیورسٹی میں ہونے والے ایک فنکشن کی تصاویر اس کے پاس تھیں۔ ان تصاویر کا لفافہ لے کر وہ رافع کو دکھانے ان کے کمرے میں پہنچ گئی۔

تصویریں دکھانے کا تو بہانا تھا۔ دراصل وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔

رافع ایک ایک کر کے تصویریں دیکھ رہے تھے کہ وہ بول پڑی۔

''رافع صاحب! آپ نے کچھ اچھا نہیں کیا......؟''

''کس معاملے میں؟'' وہ چونک گئے۔

''نمبر دینے کے معاملے میں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''سنا ہے آپ کے ٹیسٹ میں......جس کی کاپیاں آپ نے کل دی تھیں۔ ارسلہ کے نمبر بہت کم آئے ہیں اور وہ کہہ رہی تھی کہ آپ نے جان بوجھ کر نمبر کم دیئے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمیشہ فرسٹ آتی ہے۔ سر، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔''

رافع کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''آپ کو کس طرح پتا چلی یہ بات......؟''

''عندلیب کہہ رہی تھی۔ میری کزن ہے۔ ارسلہ کی کلاس میں پڑھتی ہے۔ سر، ارسلہ کو اس طرح نہیں کہنا چاہئے تھا۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔ کیا واقعی اُرسلہ نے ایسا کہا ہے؟''

وہ کچے کانوں کے انسان تھے۔ جو نگی نے کہا سچ سمجھ بیٹھے۔

''بھئی، میں نے تو وہ بات کہی ہے جو مجھے عندلیب نے بتائی......ورنہ مجھے کہاں پتا ہوتا ارسلہ کے نمبر کم آئے یا زیادہ۔''

''ٹھیک ہے میں نے سن لی ہے آپ کی بات۔''

اس کے بعد نگی وہاں رکی نہیں۔ اس کا کام ہو گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

''سعدیہ پلیز تم یہ نوٹس اتار لو......میں ابھی آتی ہوں پندرہ منٹ میں سر رافع کے پاس جا رہی ہوں۔ پرابلم ڈسکس کرنے۔''

''او کے، جلدی آنا۔ دیر نہ لگا دینا۔''

''ہاں بھئی، ابھی آتی ہوں......بس دس منٹ میں۔''

وہ کتاب کاپی اٹھا کر رافع کے کمرے کی طرف چل دی۔

دروازے پر ناک کیا۔

''یس کم ان۔''

وہ اندر داخل ہو گئی۔

رافع نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''سر اگر آپ کے پاس وقت ہو تو میں کچھ سمجھنا چاہ رہی ہوں......؟''

''میں مصروف ہوں۔ آپ کسی اور سے پوچھ سکتی ہیں۔'' انہوں نے سرد مہری سے کہا۔

ارسلہ نے حیرت سے رافع کی طرف دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں لاتعلقی کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''

''جی نہیں......میرے دل میں آپ کا کوئی خیال نہیں اور ہاں مس ارسلہ! میں ایک بات آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ میں اصولوں پر سمجھوتا نہیں کرتا۔ میں ایک استاد ہوں اور اپنے فرائض پہچانتا ہوں اور یہ بھی کہ میں نے ہمیشہ ایمانداری سے نمبر دیئے ہیں۔ میں کام دیکھ کر نمبر دیتا ہوں۔ کسی کی شکل یا نام دیکھ کر نہیں۔'' ان کے لہجے میں برہمی تھی اور وہ الفاظ چبا چبا کر بول رہے تھے۔

ارسلہ کیلئے یہ لہجہ اجنبی تھا۔

"لیکن یہ سب آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ آپ نے یہ مشہور کیا ہے کہ میں نے آپ کو ٹیسٹ میں کم نمبر دیئے۔ میں اتنی گری ہوئی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"لیکن میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔" رافع کے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر وہ حیران رہ گئی۔

"جھوٹ مت بولیں ارسلہ! مجھے آپ کی ہر بات کا علم ہے۔ اس بات کا بھی کہ آپ نے علی کی دعوت کی۔ انہیں اپنی نظمیں سنائیں، غزلیں سنائیں۔ کون سی بات مجھ سے چھپ سکتی ہے۔ علی کے ساتھ آپ کی انوالمنٹ ...... میں سب کچھ جانتا ہوں۔"

رافع کے منہ سے اتنی غیر متوقع بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر وہ پی گئی۔ حلق خشک ہو گیا۔ کچھ بولنا چاہا بولا نہ گیا پھر بھی وہ کہہ اٹھی۔

"علی میرے بھائی ہیں۔ آپ یہ بات نہیں جانتے۔"

"سب جانتا ہوں۔ کزن ہیں آپ کے ...... اور یاد رکھیں بھائی صرف وہی ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔"

پھر اچانک رافع کا لہجہ سوگوار ہو گیا۔

"آپ کو میں کیا سمجھا تھا۔ آپ کیا نکلیں۔ آپ کچھ بھی کہیں، کوئی بھی دلیل دیں۔ میرے دل میں اپنا کھویا ہوا مقام بحال نہیں کر سکتیں۔"

"رافع آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں آپ کس کی زبان بول رہے ہیں مگر میں کسی کا نام لینا نہیں چاہتی۔ میں نے بھی آپ کو غلط سمجھا تھا۔ بہت اونچے مقام پر بٹھایا تھا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی آپ ایک دن یوں میری بے عزتی کریں گے۔ اچھا ہی ہوا...... بہت جلد سب کچھ میرے سامنے آ گیا۔ اب میرے دل میں آپ کیلئے کچھ بھی نہیں۔"

"میرے لیے یہ ایک اچھی خبر ہے۔" رافع نے غصے سے کہا۔

"اب میں جا رہی ہوں۔ اس عہد کے ساتھ کہ آپ کے کمرے میں اب کبھی نہیں آؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تیزی سے لوٹ آئی۔

سعدیہ اسی طرح نوٹس اتارنے میں منہمک تھی۔

"کیوں ہو گیا کام؟" اس نے نظریں اٹھائے بغیر سوال کیا۔

جواب میں ارسلہ کچھ نہ بولی تو سعدیہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"ارے یہ تمہیں کیا ہوا؟ سر رافع نے کچھ کہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے پلیز مجھے بتاؤ؟" سعدیہ نے کتاب بند کر دی۔ اس وقت سیمینار میں کوئی اور نہ تھا۔ ماسوا دو لڑکیوں کے جو دوسرے کنارے پر بیٹھی اپنا کام کر رہی تھیں۔

"سعدیہ اس وقت میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکوں گی۔ میرے سر میں درد ہے۔ پلیز کہیں سے سر درد کی گولی لا دو یا پھر کوئی دوا۔ میری نروز (nerves) بیکار ہو رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ کسی اور وقت بتا دینا مگر پلیز تم ریلیکس ہو جاؤ اور چھوٹی موٹی باتوں کا اثر نہ لیا کرو۔" سعدیہ نے اپنی بوتل سے پانی نکالا اور اسے زبردستی پلایا۔

بعض اوقات غم اتنا شدید ہوتا ہے کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔ انسان رونا چاہتا ہے رو نہیں سکتا۔

"سعدیہ میں گھر جا رہی ہوں۔ مجھے دو پیریڈ چھوڑنے پڑیں گے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"لیکن پوائنٹ تو اپنے وقت پر ہی چلے گا۔"

"میں پبلک بس سے چلی جاؤں گی۔"

"اچھا آؤ، میں تمہیں شٹل تک چھوڑ آؤں۔"

کراچی یونیورسٹی اتنی بڑی ہے کہ ایک ڈیپارٹمنٹ سے دوسرے ڈیپارٹمنٹ جانا ہو تو پیدل نہیں جایا جا سکتا یا گیٹ تک جانا ہو تو بھی پیدل جانا ناممکن ...... اندر ایک ڈیپارٹمنٹ سے دوسرے ڈیپارٹمنٹ یا پھر گیٹ تک جانے کیلئے شٹل چلتی ہے تو اسی پر سفر کرتے ہیں۔ جلد ہی ارسلہ کو شٹل مل گئی۔ سعدیہ نے اسے خدا حافظ کہا۔

❀ ❀ ❀

گھر آ کر وہ بے سدھ ہو کر بستر پر پڑ گئی۔

ابھی تک سلمٰی اسکول سے نہیں آئی تھیں۔ امی نے جلد آنے کی وجہ پوچھی مگر وہ کچھ نہ بولی۔

"اچھا تو کھانا کھالو۔"

"باجی کے ساتھ کھالوں گی۔ میرے سر میں درد ہے۔" یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کر کے لیٹ گئی۔

آج کے واقعات کے بارے میں جس قدر سوچتی اس کا ذہن ماؤف ہونے لگتا...... یقین نہ آتا رافع ایسا کہہ سکتے ہیں؟

"کیا وہ مجھے بری لڑکی سمجھتے ہیں؟ انہوں نے میرے کردار پر اٹیک کیا ہے۔ اگر عابد بھائی میرے خالہ زاد نہ بھی ہوتے اور صرف استاد ہی ہوتے تو بھی کیا وہ میرے گھر نہیں آسکتے تھے۔ کھانا نہیں کھا سکتے تھے؟ اور اگر میں نے انہیں اپنی نظمیں سنائیں تو کیا برا کیا......؟" اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔

"مجھ سے کیا غلطی ہوئی؟ اور وہ خود جو نگی کے گھر پہنچے تھے بن ٹھن کے...... وہ انہیں کیوں نہ یاد رہا...... نگی سے ان کا کیا رشتہ تھا......؟ وہ بھی تو شاگرد تھی ان کی...... لیکن کوئی بھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا نہیں چاہتا۔ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ شکی مزاج، فریبی، ہلکی سوچ رکھنے والے۔ رافع ایسے نہیں تھے۔ ان کا دماغ پھیرنے والی نگی ہے میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں۔"

گزرے ہوئے دنوں کی باتیں ذہن میں آرہی تھیں۔ وہ برستی بارش، گرج چمک اور تیز ہوا، گہرے سیاہ بادل جب رافع نے اسے سہارا دیا تھا۔ اسے حفاظت کے ساتھ اس کے گھر پہنچایا تھا۔ اس کے گھر بیٹھ کر کھانا بھی کھایا تھا۔ ابو سے باتیں کی تھیں۔ کتنے اچھے دن تھے کوئی دن بھی ایسا نہ تھا جب رافع نے اسے سراہا نہ ہو۔ کتنی قدر کرتے تھے وہ...... اور اس سال بھی ابو کی وفات کا کس طرح پرسا دیا تھا...... کتنی باتیں کی تھیں۔

جب وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے آنسو بہا رہی تھی تو رافع نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لئے تھے اور پھر کہا تھا۔

"اب آپ آنسو نہیں بہائیں گی۔" لیکن اب رافع بدل چکے ہیں۔ نگی کا بھوت ان کے سر پر سوار ہے۔ میں سب جانتی ہوں۔ سب کچھ سمجھتی ہوں۔ دراصل وہ اپنی زندگی سے مجھے

نکالنا چاہتے تھے تو عابد بھائی کا بہانہ ہاتھ آگیا۔ اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ کچھ نہ کہتے۔ کوئی الزام نہ لگاتے۔ بس ایک جملہ کہہ دیتے۔ میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا بس پھر میں کبھی ان کے پاس نہ جاتی...... اور اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ میں ان کے کمرے میں اب کبھی بھی نہیں جاؤں گی۔ اور یہ بھی اچھا ہوا۔ میں نے خود ہی یہ بات کہہ دی کہ اب میرے دل میں آپ کیلئے کچھ بھی نہیں...... کوئی مرد یہ بات برداشت نہیں کرسکتا کہ اسے اس طرح ریجیکٹ کر دیا جائے۔ مجھ جیسی معمولی لڑکی، رافع جیسے ہینڈسم بندے کو ریجیکٹ کر دے۔ یہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا۔ ان کا غصہ بجا وہ اپنی تذلیل برداشت نہیں کرسکتے مگر میں بھی کوئی گری پڑی نہیں ہوں۔ میں انہیں سو بار ریجیکٹ کردوں گی۔ آج وہ میرے دل سے سچ مچ نکل گئے۔ ہمیشہ کیلئے۔

سلمٰی اسکول سے واپس آئیں تو خلاف معمول ارسلہ کو گھر میں دیکھا۔

"ارسلہ، خیریت تو ہے...... آج تم جلدی آگئیں؟"

ارسلہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"باجی میری طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ اس لئے میں چلی آئی۔ سر درد سے پھٹ رہا ہے۔"

"اچھا اٹھو، کچھ کھالو تو درد کی ٹیبلٹ لے لینا۔"

"مجھ سے کچھ نہیں کھایا جائے گا۔"

"بیکار بات مت کرو۔ اٹھو جلدی، امی کھانا نکال رہی ہیں۔ چلو اٹھو جلدی، مجھے بھوک لگی ہے اور اگر تم نہیں کھاؤ گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گی۔" ارسلہ اٹھ گئی۔

اپنے دل کا درد سمیٹے کھانے کی میز پر آگئی۔ سامنے والی کرسی پر ابو بیٹھا کرتے تھے...... وہ خالی تھی۔ آج اسے اچانک ابو یاد آگئے...... اور پھر اس کے آنسو بہہ نکلے۔

"ارے، ہوا کیا ہے...... کچھ بولو گی بھی......!" امی نے پریشان ہو کر کہا۔

"ارسلہ بتاؤ کیا ہوا تمہیں، کیا کسی سے جھگڑا ہوگیا......؟"

سلمٰی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ارسلہ کے آنسو بہے تو پھر جیسے بند کھل گیا۔

"مجھے ابو یاد آرہے ہیں۔ امی، ابو کیوں چلے گئے۔ اتنی جلدی میں اکیلی ہوگئی ہوں

امی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

امی کی آنکھوں سے بھی اشک رواں ہو گئے۔

سلمٰی نے کسی نہ کسی طرح اسے چپ کروایا۔

رو لینے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ غبار ڈھل جاتا ہے اگر اس وقت وہ دل بھر کر نہ رو لیتی تو ضرور اسے کچھ ہو جاتا۔

وہ غسل خانے میں گئی اور ہاتھ منہ دھو کر آ گئی۔

اب تینوں خاموش تھیں اور آہستہ آہستہ نوالے حلق سے اتار رہی تھیں۔

دوسرے دن وہ یونیورسٹی نہیں گئی۔ آج رافع کا پیریڈ تھا اور وہ فوری طور پر ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایک دن گھر بیٹھ کر آرام کرنے سے اس کی طبیعت نارمل ہو گئی تھی۔ سلمٰی نے اپنے طور پر کریدنے کی کوشش کی مگر وہ کوئی بات نہ بتا سکی۔ اس کے پاس بتانے کیلئے تھا بھی کیا۔

اگلے روز یونیورسٹی پہنچی تو سعدیہ نے فوراً ہی پوچھا۔

''تم کل کیوں نہیں آئیں۔ میں تمہارے لئے پریشان تھی۔''

''میری طبیعت خراب تھی۔ ایک دن آرام کیا تو ٹھیک ہو گئی۔''

''کوئی بات ہو گئی تھی؟''

''ہاں، رافع صاحب سے جھڑپ ہو گئی تھی۔''

''مگر وجہ کیا ہوئی؟''

اس نے صرف اسی قدر بتایا کہ کسی نے ان سے اس کی طرف سے غلط بیانی کی ہے کہ انہوں نے اسے نمبر کم دیئے۔ وہ ناراض ہو رہے تھے تو پھر اس نے بھی کچھ جواب دے دیا۔ بات بڑھ گئی تو وہ ان کے کمرے سے چلی آئی یہ کہہ کر اب کبھی ان کے کمرے میں نہیں جائے گی۔ مگر اس نے عابد بھائی کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ اس الزام کا ذکر نہ کیا جو رافع نے اس پر لگائے تھے۔

''چھوڑو اس فضول بات کو۔ یہ سب نگہت آرا کا کیا دھرا ہے۔ وہی بیٹھی رہتی ہے ہر وقت ان کے کمرے میں...... اور ویسے بھی اب رافع سر جا رہے ہیں۔ ان کا ویزا آ گیا ہے۔''

''اچھا کب جا رہے ہیں؟''

''شاید، دو ہفتے بعد، ہمارے تو امتحان ہو رہے ہوں گے۔''

''یہ اچھی خبر ہے، بے چاری نگی...... کیا کرے گی ان کے بغیر......؟''

''تمہارے ذہن پر بھی اب نگی سوار رہنے لگی ہے۔ آئندہ میں اس لڑکی کا کوئی ذکر نہ سنوں تمہارے منہ سے''

''او کے، او کے،'' ارسلہ نے مسکرا کر کہا تو سعدیہ بھی ہنس دی۔

❀ ❀ ❀

رافع کے جانے کے سلسلے میں علی نے ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ اس میں صرف چند لوگ ہی مدعو تھے۔ علی کے کمرے میں ہی میز پر کھانے کی اشیاء اور چائے کا اہتمام تھا اور کمرے میں چاروں طرف برابر برابر کرسیاں رکھ دی گئی تھیں اسٹاف میں سے صرف دو جونیئرز کو بلایا تھا۔ کچھ سینئر اسٹوڈنٹس اور ڈیپارٹمنٹ کا وی پی جی ایس اور جوائنٹ سیکرٹری تھے۔ اس سال شہاب احمد نے جی ایس کی پوسٹ سنبھالی ہوئی تھی اس وجہ سے وہ تو تھا ہی اور ارسلہ کا ہونا لازمی تھا کیونکہ یہ پارٹی علی دے رہے تھے۔

ارسلہ کو بادل ناخواستہ اس پارٹی میں شرکت کرنا ہی پڑی اگرچہ رافع سے ناراضی برقرار تھی۔

علی سے پوچھ کر وہ سعدیہ کو بھی اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

پارٹی کا انتظام شہاب احمد نے کیا تھا اور اس کا فیصلہ تھا کہ پارٹی کے بعد ایک سٹنگ ہوگی اور تمام موجود لوگوں سے کچھ نہ کچھ ضرور سنا جائے گا۔

چنانچہ محفل جم گئی۔

جو اساتذہ موجود تھے انہوں نے لطائف سنائے۔ رافع نے کچھ اچھے اشعار سنائے اور پھر ارسلہ کی باری آ گئی۔

وہ شاعرہ تھی اور اچھی آواز کی مالک۔

ناممکن تھا کہ اس سے ترنم کے ساتھ کوئی تازہ غزل نہ سنی جاتی۔

''ارسلہ تحت اللفظ نہیں چلے گا۔'' علی نے کہا۔ ''میں نے تمہاری آواز کی بہت تعریف کی ہے۔ میں بھی سننا چاہتا ہوں۔'' ارسلہ کا موڈ نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی تازہ غزل جو اس نے اب ہی کل ہی لکھی تھی۔ رافع کے سامنے بیٹھ کر سنائے بلکہ وہ رافع کو کچھ بھی سنانا نہ

چاہتی تھی مگر اسے سنانا پڑا۔ سب کی فرمائش پوری کرنی پڑی۔ رافع خاموش تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ارسلہ اور ان کے بیچ ایک دیوار حائل ہو چکی ہے اور وہ دیوار شاید کبھی نہ گر سکے۔

سب خاموش تھے۔ ارسلہ کی آواز کے منتظر۔

اور پھر اس کی کوئل کی کوک جیسی آواز نکلی۔ اور نغمہ بن کر پورے ماحول پر چھا گئی۔

”بہت کچھ بھول جانے کی میری عادت پرانی ہے
تمہیں بھی بھول جاؤں گی کسی دن دیکھ لینا تم
یہ مت سمجھو کہ تم دل میں بسے ہو اور سمائے ہو
غلط کہتے ہو تم کو بھول جانا ہے بہت مشکل
میں خود کو آزما لوں گی کسی دن دیکھ لینا تم
میری آہیں میرے نالے تمہیں کیوں آزماتے ہیں
میں کھل کر مسکرا لوں گی کسی دن دیکھ لینا تم
تمہاری کج ادائی کا تمہاری بے وفائی کا
جشن ایک دن مناؤں گی کسی دن دیکھ لینا تم“

وہ خاموش ہو گئی تو سب نے تالیاں بجائیں۔

مگر ماحول پر افسردگی طاری ہو گئی تھی۔

اس کی آواز میں درد تھا...... اور اس کے اپنے حالات سے مطابقت رکھتا ہوا کلام...... وہ ڈوب کر گا رہی تھی۔

کوئی سمجھتا یا نہ سمجھتا رافع کے دل پر ضرب پڑ رہی تھی۔

وہ جانتے تھے ارسلہ نے جو کچھ کہا ہے اس کے دل کی آواز ہے۔

ارسلہ کی گائیکی کے بعد محفل برخاست ہو گئی۔

❀ ❀ ❀

اگرچہ اس چھوٹی سی تقریب میں نگی شامل نہیں تھی پھر بھی اسے پوری روداد معلوم ہو چکی تھی کیونکہ وی پی لڑکا فائنل کا تھا۔ اس نے ارسلہ کی تعریف میں بہت کہا جسے سن کر نگی اندر ہی اندر جل بھن کر کباب ہو گئی۔ وہ جانتی تھی ارسلہ میں بے پناہ صلاحیتیں ہیں اور یہ بھی کہ رافع اس لڑکی کا دل سے معترف تھا۔ ہاں اسے تازہ جھگڑے کا علم نہ تھا جو خود اس کی وجہ سے عمل

میں آیا تھا۔

مگر وہ بے حد خود اعتماد لڑکی تھی۔ اسے اپنی چالاکیوں اور حکمت عملیوں پر بھی پورا بھروسا تھا اور اب یہ تعلیم سے بھی فارغ ہونے والی تھی۔ اس کا پلڑا بظاہر ارسلہ سے بھاری تھا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے گھر پر رافع کی پارٹی کا انتظام کیا۔ یہ الوداعی پارٹی تھی۔

اور اس پارٹی میں کسی کو بھی شریک نہیں کیا گیا تھا۔

اس نے رافع کو تحفے میں دینے کیلئے ایک خوبصورت پارکر پین بھی خریدا اس کی بھابی نے ایک اچھا پرفیوم لیا۔

ایک بار پھر رافع اپنی پوری سج دھج کے ساتھ نگی کے گھر میں موجود تھے۔

نگی کی بھابی نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کے گھر میں ان کی اس قدر تواضع ہوئی کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

”رافع صاحب آپ امریکا جا کر ہم لوگوں کو بھول نہ جایئے گا۔“ بھابی نے کہا۔

”میں رابطہ رکھوں گا۔“ رافع نے کہا۔

”اب آپ نگی کے لئے کوئی مشورہ دیں۔ ایم اے کے بعد اسے کیا کرنا چاہیے۔“ بھابی بہت سنجیدگی سے رافع کی رائے پوچھ رہی تھیں۔

”یہ خود ان کی خواہش پر منحصر ہے۔“

”پھر بھی کچھ تو کہیں۔“

”کیوں نگہت، آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟“ رافع نے سامنے بیٹھی نگی سے سوال کیا۔

”سر! میرا تو بینک جوائن کرنے کا ارادہ ہے۔“

”تو بس پھر ٹھیک ہے۔ یہ اچھی لائن ہے۔“

”آپ بھی تو کچھ رائے دیں۔“

”دے تو رہا ہوں رائے...... اگر آپ کو پڑھانے میں دلچسپی ہو تو یہ بھی اچھی بات ہے۔“

”مجھے پڑھانے سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں آفس جاب چاہتی ہوں۔“

کافی دیر تک رافع بیٹھے۔ پھر اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

نگی اور اس کی بھابی نے تحائف دیے جو رافع نے شکریہ کے ساتھ قبول کیے۔ نگی کی

امی، بھائی، اور والد بھی رافع کو پسند کرتے تھے انہوں نے دعاؤں کے ساتھ رافع کو رخصت کیا۔

رافع پابندی سے یونیورسٹی آ رہے تھے۔ کلاس بھی لے رہے تھے مگر ارسلہ کا رویہ بدستور تھا۔ وہ رافع سے بات نہیں کرتی تھی۔ ان دنوں لڑکے اور لڑکیاں، اپنے اپنے پرابلم سمجھنے اکثر ان کے پاس جاتے مگر ارسلہ ان کے درمیان نہ ہوتی۔

رافع محسوس کرتے تھے سب کچھ سمجھتے تھے ارسلہ کے روّیے نے انہیں اندر سے تھوڑا تھوڑا ڈسٹرب کر دیا تھا۔ نگی کی بے پناہ نوازشیں بھی اس دکھ کو دور نہ کر پائیں۔

نہ جانے کیوں وہ چاہتے تھے کہ ارسلہ ان کے پاس آئے۔ انہیں الوداع کہے۔ اپنے جھگڑے کی تلافی کرے۔ آخر کو وہ استاد تھے اور وہ ان کی شاگرد مگر ارسلہ نے ایسی لاتعلقی اختیار کی' جیسے ان سے کبھی واقفیت ہی نہ ہو۔

اور تب ایک دن وہ علی کے کمرے میں مل گئی۔ علی سے باتیں کرتی ہوئی۔ ہنستی ہوئی، مسکراتی ہوئی۔ رافع کے دل میں کچھ ٹوٹ سا گیا۔

"واقعی وہ علی کے قریب ہے اور شاید ان سے محبت کرتی ہے۔ اس کے چہرے کی جوت بتاتی ہے۔"

رافع کو اچانک کمرے میں آتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

اس کی ہنسی کو بریک لگ گیا تھا۔

"آؤ بھئی بیٹھو۔ تمہاری سیٹ کب ہو گی؟"

"جی ہاں...... اگلے ہفتے جا رہا ہوں۔"

"سب تیاری مکمل ہے؟"

"تیاری تو کر چکا ہوں۔ بس جانا ہی جانا ہے۔ یونیورسٹی میں کل اور آؤں گا بس پھر سب سے خدا حافظ۔"

"بھئی بھول نہ جانا سب کو۔ فون ضرور کرنا۔" علی نے کہا۔

"میری عادت نہیں ہے بھول جانے کی۔" انہوں نے ارسلہ پر چوٹ کی۔

علی سمجھ نہ سکے انہوں نے ان کے جملے پر غور نہیں کیا مگر ارسلہ سمجھ گئی۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ رافع پر ڈالی۔ پھر نظریں دوسری جانب کر لیں۔

اسے علی کے کمرے میں بیٹھنا اب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اچھا علی صاحب میں چلتی ہوں، آپ لوگ باتیں کریں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ارسلہ نے کل نہیں آنا تھا اس کی کوئی خاص کلاس نہیں تھی جبکہ رافع کو صرف کل ہی اور آنا تھا۔ گویا یہ آخری دن تھا۔ ارسلہ نے اخلاق طور پر انہیں خدا حافظ کرنا ضروری خیال کیا۔

"اچھا سر! خدا حافظ۔ میرے خیال میں، یہ ہم لوگوں کی آخری ملاقات ہے کیونکہ میں کل نہیں آؤں گی۔"

"خدا حافظ، ہاں آپ علی کا خیال رکھیے گا۔ علی بہت اچھے انسان ہیں۔"

"تھینک یو، فار یور انفارمیشن، یہ بات مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ علی صاحب اور میں ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے آپ بے فکر ہو کر جائیں۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

رافع نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ جا چکی تھی۔

"کیا یہ رک نہیں سکتی تھی۔ چاہتی تو تھوڑی دیر علی کے کمرے میں بیٹھ سکتی تھی۔ کوئی بات ہی کر لیتی۔ کتنا وقت گزارا تھا ہم دونوں نے ایک ساتھ ...... مگر وہ سب کچھ بھلا بیٹھی ہے۔ اسے میرا کوئی خیال نہیں۔ اور یہ بات وہ کہہ بھی چکی ہے۔ مگر میں یہ سب کچھ کیوں سوچ رہا ہوں اگر وہ علی کو پسند کرتی ہے تو اس کا کزن بھی ہے تو میں کیوں پریشان ہوں۔ ہر ایک کو اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے۔"

وہ میز پر آڑھی ترچھی لائنیں انگلی سے بنا رہے تھے اور سوچے جا رہے تھے۔

علی نے انہیں غور سے دیکھا۔ وہ کوئی بات نہ سمجھ سکے۔

انہیں تو سرے سے کسی بات کا علم ہی نہ تھا۔ نہ وہ ان کے تعلق سے واقف تھے نہ ہی جھگڑے سے۔

"کیا سوچ رہے ہو رافع ...... اداس ہو رہے ہو؟"

رافع مسکرا اٹھے ...... پھیکی سی مسکراہٹ۔

"اثر تو ہوتا ہی ہے جدائی کا ......؟"

"کم آن یار، تم پڑھنے جا رہے ہو۔ آج کل انٹرنیٹ کا زمانہ ہے، فون بھی اتنا سستا ہو گیا

ہے کہ کسی بھی وقت کال کرنا مشکل نہیں۔ تم ہر وقت ہر ایک سے کانٹیکٹ میں رہ سکتے ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

ابھی یہ بات چیت کر ہی رہے تھے کہ کچھ دوسرے لوگ بھی آ گئے۔ اب گفتگو کا موضوع تبدیل ہو گیا اور سمسٹر کے امتحانات کی بات ہونے لگی۔

❀ ❀ ❀

"سلمٰی ذرا پتا تو کرو ننھی خالہ کے بارے میں۔ کافی دنوں سے نہیں آئیں۔" امی نے کہا۔ "ہوسکتا ہے بیمار ہوں۔ وہ تو دو تین دن بعد میرے پاس ضرور آتی ہیں۔"

"میں ابھی فون کرتی ہوں۔" سلمٰی نے فون کیا تو پتا چلا ننھی خالہ کئی دن سے بیمار ہیں۔ موسمی بخار تھا اب بہتر تھیں اور سلمٰی کی امی کو یاد کر رہی تھیں۔

"میں ابھی جاتی ہوں ان کے پاس۔" امی نے کہا۔ "تم دونوں تو ہو گھر میں، میرا دل بھی چاہ رہا تھا ان سے باتیں کرنے کو۔"

"امی آپ ہی کا حوصلہ ہے اتنی ڈھیروں باتیں سننے کا۔" ارسلہ نے کہا۔ "ورنہ ان کی باتوں سے سب ہی گھبرا جاتے ہیں۔"

"مگر پھر بھی وہ سب کے کام آنے والے لوگ ہیں، یہ بھی دیکھو۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔"

ننھی خالہ چوتھی منزل پر رہتی تھی۔ لفٹ نہیں تھی۔ اس لئے امی کو دو منزل اوپر جانا تھا۔ سیڑھیاں چڑھنے سے وہ ہمیشہ ہی گھبراتی تھیں اس لئے ننھی خالہ خود ہی امی کے پاس آ جاتی تھیں۔

امی آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی ننھی خالہ کے پاس پہنچیں۔ ننھی خالہ انہیں دیکھ کر خوش ہوگئیں۔

"آیئے خالدہ بہن، میں تو آپ سے ملنے کیلئے بے چین تھی، طبیعت کی خرابی نے مجھے پریشان کر دیا۔"

"اب کیسی ہیں آپ؟"

"اب تو بخار نہیں ہے مگر کمزوری باقی ہے۔"

"میں بھی آپ کو یاد کر رہی تھی۔ دراصل دونوں لڑکیاں صبح سے چلی جاتی ہیں ماسی آ جاتی

ہے اور کھانا پکاتا۔ اسی طرح دوپہر ہو جاتی ہے۔ پھر شام، دن کا پتا ہی نہیں چلتا۔ میرا نکلنا نہیں ہوتا تھا۔ آج آپ کی بیماری سنی تو آ گئی...... اوپر ہمت کر کے۔"

"دونوں بیٹیاں کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"بہن آپ نے کہیں سلمٰی کی شادی کی بات کی یا نہیں۔ میرا مطلب ہے کوئی رشتہ وشتہ؟"

"نہیں خالہ ابھی تو کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ بس اللہ کے بھروسے پر ہوں وہی غیب سے مدد کرے گا۔ میں تو کسی سے واقف بھی نہیں ہوں۔ کہاں جاؤں کس سے کہوں۔"

"خاندان میں کوئی لڑکا نہیں ہے سلمٰی کے جوڑ کا؟"

"خاندان بہت مختصر سا ہے۔ ایک تایا ہیں وہ امریکا میں ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ پھوپی کوئی ہے نہیں ...... نہ کوئی ماموں ...... لے دے کر ایک خالہ ہیں میری بڑی بہن۔ حیدر آباد میں رہتی ہیں۔ آپ تو ملی تھیں ان سے۔"

"ہاں، وہ باقی صاحب کے مرنے پر آئی تھیں۔"

"ہاں وہی ان کا ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹی۔ بیٹے کی شادی طے ہوگئی ہے اپنے چچا کی بیٹی سے۔"

"اس کا مطلب ہے اب تمہیں غیروں میں دیکھنا پڑے گا۔"

"وہی تو کہہ رہی ہوں۔ میں کہاں نکلوں کس سے کہوں۔ سلمٰی کی فکر مجھے کھائے ڈالتی ہے۔"

"اگر میرا مشورہ مانو تو رشتہ کروانے والی کسی بھی اچھی خاتون کے ہاں رجسٹر کروا دو۔ معمولی فیس ہوتی ہے مگر اس طرح رشتہ مل جاتا ہے۔"

"میں نے سنا ہے یہ سب فراڈ ہوتے ہیں اور پیسہ بٹورنے کی سب ترکیبیں ہیں۔" امی نے کہا۔

"سب ایسے نہیں ہیں۔ کچھ نام مشہور ہیں۔ ویسے میں ذاتی طور پر ایک صاحبہ کو جانتی ہوں جو رشتہ کرواتی ہیں اگر آپ اجازت دیں تو ان سے سلمٰی کا ذکر کروں بلکہ ملوا دوں گی۔"

"کیا لیتی ہیں وہ؟"

''وہ کچھ نہیں لیتیں بس اللہ واسطے، ثواب کی خاطر یہ کام کرتی ہیں۔ شادی ہو جائے تو لوگ اپنی خوشی سے کچھ نہ کچھ دے دلا دیتے ہیں، وہ الگ بات ہے۔''

''آپ ٹھیک ہو جائیں تو مجھے ملوا دیجئے گا۔ کیا نام ہے ان خاتون کا؟''

''ان کا نام شمسہ ہے، شمسہ باجی کہلاتی ہیں۔ انہوں نے کئی لڑکیوں کے رشتے کروائے ہیں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات بتائی ہے آپ نے۔ اگر ایسا ہو جائے تو سمجھیں، پچاس فیصد فکر ختم ہو جائے گی۔''

''میں آج ہی رات کو فون پر بات کروں گی اور جلد سے جلد ملوانے کی کوشش کروں گی۔ آپ سلمٰی کو بتا دیجئے گا۔ وہ ذہنی طور پر تیار رہے۔''

منھی خالہ کے گھر سے امی واپس آئیں تو بے حد خوش تھیں۔ مانو سارے جہان کی دولت سمیٹ لائی ہوں۔

''امی کیا بات ہے، آپ بڑی خوش نظر آ رہی ہیں؟'' ارسلہ نے امی کو چھیڑا۔

''کیوں بھئی، کیا خوش ہونے پر پابندی ہے کوئی؟'' امی مسکرائیں۔

''پھر بھی کوئی خاص بات لگتی ہے۔ پلیز بتا دیں جلدی سے۔''

ارسلہ نے اصرار پر امی نے پوری تفصیل بتائی پھر کہا۔

''ہوسکتا ہے سلمٰی کیلئے کوئی مناسب رشتہ مل جائے۔ کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔''

''امی یہ سب فضول کے چکر ہوتے ہیں۔'' سلمٰی نے کہا۔ ''کوئی کسی کی بتائی ہوئی لڑکی نہیں پسند کرتا اور پھر یہ سب خواتین جو جگہ جگہ لڑکیاں دیکھتی پھرتی ہیں۔ یہ دو چیزیں دیکھتی ہیں۔ دولت اور انتہائی گورا رنگ۔'' سلمٰی نے امی کی بات پر کہا۔

''اور یہاں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں۔ امی آپ ان چکروں میں نہ پڑیں۔''

''سلمٰی تمہیں کوئی بات نہ معلوم ہو تو مت بولا کرو۔ تم کیا جانو ان معاملات کو۔''

''امی مجھے سب خبر ہے۔ میں ایک اسکول میں ٹیچر ہوں۔ ہمارے اسٹاف کی آدھی سے زیادہ ٹیچرز غیر شادی شدہ ہیں اور وہ لوگ جن جن مراحل سے گزر چکی ہیں ان کی روداد سے میں واقف ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میں بھی ذلت اور خواری کے ان تمام مراحل سے گزروں۔''

''سلمٰی ضروری نہیں کہ ہر جگہ ہمیشہ ایک جیسی باتیں ہوں پھر یہ صاحبہ فی سبیل اللہ رشتے کرواتی ہیں کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتیں۔ بیٹی میری پریشانی کو سمجھو...... کر لینے دو کوشش۔ میں نے تم کو اس لئے بتایا تھا کہ تم آنے والی خواتین سے خندہ پیشانی سے ملو۔ ایسا ہی ہوتا ہے فی زمانہ یہی دستور ہے۔'' امی پتا کیا کیا اونچ نیچ سمجھاتی رہیں جو سلمٰی کی سمجھ میں آئیں بھی اور نہیں بھی آئیں۔

''ٹھیک ہے آپ کی جو مرضی آئے وہ کریں۔'' یہ کہہ کر سلمٰی وہاں سے اٹھ گئی اور امی نے سکون کی سانس لی۔

جب سے امی نے یہ بات کی تھی سلمٰی کا دل اداس ہو گیا تھا۔ وہ عابد کو نہیں بھول پائی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عابد بھی اسے پسند کرتے ہیں مگر عملی طور پر ایسا ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ دونوں ایک ہو سکتے۔ عابد علی کی بات ثمن سے طے ہو چکی تھی۔ وہ ہاؤس جاب کر رہی تھی اور اس کے بعد ان کی شادی ہو جانی تھی۔

عقلمندی کا تقاضا یہی تھا کہ اگر کوئی مناسب رشتہ ملے تو اس کی شادی ہو جائے۔ امی کا کہنا بھی ٹھیک تھا۔ لڑکی کی سب سے بڑی خوبی اس کی کم عمری ہوتی ہے ابھی مناسب وقت تھا۔ اگر تین چار سال گزر گئے تو مشکل ہو جائے گی۔

لڑکے والے اپنے بیٹے کی عمر کم کر کے بتاتے ہیں اور آتے ہی لڑکی کی عمر پوچھنے لگ جاتے ہیں۔ باپ کا عہدہ، بھائیوں کی حیثیت اور گھر کے اندر رکھا ساز و سامان سب کچھ ان کی نگاہوں میں ہوتا ہے۔ لڑکی کو دیکھنے اور پسند کرنے کا مرحلہ تو بہت بعد کی بات ہے...... مگر اس گھر میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

نہ باپ نہ بھائی، نہ دھن دولت۔

سلمٰی کی شکل اچھی تھی۔ جاذب نظر تھی۔ دبلی پتلی اسمارٹ لڑکی تھی مگر سب سے پہلا مرحلہ شمسہ باجی سے ملاقات کا تھا۔

اور وہ دن آ ہی گیا۔

شام کے وقت منھی خالہ، شمسہ باجی کو ملانے لائیں۔

شمسہ باجی درمیانی عمر کی جہاندیدہ خاتون تھیں۔ خالدہ بیگم سے بہت خلوص سے ملیں۔ ان کے حالات سے جو کہ منھی خالہ پہلے ہی بتا چکی تھیں۔

"بہن اپنی بچیوں کو بلائیں۔ میں مل لوں پھر کوئی مناسب رشتہ دیکھوں گی۔" چنانچہ امی نے سلمیٰ اور ارسلہ کو آواز دی۔

دونوں اندر آئیں۔

شمسہ باجی لڑکیوں سے مل کر بات چیت کر کے خوش ہوئیں۔ دیر تک بیٹھیں، فون نمبر لے کر رخصت ہوئیں اور خالدہ بیگم کو دلاسا دے گئیں کہ وہ جلد ہی کسی نہ کسی مناسب رشتے کا بندوبست کریں گی۔

شمسہ باجی کے جانے کے بعد خالدہ بیگم دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگیں اور تصور ہی تصور میں سلمیٰ کو دلہن بنا دیکھنے لگیں۔

انہیں زیادہ دن انتظار نہیں کرنا پڑا۔

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

اس وقت دونوں لڑکیاں اسکول اور یونیورسٹی میں تھیں چنانچہ خالدہ بیگم ہی نے فون اٹھایا۔

دوسری جانب ایک اجنبی آواز تھی۔

"مسز باقی سے بات کرنی ہے۔"

"جی میں بول رہی ہوں، آپ کون؟"

"جی آپ کا فون نمبر مجھے شمسہ باجی نے دیا تھا۔ آپ کی بچی کے سلسلے میں بات کرنی تھی۔"

امی کا دل دھڑک اٹھا۔

یہ کیسا فون تھا۔ انہیں اس قسم کی کال اٹینڈ کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اجنبی لوگوں سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔ بیٹی کے رشتے کیلئے کیا کہا جاتا ہے۔ کیسے ہوتا ہے اور کیونکر ہوتا ہے پھر بھی خود پر قابو پا کر بولیں۔

"جی کریں بات......!"

"میں آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں گی؟" خالدہ بیگم نے اپنے حواس درست کیے۔

"جی ہاں کیوں نہیں۔ میرا بیٹا اکاؤنٹنٹ ہے ایک کمپنی میں۔ بہت اچھا بچہ ہے۔ نیک

سعادت مند طفیل احمد نام ہے۔ ہمیں ایک نیک اور سگھڑ لڑکی کی تلاش ہے اگر آپ لوگوں سے ملاقات ہوئی پھر بات ہوگی تفصیل سے۔"

خالدہ بیگم کی سمجھ میں نہ آیا کہ اور کیا پوچھیں، کیا بات کریں۔

"آپ آجائیے جب آنا ہو۔" وہ یہی کہہ سکیں۔

"تو پھر ہم کل آجائیں؟"

"کل کس وقت؟"

"کل شام چھ بجے، طفیل ساڑھے پانچ بجے تک آتا ہے۔ اس کے ساتھ آؤں گی۔"

"میں انتظار کروں گی۔"

انہوں نے فون رکھ دیا اور آنے والے دن کے متعلق سوچنے لگیں۔

وہ دل ہی دل میں شمسہ باجی کی احسان مند ہو رہی تھیں اور ساتھ میں منھی خالہ کی بھی کہ ملتے ہی دو دن کے اندر فون آگیا۔

سلمیٰ اور ارسلہ کو بھی پتا چل گیا۔

دونوں بہنوں نے اس سلسلے میں ایک دوسرے سے کچھ بھی نہ کہا۔ ارسلہ کے پاس وقت نہیں تھا وہ امتحان کی تیاری میں لگی تھی۔

دوسرے دن چھ بجے کا ٹائم طے کرنے والی خاتون سات بجے تشریف لائیں۔ ان کے ساتھ ان کے برخوردار طفیل احمد بھی آئے تھے۔ منھی خالہ بے چاری پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

خالدہ بیگم سفید براق ساڑی پہنے جوڑا بنائے بہت باوقار لگ رہی تھیں۔ آنے والی خاتون مہمان کے ساتھ ان کا بیٹا تھا جو کہ ایک پختہ عمر کا مرد تھا۔ درمیانہ قد، گھٹا ہوا بدن، توند نکل چکی تھی جسے بیلٹ سے کس کر اندر کیا گیا تھا۔ گہرا سانولا رنگ، بات چیت میں ٹھیک تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں لڑکیاں اندر آئیں اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"یہ سلمیٰ ہے، میری بڑی بیٹی، اسکول ٹیچر ہے۔" امی نے تعارف کروایا۔ آنے والی خاتون نے عقابی نظروں سے سلمیٰ کو گھورا اور بولیں۔

"کتنے عرصے سے پڑھا رہی ہو اسکول میں؟"

"ڈیڑھ سال سے۔"

"اور دوسری بہن کیا کرتی ہے؟"

"یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔"

"لڑکوں کے ساتھ؟" انہوں نے بے تکا سا سوال کیا۔

"جی وہاں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔" سلمٰی نے جواب دیا۔

ارسلہ اندر ہی اندر تپ رہی تھی۔

"یہ کوئی اچھی بات نہیں۔" خاتون بولیں۔ "اسی لئے تو بے حیائی پھیل رہی ہے ملک میں۔"

"آپ کے بیٹے نے کس یونیورسٹی سے پڑھا ہے۔" ارسلہ نے فٹ سے سوال کیا۔

"میں نے بی کام کیا ہے۔" طفیل احمد بول پڑے۔

"اس کے بعد؟"

"بس پھر سروس میں آ گیا۔"

"آپ کو پڑھنے کا شوق نہیں تھا یا کوئی اور بات تھی؟" ارسلہ بخشنے والوں میں سے نہ تھی۔

"بس وجہ کچھ نہیں...... میری تعلیم مناسب ہے۔"

"بھئی لڑکے کی کمائی دیکھی جاتی ہے ڈگری نہیں۔ پھر طفیل میں کس چیز کی کمی ہے؟" اماں فوراً بول پڑیں۔

"یہ تو بالکل ٹھیک کہا آپ نے آنٹی۔ ڈگری کا کیا ہے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہی تو ہے۔" ارسلہ نے کہا تو خالدہ بیگم نے ٹوک دیا۔

"ارسلہ تم اندر جاؤ فضول باتیں مت کرو۔"

ارسلہ مسکراتے ہوئے اندر چلی گئی۔

"بڑی تیز لڑکیاں ہیں آپ کی۔" خاتون نے کہا۔

"جیسی بھی ہیں آپ کے سامنے ہیں۔ مگر بہن آپ نے کچھ بتایا نہیں اپنے بارے میں، کتنے بچے ہیں' آپ کے میاں کیا کرتے ہیں کچھ تو بتائیں؟"

"شوہر نہیں ہیں میرے...... دو لڑکے، پانچ لڑکیاں ہیں۔"

"اچھا کب انتقال ہوا شوہر کا؟"

"انتقال نہیں ہوا، علیحدگی ہو گئی ہماری۔"

"لڑکیوں کی شادی ہو گئی؟"

"نہیں ابھی تو کسی کی شادی نہیں ہوئی۔ طفیل سب سے بڑا ہے گھر میں۔ اسی کی ہو گی پہلے۔"

"لڑکیاں کیا کر رہی ہیں؟"

"کرنا کیا ہے گھر پر ہی ہیں۔ کسی نے میٹرک کیا' کسی نے ایف اے۔ البتہ سب سے چھوٹی بی اے کر رہی ہے۔"

"آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی بی اے میں ہے......؟" امی نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ حیران کیوں ہیں؟"

"کچھ نہیں بس ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا۔ دراصل فون پر ٹھیک سے بات نہیں ہو سکی۔ سلمٰی تو ابھی بہت چھوٹی ہے اور آپ کے بیٹے ماشاء اللہ۔ ان کیلئے کسی پختہ عمر کی خاتون مناسب رہے گی۔"

"میرا طفیل کون سا بڑی عمر کا ہے۔ اٹھائیس سال کا ہونے والا ہے۔" محترمہ برا مان گئیں۔

ارسلہ دوبارہ آ گئی تھی۔

اس کی ہنسی نکل گئی۔ سلمٰی نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی روکی دونوں بہنیں بہانے سے اٹھ گئیں۔

آنے والی خاتون اپنے اکاؤنٹنٹ بیٹے طفیل احمد کے ساتھ واپس ہوئیں اور چلتے وقت رک گئیں۔

"اصل میں رشتہ بتانے والیاں بھی بنا سوچے سمجھے بتا دیتی ہیں۔ آپ کی لڑکی کا رنگ بہت کم ہے۔ طفیل کو تو گورا رنگ چاہیے۔ ہمیں اور کچھ نہیں لینا...... اچھا خدا حافظ۔"

ننھی خالہ بھی اپنے گھر سدھاریں۔

امی چپ خاموش بیٹھی تھیں۔

"دیکھا امی آپ نے؟" سلمٰی نے کہا۔ "کس قماش کے لوگ تھے۔ اب آئے دن یہی تماشا ہو گا۔ خدا کیلئے آپ شمسہ باجی کو منع کر دیجئے گا۔ آئندہ وہ ہمارے گھر کسی کو نہ بھیجیں۔"

مفت میں ناشتے پانی میں اچھی خاصی رقم ضائع ہو گئی۔"
"واقعی یہ اچھے لوگ نہ تھے اور لڑکے کی عمر بھی بہت تھی۔"
"لڑکا کہاں تھا وہ...... امی کیا خبر شادی ہو چکی ہو۔ بیوی سے نہ بنی ہو یا مر گئی ہو۔ مجھے تو دو چار بچوں کا باپ لگ رہا تھا۔" ارسلہ نے کہا۔
"ہاں بھئی کچھ بھی ہو سکتا ہے اب تم جاؤ دماغ نہ کھاؤ میرا۔ میرے سر میں درد ہے۔"
ارسلہ اور سلمیٰ لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگیں۔

❀ ❀ ❀
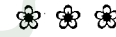
ارسلہ کے امتحانات ختم ہو گئے اور چھٹیاں ہو گئیں۔ عابد علی چھٹیاں ہوتے ہی حیدر آباد چلے گئے۔ رافع پہلے ہی امریکا جا چکے تھے۔ ان دنوں ارسلہ گھر پر فارغ تھی اس لئے دل بھر کر شاعری کرتی۔

سلمیٰ کے لئے آئے دن رشتے کی غرض سے لوگ آتے جاتے رہے۔ شمسہ باجی کسی نہ کسی کو بھیج دیتیں۔ جب بھی کسی کا فون آتا۔ امی کے منع کرتے نہ بن پڑتی۔ کوئی امریکا میں تھا تو کوئی جرمنی میں، لڑکی یہاں ڈھونڈی جا رہی تھی۔ یہ سب وہ لوگ تھے جنہیں صرف گھر گھر جانا اور لڑکیاں ریجیکٹ کرنے کا شوق تھا۔ کھایا پیا اور روانہ...... بعض تو اس طرح ظاہر کرتے جیسے لڑکی پسند آ گئی ہے اور بس اگلے وزٹ میں معاملہ طے ہو جائے گا۔ خالدہ بیگم بے چاری ان لوگوں کی بات کو سچ سمجھ لیتیں۔ دل ہی دل میں شادی کی تاریخ بھی رکھ لیتیں اور پروگرام بھی طے کر لیتیں مگر جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔ اسی چکر میں ٹیلی فون کا بل ڈبل آتا۔ خاطر و مدارت میں اخراجات بجٹ سے اوپر ہو گئے۔

"امی میں روز، روز تماشا نہیں بنوں گی۔ مجھے نہیں کرنی شادی......" اب سلمیٰ نے صاف منع کر دیا تھا۔

"ہاں بیٹی تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔ میں ہی بے وقوف بنتی رہی اتنے دنوں...... میں بھی کیا کروں مجبور ہوں۔ بیٹیوں کی ماں ہوں کوئی مرد گھر میں نہیں۔ سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی ہوں۔ اپنے بس میں کچھ بھی نہیں تقدیر بنانے والا اوپر بیٹھا ہے۔ وہ سب دیکھ رہا ہے اسے سب خبر ہے۔ وہی مدد کرنے والا ہے۔"

مگر انہیں دنوں اچانک طفیل احمد کی ماں کا فون آ گیا۔
"ہم لوگ آپ کے گھر باقاعدہ آنا چاہتے ہیں۔ ہمارے بیٹے کو آپ کی بیٹی پسند ہے۔"

"مگر آپ کو تو پسند نہیں ......!" اب خالدہ بیگم کو بھی بات کرنی آ گئی تھی۔

"جو بیٹے کی پسند وہی میری پسند ...... بولیں میں کب آؤں آپ کے گھر اور ہاں میری پانچوں بیٹیاں بھی سلمٰی سے ملنا چاہتی ہیں۔ ہم سب آئیں گے آپ کے گھر۔ پرسوں اتوار ہے، یہ دن ٹھیک رہے گا۔" وہ ایک سانس میں کہہ گئیں یوں جیسے ادھر سے انکار تو ہو ہی نہیں سکتا۔

"اچھا، میں آپ کو کل بتاؤں گی۔"

"میں کل آپ کو فون کروں گی اسی وقت ......" بس پھر بات ختم ہو گئی۔

"امی کس کا فون تھا؟" ارسلہ نے پوچھا۔

اب خالدہ بیگم کو پوری بات بتانی پڑ گئی۔ ارسلہ کو ایک بار پھر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

"باجی، باجی ......!" وہ چیخ کر دوڑی۔

"کیا ہے بھئی کیوں چیخ رہی ہو۔ میں قریب ہی تو بیٹھی ہوں۔"

"وہ طفیل احمد کے گھر والے رشتہ لے کر آ رہے ہیں۔"

"کیا بک رہی ہو ...... مذاق کرنے کی بھی کوئی تک ہوتی ہے۔"

"مذاق نہیں کر رہی ہوں باجی، امی سے پوچھ لیجئے۔ ابھی فون آیا ہے ان کی والدہ ماجدہ کا ......کہہ رہی تھیں کہ ہمارے بیٹے کو سلمٰی پسند آ گئی ہے لہٰذا پانچ عدد بیٹیوں کے ساتھ محترمہ ہمارے بالشت بھر کے گھر میں دھاوا بول رہی ہیں۔"

"بالشت بھر کا گھر، شکر کرو ارسلہ اپنا گھر ہے چھوٹا ہی سہی۔"

"اُفوہ میں تو امی کی زبان بول رہی ہوں اس لئے کہہ دیا۔"

"تو پھر امی نے کیا کہا ان کی والدہ ماجدہ سے ......؟"

"کہا ہے کہ کل بتاؤں گی۔"

"یہ کیوں کہا امی نے۔ ابھی منع کیوں نہیں کر دیا۔ کیا وہی بڈھا رہ گیا ہے میرے لئے۔" خالدہ بیگم نے سلمٰی کی بات سن لی۔ وہ نزدیک آ گئیں۔

"بیٹی منع کر دوں گی۔ بس ویسے ہی ٹالنے کے لئے کل کا کہہ دیا تھا۔ اب اس طرح لٹھ مارنے سے تو رہے۔"

"کیا خبر آپ مروّت میں سب کو بلا ہی لیں۔"

"اب میں ایسی مروّت والی بھی نہیں ہوں، تم بے فکر رہو، چولہے میں نہیں جھونکنا اپنی پھول سی بچیوں کو۔" خالدہ بیگم تو ان کے پاس سے چلی گئیں مگر ارسلہ دیر تک باجی کو ستاتی رہی۔

❀ ❀ ❀

یونیورسٹی کھل چکی تھی۔ ارسلہ کا چوتھا سمسٹر شروع ہو چکا تھا۔ پڑھائی زوروں پر تھی۔ نگی کا یہ آخری سمسٹر تھا۔ اس کے بعد اسے یہاں سے چلے جانا تھا۔ وہ بھی تیاری میں لگی تھی۔ چاہتی تھی اچھے سے اچھے نمبر لا کر ڈگری لے اور کسی بینک میں ملازمت کر لے۔

رافع کو گئے دو ماہ ہو گئے تھے مگر ابھی تک انہوں نے نگی کو فون نہیں کیا تھا۔ حالانکہ نگی نے اپنا موبائل نمبر دے دیا تھا۔ کئی بار بھابی بھی اس سے پوچھ چکی تھیں مگر وہ کیا بتاتی۔ اس کے پاس سوائے انتظار کے کوئی اور چارا بھی نہیں تھا۔ رافع کے چلے جانے سے اسے یونیورسٹی ویران لگتی۔ اسے ہر وقت رافع یاد آتا۔ اسے غصہ بھی تھا کہ اس نے جاتے ہی فون کیوں نہیں کیا۔

آخر بے حد انتظار کے بعد اچانک ایک رات اس کا موبائل بج اٹھا۔

"میں رافع بول رہا ہوں۔"

"آپ ......آپ رافع۔ حد ہو گئی آپ نے فون کیوں نہیں کیا۔ میں انتظار کرتے کرتے تھک چکی تھی۔"

"بس مصروفیت تھی۔ اسی لئے فون نہیں کر سکا۔"

"ایسی بھی کیا مصروفیت، چند منٹ بھی نہ نکال سکے۔"

"اب کر تو رہا ہوں۔ یونیورسٹی میں سب لوگوں کا کیا حال ہے۔ خیریت بتائیں سب کی۔"

"سب ویسے ہی ہیں جیسے آپ چھوڑ کر گئے تھے۔ سر علی ہم لوگوں کی کلاس لے رہے ہیں۔ بہت اچھا پڑھا رہے ہیں۔"

"ہاں علی بہت ذہین ہیں۔ آپ کو اچھا ٹیچر مل گیا۔"

"مگر آپ سے اچھے تو نہیں۔"

"اب یہ سب تو میں نہیں جانتا۔"

"اچھا یہ بتائیں کہ آپ کی پڑھائی اسٹارٹ ہوگئی۔"

"ہاں، پڑھائی بھی اسٹارٹ ہوگئی۔ ہاسٹل میں جگہ بھی مل گئی۔ سیٹ ہوگیا ہوں۔"

"تو کب آرہے ہیں پاکستان؟"

"یہ کیا بات ہوئی ...... ابھی تو آیا ہوں" رافع نے کہا پھر بولے۔ "ارسلہ وغیرہ کے کیا حال ہیں؟"

"شعروشاعری میں مصروف ہیں۔ اس کے نمبر زیادہ اچھے نہیں آسکے۔"

"تعجب ہے وہ تو بہت اچھی تھی پڑھائی میں۔"

"ہاں ہوگی کبھی ......اب نہیں ہے۔"

"اور علی صاحب کیسے ہیں؟"

"علی صاحب اور ارسلہ کی خوب بن رہی ہے۔ ہر وقت ساتھ نظر آتے ہیں۔ ہاں، میں آپ کا سلام پہنچادوں گی۔"

"اچھا نگہت، اب اجازت ...... میں ذرا جلدی میں ہوں، میں پھر فون کروں گا۔"

"ٹھیک ہے ......شکریہ فون کرنے کا...... نمبر تو آ ہی گیا ہے موبائل پر۔ آپ اپنا ای میل لکھوادیں۔"

"میں ایس ایم ایس کردوں گا۔"

"اوکے۔"

"خدا حافظ۔"

نگہت کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ لگتا تھا کوئی بیش بہا دولت ہاتھ آگئی ہے۔ اب وہ صبح یونیورسٹی جائے گی اور اپنی سب دوستوں کو رافع کے فون کے بارے میں بتائے گی۔ علی صاحب کو ان کا سلام پہنچائے گی اور ارسلہ کو ہاں اسے تو بطور خاص بہت کچھ بتانا پڑے گا۔

بھابی کو تو اس نے اسی وقت بتا دیا تھا۔ اب اسے صبح کا انتظار تھا کہ یونیورسٹی پہنچے اور اپنی خوشی میں دوستوں کو شریک کرے۔ دوسرے دن وہ صبح پہنچی تو کلاس شروع ہونے سے قبل ہی رافع کے فون کے بارے میں بتانے لگی۔

"ہائے ......سر رافع نے فون کیا تھا تمہیں۔ بڑی لکی ہو۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"بھئی دوست ہے میرا جب وہ اسٹوڈنٹ تھا تب سے ......" نگی نے نخوت سے کہا۔

"اب ظاہر ہے مجھے ہی فون کرے گا اور بھلا کسے کرے گا۔"

کلاس شروع ہوچکی تھی اس لئے یہ سلسلہ رک گیا۔

بریک میں وہ علی صاحب کے کمرے میں گئی تا کہ رافع کا سلام پہنچا سکے۔ وہ پہنچی تو دیکھا ارسلہ اور علی آپس میں بے تکلفی سے ہنس بول رہے تھے۔ نگی کو آتا دیکھ کر ارسلہ کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

"جی فرمائیں، کیسے آنا ہوا......؟" علی نے پوچھا۔

"وہ کل رافع صاحب کا فون آیا تھا۔ آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔ وہی بتانے آئی ہوں۔"

"اچھا بھئی ویری گڈ۔ ویسے میری بات رافع سے ہوچکی ہے۔"

"ہائیں سر...... پھر آپ نے ذکر ہی نہیں کیا۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑی۔"

"ارسلہ کو بھی پوچھ رہے تھے۔ میں نے بتا دیا تفصیل سے۔"

""

"" یہ کہہ کر ایک طنزیہ نظر ارسلہ پر ڈالی اور علی کے روم سے نکل گئی۔ ارسلہ اس کے لہجے سے سب کچھ سمجھ گئی مگر وہ کیا کرسکتی تھی۔ اس لڑکی سے کچھ کہنا اپنی بے عزتی کروانا تھا اور پھر ارسلہ اور رافع کے درمیان تو ایک انجانی سی دیوار کھڑی تھی۔ خوامخواہ جھگڑا ہوگیا تھا اور یہ جھگڑا نگی کا پیدا کروایا ہوا تھا وہ یہ بات جانتی تھی۔ نگی کے جانے کے بعد علی نے کہا۔

"ارسلہ تم سے اس لڑکی کی کوئی لڑائی وغیرہ ہے؟"

"نہیں تو بھائی ...... میرا اس سے کیا تعلق۔"

"اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ ویسے یہ لڑکی کچھ عجیب سے ہی۔"

"مگر سر رافع کی تو دوست ہے۔"

"بکتی ہے۔ رافع اس قسم کا آدمی نہیں ہے۔ یہ خود ہی پیچھے لگتی تھی۔ وہ بھی ہنس بول لیتا تھا۔ میں اسے جانتا ہوں۔"

"مگر اب یہ فون......؟"

"کرلیا ہوگا فون۔ تم اس لڑکی کے بارے میں کبھی نہ سوچنا۔"

"میں تو آپ کو باجی کے بارے میں بتانے آئی تھی۔"

"میں کیا کرسکتا ہوں ارسلہ، مجھے افسوس ہے سلمٰی کے لئے اتنے فضول سے رشتے آ رہے ہیں۔ ارسلہ تم اطمینان رکھو۔ سلمٰی کی شادی بہت اچھی جگہ ہوگی۔"

"کاش سلمٰی باجی کی شادی اس جگہ ہوسکتی جہاں وہ کرنا چاہتی ہیں۔"

علی خاموش ہوگئے۔ وہ سلمٰی کو پسند کرتے تھے لیکن اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی مخالفت مول لیتے اور سلمٰی اچھی لڑکی تھی لیکن سلمٰی کے بہتر مستقبل کی انہیں بے فکر تھی۔ جس کا اظہار ابھی انہوں نے ارسلہ سے کیا تھا۔

❀ ❀ ❀

چھٹی کا دن تھا۔ آج دیر سے ناشتا ہوتا تھا اور تینوں خوب پیٹ بھر کر کھا لیتے تھے پھر دوپہر کو کچھ نہ کھاتے۔ شام کو کھانا پک جاتا۔ دن بھر اپنا کام کرنے کیلئے وقت ہوتا تھا۔

کافی دنوں سے ارسلہ نوٹ کر رہی تھی کہ امی کچھ نہ کچھ سیتی رہتی ہیں۔ چھوٹی بچیوں کی فراکس وغیرہ۔

"امی۔ یہ آپ کیا سیتی رہتی ہیں اور کس کی ہیں یہ سب چیزیں......؟"

"میں دل بہلان کو سی لیتی ہوں۔ منھی خالہ لا کر دیتی ہیں۔ میں بھی بیٹھے بیٹھے گھبرا جاتی ہوں۔ کچھ دل بہل جاتا ہے۔"

"لیکن آخر کیوں۔"

"ہر بات میں سوال جواب نہ کیا کرو۔" خالدہ بیگم نے ناراض ہو کر کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔

امی پھر مشین لے کر بیٹھ گئیں۔

"امی مشین کی کھٹ پٹ سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ پلیز اس وقت تو نہ سئیں۔ خدا جانے کس کس کے کام کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔ آپ منع کر دیں منھی خالہ کو مت لا کر دیا کریں محلے کے کام۔" خالدہ بیگم خاموش رہیں۔

اتنے میں گھنٹی بجی ارسلہ نے دروازہ کھولا۔ محلہ کا بچہ آیا تھا۔ وہ ایک لفافہ خالدہ بیگم کو دے گیا۔

"اماں نے کہا ہے گن لیں آپ...... پورے پانچ سو ہیں۔"

"ہاں، ہاں گن لوں گی تم جاؤ۔" خالدہ بیگم نے چور نظروں سے ارسلہ کی طرف دیکھا۔

ارسلہ سب کچھ سمجھ گئی۔

"اس کا مطلب ہے امی اب سلائی کر کے گھر کا خرچہ پورا کرتی ہیں۔" ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ بچے کے جاتے ہی ارسلہ نے کہا۔

"امی آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ یہ سب کیا ہے۔ آپ کو ضرورت تھی رقم کی کہا تو ہوتا...... میرے پاس کچھ روپے ہیں...... میں دے دیتی۔"

"ارسلہ تم خاموش رہو۔ میں جو کر رہی ہوں کرنے دو۔ محنت میں عظمت ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں۔ میں سلائی کر سکتی ہوں اور میرے پاس وقت بھی ہے اور پھر مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ بجلی کے بل بڑھ گئے۔ دال چاول ہر چیز مہنگی......!"

"امی آپ کی آنکھیں پہلے ہی کمزور ہیں...... کہیں اور مسئلہ نہ ہو جائے۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔" خالدہ بیگم نے کہا اور زور شور سے سلائی مشین چلانے لگیں۔

"باجی آپ کو پتا تھا......؟" ارسلہ نے پوچھا۔

"ہاں، میں جانتی تھی......" سلمٰی نے جواب دیا۔

"مجھے کیوں بے خبر رکھا۔"

"اتنے سے گھر میں کون سی خبر چھپ سکتی ہے۔ تمہیں بھی پتا چل ہی گیا۔ امی کو سمجھانا مشکل ہے۔ میری تنخواہ بڑھ گئی ہے۔ ٹھیک ٹھاک کام چل رہا ہے۔ تم بھی ٹیوشن کر کے اپنا خرچ پورا کر رہی ہو۔" ارسلہ خاموش ہوگئی۔ اس کا دل غم سے پھٹ رہا تھا۔ ابو بری طرح یاد آ رہے تھے۔ امی کے آرام کا انہیں کس قدر خیال تھا اور امی مجبور ہوگئی تھیں کوئی سگا رشتے دار کراچی میں نہ تھا مگر دور کے رشتے دار تو تھے وہ بھی کبھی نہیں آتے تھے۔

"کیسی تنہائی ہے...... اکیلا پن، الٰہی یہ کیسا وقت پڑا ہے ہم پر......!" وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی۔

عابد بھائی سے بہت اچھے تعلقات تھے مگر آتے وہ بھی نہیں تھے۔ انہیں سلمٰی کے سامنے شرمندگی ہوتی تھی اس وجہ سے مصروفیت کا بہانہ کر کے دور ہی رہتے تھے۔ خالہ جان کا ایک بار فون آیا تھا۔ امی خوش ہوگئیں۔ دیر تک اپنے بچپن کی باتیں کرتی رہیں۔ بڑی بہن کی محبتوں کا تذکرہ کیا اور پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگئیں۔

امی کو کریلے پسند تھے۔ بہت دنوں سے گھر میں نہیں پکے تھے۔ امی نے سلمیٰ سے کہہ دیا تھا کہ اسکول سے واپسی پر آدھا کلو کریلے لیتی آنا مگر جب سلمیٰ آئی تو کریلے کے بجائے آلو کی تھیلی لیے تھی۔

''یہ کیا، تم سے کہا تھا کریلے لے کر آنا اور تم آلو اٹھا لائیں۔'' خالدہ بیگم کو غصہ آ گیا۔

''امی کریلے بہت مہنگے تھے اس وجہ سے نہیں لائی۔ آلو سستے تھے لے لئے کہیں آپ یہ نہ کہیں میں خالی ہاتھ آ گئی۔''

''غضب خدا کا سبزی اتنی مہنگی، اندھیر ہے اندھیر۔ آخر حکومت مہنگائی کا سد باب کیوں نہیں کرتی۔''

''امی حکومت کچھ نہیں کر سکتی۔'' ارسلہ نے کہا۔ ''جب تک مہنگے داموں چیزیں خریدنے والے موجود رہیں گے۔ چیزیں اسی طرح مہنگی سے مہنگی ہوتی چلی جائیں گی۔ آپ نے دیکھا نہیں جب سے سونا مہنگا ہوا ہے۔ خریداروں کی بھیڑ زیادہ ہو گئی ہے۔ جس بازار میں جائیں لوگ مال پر ٹوٹ رہے ہوتے ہیں۔ جیبیں نوٹوں سے بھری ہیں۔ کیسی مہنگائی اور کہاں کی مہنگائی۔ یہ سب کڑوے گھونٹ صرف ہم جیسے لوگوں کیلئے ہیں' جنہیں ہم مجبوراً پیتے ہیں۔''

''ٹھیک کہتی ہو بیٹا۔ ہمارے زمانے میں ایک سیٹ جہیز میں دیا جاتا تھا اور اب تو پانچ چھ سیٹ سے کم کوئی نہیں دیتا۔''

''اور امی موبائل فون تو دیکھیں دھوبی، نائی، ماسی ہر کوئی کان سے لگائے باتوں میں مصروف...... اب زمانہ بدل گیا ہے۔ امی لوگ شاید بہت امیر ہو گئے ہیں۔''

''یہ بات نہیں ارسلہ۔'' سلمیٰ نے کہا۔ ''امیر زیادہ امیر اور غریب زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ روپیہ کو روپیہ کھینچتا ہے۔''

''بس باجی، دو سال کی بات ہے پڑھائی ختم ہو جائے گی۔ میں بھی اچھی سی سروس کروں گی۔ ہم دونوں مل کر امی کے لئے آسائشیں خریدیں گے۔''

''انشاء اللہ......!''

''ارے بھئی مجھے کوئی آسائشیں نہیں چاہئیں۔'' امی نے کہا۔ ''میں تو ہر حال میں اللہ کا شکر کرتی ہوں۔ بس تم دونوں کا کہیں ٹھکانا ہو جائے پھر اور مجھے کچھ نہیں چاہئے۔''

''امی پھر وہی بات۔'' سلمیٰ نے کہا۔ ''آپ ہر وقت ایک ہی بات سوچتی رہتی ہیں۔

شادی بیاہ رسومات یہ سب فرصت کے کھیل ہیں۔ ہم ان چکروں میں کہاں پڑیں گے۔ ہمارے پاس وقت نہیں۔''

''شادی بیاہ کھیل نہیں ضرورت ہے۔ حقیقت ہے حکم خداوندی اور سنت رسولؐ ہے۔''

''افوہ، بات ہو رہی تھی کریلوں کی یہ شادی کہاں سے آ گئی درمیان میں۔'' ارسلہ نے کہا۔ ''امی میں کل آپ کیلئے کریلے خرید کر ضرور لاؤں گی۔ چاہے صرف آدھا کلو۔''

''رہنے دو، مجھے کیا خبر تھی میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔''

''بس امی آپ کچھ نہ سوچا کریں...... بس اپنے دل کی بات ہم لوگوں سے کہہ لیا کریں......!''

''اچھا بابا، جاؤ اب کمرے میں مجھے نماز پڑھنی ہے۔'' دونوں بہنیں خالدہ بیگم کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

❀ ❀ ❀

شام کا وقت تھا سلمیٰ، ارسلہ اور خالدہ بیگم چائے پی رہی تھیں کہ اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔

''دیکھو سلمیٰ، کون ہے۔''

سلمیٰ نے اپنا چائے کا مگ میز پر رکھا اور دروازے پر پہنچ گئی۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں باقر۔'' باہر سے جواب آیا۔ بغیر پوچھے اس گھر میں دروازہ نہیں کھولا جاتا تھا۔ کراچی کے حالات ہی ایسے تھے احتیاط لازم تھی۔

''امی نہ جانے کون آیا ہے۔ آپ دیکھیں۔ باقر نام بتا رہے ہیں''

''جی آپ کون صاحب ہیں۔'' خالدہ بیگم کچھ نہ سمجھیں۔ اندر ہی پوچھا۔

''خالدہ دروازہ کھولو۔ میں تمہارا بھائی ہوں باقر۔''

خالدہ بیگم کا دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔ انہوں نے کھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

باقر صاحب خالدہ بیگم کے سگے خالہ زاد بھائی تھے۔ جو ہمیشہ پاکستان سے باہر ہی رہے۔ مدت سے دبئی میں تھے۔ ان کا نہ پتا تھا نہ فون نمبر۔

''ارے باقر بھائی آپ...... آئیں۔''

باقر صاحب اندر آ گئے۔

"یہ سلمٰی ہے اور یہ ارسلہ ......تم لوگوں کے باقر ماموں ہیں۔ دبئی والے۔" خالدہ بیگم نے کہا۔

باقر صاحب نے دونوں لڑکیوں کے سر پر ہاتھ رکھا اور لاؤنج میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے۔ خالدہ بیگم اور لڑکیاں بھی بیٹھ گئیں۔

"خالدہ مجھے پتا چلا تھا باقی بھائی کی وفات کا۔ یقین جانو اس قدر دکھ ہوا کیا بتاؤں۔ تمہارا پتا تھا نہ فون نمبر کیا بات کرتا۔ اب میں اور میری بیوی کراچی آگئے ہیں مستقل۔" خالدہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"جب سے باقی بھائی کا سنا مجھے ہر وقت تمہارا ہی خیال رہتا تھا اور ان بچیوں کا۔"

خالدہ بیگم اچانک رو دیں۔ کوئی اپنا آجائے تو غم اسی طرح تازہ ہو جاتا ہے۔ اشک اسی طرح بہتے ہیں۔

"امی آپ مت روئیں ......ورنہ ہم بھی رو پڑیں گے۔" ارسلہ نے کہا۔ خالدہ بیگم نے ساڑی کے پلو سے آنسو خشک کر لئے پھر بولیں۔

"آپ کب آئے کراچی۔ بھابی کہاں ہیں......؟"

"چند دن ہوئے ہیں۔ تمہاری بھابی میرے ساتھ ہی ہیں۔ فی الحال میں ان کی بہن کے گھر پر ہوں......مگر جلد ہی مکان خرید لوں گا۔"

"بھابی کو بھی ساتھ لے آتے۔"

"لے کر آؤں گا۔ کل ہی لے آؤں گا۔ دراصل مکان کا صحیح علم نہ تھا۔ مشکل سے ڈھونڈ پایا ہوں۔"

"باقر ماموں اب آپ ہمارے گھر آیا کریں گے......؟" ارسلہ نے کہا۔ "ہمارا تو کوئی قریبی رشتے دار کراچی میں نہیں ہے۔ ہم بے سہارا ہیں۔"

"ایسا مت کہو بیٹی تم بے سہارا نہیں ہو......اب میں آگیا ہوں، تم لوگ فکر نہ کرنا۔"

"باقر بھائی کسی نہ کسی سرپرست کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لڑکیوں کے رشتے ناتے کی بات ہو یا کوئی بھی مسئلہ......کوئی تو کھڑا ہونے والا۔"

"خالدہ میں نے کہا نا، اب میں آگیا ہوں تم خود کو اکیلا مت سمجھو۔"

"ارے ارسلہ، سلمٰی...... ماموں کیلئے کچھ لے کر آؤ، چائے بسکٹ کچھ تو کھلاؤ۔"

"بس چائے دے دو ایک کپ، کھانے کی کوئی چیز مت لانا۔"

اب ارسلہ اور سلمٰی ماموں سے باتیں کر رہی تھیں۔ سلمٰی نے اپنے اسکول اور ارسلہ نے یونیورسٹی کے بارے میں بتایا۔ باقر صاحب بہت خوش ہوئے۔

"باقر ماموں ارسلہ شاعری کرتی ہے۔" سلمٰی نے کہا۔

"واقعی ......! بھئی تو یہ وراثت ہی ملی ہے اسے۔ خالدہ بھی تو شاعری کرتی تھیں ایک زمانے میں۔" باقر صاحب نے انکشاف کیا۔

"ہیں......امی شاعری کرتی تھی؟ کیوں امی آپ نے کبھی بتایا کیوں نہیں......؟" ارسلہ نے حیران ہو کر کہا۔

"کم عمری کے زمانے میں کچھ کہہ لیتی تھی۔ باقر بھائی خدا جانے کس زمانے کی باتیں کر رہے ہیں۔" خالدہ بیگم نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"امی آپ چھپی رستم ہیں۔ میں تلاشی لوں گی آپ کی الماری کی ......کسی نہ کسی ڈائری میں لکھی ہوں گی آپ کی نظمیں، غزلیں۔"

"خبردار جو تم نے میری الماری کو ہاتھ لگایا تو۔" خالدہ بیگم نے فوراً کہا۔

"چور کی داڑھی میں تنکا۔" باقر صاحب ہنسنے لگے۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ ارسلہ، یہ چھپی رستم ہیں۔"

"باقر ماموں آپ کے آنے سے تو ہمارے گھر میں بہار آگئی۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" ارسلہ نے کہا۔

"مجھے بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تم دونوں بالکل بچیاں تھیں جب دیکھا تھا۔ اب ماشاءاللہ اتنی بڑی ہوگئی ہو اور خالدہ تو بالکل بدل گئی پہچانی نہیں جا رہی ہیں۔"

"بڑھاپا جو ہے۔ ویسی کی ویسی کیسے رہ سکتی ہوں۔" خالدہ بیگم نے کہا۔

"ابھی بڑھاپا کہاں ہے۔ یہ تم نے طاری کر لیا ہے۔ تم سے بڑی عمر کی خواتین تم سے کم عمر لگتی ہیں۔"

"حالات ہوتے ہیں اپنے باقر بھائی۔ میں بیوہ ہوں۔ مجھے کس طرح رہنا چاہئے یہ میں جانتی ہوں۔"

"بیوہ کو اچھی طرح رہنے کی ممانعت نہیں ہے خالدہ، یہ تم سے کس نے کہہ دیا۔ عدت

سے گزر کر تم پر کوئی پابندی نہیں۔"

"دل مردہ ہوگیا ہے باقر بھائی۔"

"میں جانتا ہوں، باقی بھائی کے جیسا شوہر جدا ہوگیا......تمہارا غم زدہ ہونا لازمی ہے۔"

"اچھا یہ بتائیں باقر ماموں، آپ ممانی کو کب لائیں گے۔ اور ہاں آپ نے اپنے بچوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"میری دو بیٹیاں ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"اچھا کہاں ہیں وہ۔ کیا نام ہے ان کا......؟"

"ایک کا نام سلمٰی ہے دوسری کا ارسلہ۔" وہ اطمینان سے بولے۔

"کیا مطلب؟"

"بیٹی باقر بھائی کے اولاد نہیں ہے۔" خالدہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر تم نے غلط بات کی خالدہ۔" باقر صاحب نے کہا۔ "ہیں نا میری دو بیٹیاں ابھی بتایا ہے میں نے۔" خالدہ بیگم خاموش ہوگئیں۔ اب باقر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا اب اجازت دو۔ کل یا پھر پرسوں ناظمہ کے ساتھ آؤں گا۔"

"ماموں فون کر کے آیئے گا اور کھانا ہمارے ساتھ کھایئے گا۔" ارسلہ نے کہا۔

"ضرور فون کر کے ہی آؤں گا۔" یہ کہہ کر باقر صاحب رخصت ہوگئے۔

خالدہ بیگم دیر تک پرانی باتیں دہراتی رہیں۔ سلمٰی اور ارسلہ کو بہت عرصے بعد اتنا خوش دیکھا تھا۔ جب سے باقی صاحب کا انتقال ہوگیا تھا۔ لڑکیاں بجھ کر رہ گئی تھیں مگر آج اچانک واقعی ایسا لگتا تھا جیسے گھر میں بہار آگئی۔ بجھے ہوئے چہرے کھل اٹھے۔ بھری دنیا میں اکیلے رہ جانے کا احساس ختم ہوگیا۔

خالدہ بیگم جانتی تھیں کہ باقر بھائی ان لوگوں کیلئے مخلص ہیں۔ وہ یہ جانتی تھیں کہ کبھی باقر بھائی نے ان کو پسند کیا تھا مگر یہ بات کسی اور کو معلوم نہ تھی۔ اب یہ بات پرانی ہو چکی تھی۔ خالدہ بیگم کے دل میں کچھ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے باقی صاحب کے ساتھ شاندار اور پرسکون زندگی گزاری تھی مگر یہ ضروری کب تھا کہ باقر بھائی سب کچھ بھول گئے ہوں۔ جس ہستی کو انسان دل سے پسند کرے وہ ہستی دل سے نہیں نکلتی مگر اب یہ سب باتیں قصہ پارینہ بن چکی تھیں۔ ہاں باقر صاحب ان حالات میں امید کی کرن بن کر آئے تھے۔

"اب اگر کسی جگہ سے سلمٰی کے رشتے کی بات چلی تو باقر بھائی اور ناظمہ بھابی ہوں گے میرے ساتھ۔" خالدہ بیگم نے سکون سے سوچا۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ خالدہ بیگم وضو کیلئے اٹھ گئیں۔

❀ ❀ ❀

دوسرے دن ارسلہ یونیورسٹی پہنچی تو بے حد خوش تھی۔ وہ سعدیہ اور پھر علی کو باقر ماموں کے آنے کی خوش خبری سنانا چاہتی تھی۔

"آج بہت خوش لگ رہی ہو خیریت تو ہے......؟" سعدیہ نے دیکھتے ہی کہا۔

"ہاں، آج میں بہت خوش ہوں۔ دراصل میری امی کے خالہ زاد بھائی جو عرصے سے پاکستان سے باہر تھے۔ وہ اچانک کل ہمارے گھر آگئے۔ سعدیہ وہ اتنے محبت کرنے والے ہیں کہ کیا بتاؤں۔ باقر ماموں نے خوب باتیں کیں اب ممانی کو ساتھ لے کر دو ایک دن میں آئیں گے۔ سعدیہ اچانک محفوظ ہو جانے کا احساس ہونے لگا ہے۔"

"وہ مستقل آئے ہیں یا گھومنے......؟"

"اب وہ مستقل آگئے ہیں۔ خدا کرے ڈیفنس میں گھر خریدیں۔ باقر ماموں تو بہت دولت مند ہیں۔ دبئی میں عرصے سے تھے اگر ان کا گھر ہمارے گھر کے نزدیک ہو جائے تو پھر ہم لوگوں سے زیادہ امی کو تقویت ہوگی۔"

"اچھا تو ان کے کوئی صاحبزادے بھی ہوں گے یقیناً......یہ بھی بتا ڈالو۔"

"باقر ماموں کے اولاد نہیں ہے۔"

"اوہ، آئی ایم سوری، میں تو سمجھی تھی ایک خوب صورت سی اسٹوری اسٹارٹ ہو جائے گی۔"

"اب میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔"

"ناراض مت ہو۔ میں تو بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"اور تمہارے قاسم صاحب کا کیا حال ہے؟ بہت دنوں سے تم نے کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ کچھ بتایا ہی نہیں۔ وہ لوگ رشتہ لے کر آئے ہوں گے تمہارے امی ابو نے کیا کہا؟"

"بڑی جلدی خیال آگیا میرا۔"

"کیا بات ہے کچھ ناراض سی لگتی ہو۔"

"میں ناراض نہیں ہوں ...... لیکن میں یہ ضرور سوچنے لگی تھی کہ تم اتنی مصروف ہوگئی ہو کہ تمہیں میرے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔"

"میری کیا مصروفیت ہے؟ تمہارے ساتھ ہی تو ہوتی ہوں۔"

"نہیں ارسلہ، تم علی صاحب کے پاس ہوتی ہو۔ جس طرح پچھلے سال رافع تمہارا رائٹ ہینڈ تھا اس سال علی صاحب ہیں۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہے۔"

"اس سے پہلے تم نے کبھی مجھ سے ایسی بات نہیں کہی۔"

"ہاں، میں جان بوجھ کر خاموش تھی۔ اب نگہت آرا اگر الٹی سیدھی بات پھیلائے تو برا مت مان جانا۔"

"سعدیہ تم بھی اسی انداز میں سوچ رہی ہو۔ جس طرح نگی سوچتی ہے۔؟"

"میں کچھ نہیں سوچتی لیکن تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتی ہو۔ اسی لئے کوئی بات نہیں بتاتیں۔"

"سعدیہ، میں تمہیں بہت سی باتیں بتانا چاہتی ہوں مگر یہاں زیادہ موقع ہی نہیں ہوتا لیکن یقین کرو میں تمہیں ہر بات بتا دوں گی۔ بس میری طرف سے کوئی غلط خیال دل میں نہ لانا۔" ارسلہ سنجیدہ ہوگئی تھی۔ اس کے ذہن میں طرح طرح کی باتیں آرہی تھیں۔ رافع، نگی، علی اور نہ جانے کیا کیا۔ سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔

"اب تم کیوں سنجیدہ ہوگئیں۔ دوستوں میں تو ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں ...... تم قاسم کے بارے میں ہی پوچھ رہی تھیں۔"

"ہاں سعدیہ میں جاننا چاہ رہی تھی۔ تمہاری شادی کا کیا بنا ...... کیونکہ اب تو سال ختم ہونے والا ہے اور تم ڈگری نکلوا لوگی۔"

"قاسم کے گھر والے باقاعدہ رشتہ لے کر آئے تھے۔ ابو سے درخواست کی تھی مگر ابو نے ان لوگوں کو بتا دیا کہ میری لڑکی کا رشتہ طے ہو چکا ہے۔"

"مگر طے تو نہیں ہوا۔"

"ابو نے یہی کہا۔ وہ لوگ واپس چلے گئے لیکن ان لوگوں کو اس قسم کے جواب کی توقع تھی۔ امی انہیں یعنی قاسم کی امی کو بہت کچھ بتا چکی تھیں اس لئے وہ مایوس نہیں ہیں مگر ہمارے گھر میں گڑبڑ مچ گئی۔ امی کو ابو کا بھتیجا منظور نہیں اور ابو اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔"

"تم نے ابو سے بات کی۔"

"اگر ابو نے زیادہ سختی کی تو میں ضرور بات کروں گی۔ میں امی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی۔ یقین کرو اگر گھر کے رشتے میں امی کی بھی خوشی شامل ہوتی تو میں قاسم کے معاملے میں الگ ہو جاتی مگر یہاں معاملہ امی کی بے عزتی کا ہے۔ انہوں نے زندگی بھر دکھ ہی اٹھائے ہیں۔ کم از کم اس معاملے میں، میں ہرگز امی کی مات برداشت نہیں کروں گی۔" ابھی وہ یہ باتیں کر رہی تھیں کہ کلاس کا ٹائم ہوگیا۔

"سعدیہ میں تم سے پھر بات کروں گی آج ہی ...... مجھے بھی تم کو بہت سی باتیں بتانی ہیں۔"

دونوں کلاس میں داخل ہوگئیں۔

کلاس ختم ہوئی تو اگلا پیریڈ فری تھا۔

"چلو دور چلتے ہیں گھاس پر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" ارسلہ نے کہا۔

"چلو۔"

دونوں آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گئیں۔

"سعدیہ غالباً میں نے تم سے ذکر کیا تھا کہ باجی کی شادی میرے خالہ زاد بھائی سے طے تھی ...... لیکن کچھ حالات اور کچھ خالہ کے گھر کے معاملات کہ اب وہ رشتہ ختم ہو چکا ہے۔"

"رشتہ ختم ہونے کی بات تم نے نہیں بتائی تھی۔"

"اب بتا رہی ہوں ...... باجی اور عابد بھائی میں بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی مگر باجی کے خواب بکھر گئے کیونکہ ان کے گھر میں بھی وہی معاملات ہیں جو تمہارے گھر میں۔ یعنی عابد بھائی کے والد نے اپنی بھتیجی سے ان کا رشتہ طے کر دیا۔ وہ میری امی کے خاندان میں بیٹے کی شادی کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"میں باجی کے لئے فکرمند رہتی ہوں اور میری پوری کوشش ہے کہ میں کسی نہ کسی طور پر عابد بھائی کو باجی کے لئے راضی کرلوں۔ وہ کچھ بھی کریں مگر باجی کو اپنا لیں۔"

"مگر تم یہ کس طرح کر رہی ہو؟"

"یہ جو علی صاحب ہیں نا ......!"

"ہاں......ہاں کہو۔"
"یہی عابد بھائی ہیں۔"
"کیا کہہ رہی ہو ارسلہ......!"
"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ایس اے علی کہتے ہیں۔ سید عابد علی نام ہے۔ یہاں لوگ علی صاحب کہنے لگے۔"
"کمال ہے تم نے بتایا ہی نہیں۔ یہاں تو اس بات کی کسی کو خبر نہیں۔"
"عابد بھائی نے منع کیا تھا۔ اس لئے میں بھی خاموش رہی۔ سعدیہ، عابد بھائی مجھے بے حد چاہتے ہیں اور میں انہیں حقیقی بھائی کی طرح سمجھتی ہوں۔ میرا کوئی بھائی ہے بھی نہیں۔ ایک یہی تو میرے بھائی ہیں۔ باجی کی قسمت سے عابد بھائی حیدر آباد سے ٹرانسفر ہو کر یہاں آگئے۔ کوئی چھوٹی سی بات بھی ہو میں بھاگی ہوئی عابد بھائی کے پاس جاتی ہوں اور انہیں بتاتی ہوں۔"
"یہ تو بڑی اچھی بات بتائی تم نے......تمہاری گھر آئے تھے علی صاحب......؟"
"ہاں۔ کیوں نہیں۔ ہم نے انہیں کھانے پر بلایا تھا۔ وہ زیادہ آنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ باجی کے سامنے جا کر انہیں شرمندگی ہوتی ہے۔"
"لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے اور نگی بھی نہیں جانتی اسی وجہ سے الٹی سیدھی باتیں بناتی ہے۔"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سعدیہ۔" ارسلہ کو رافع کی کہی ہوئی بات یاد آگئی تھی۔ جو اسی کے دل پر لکھی تھی۔ "اگر اسے معلوم بھی ہو تو کیا فرق پڑے گا۔ وہ میرے سگے بھائی تو نہیں ہیں خالہ زاد ہیں۔ میں کچھ بھی سمجھوں کچھ بھی کہوں۔ شک تو لوگوں کے دلوں میں بیٹھا ہوتا ہے اور لوگ مخالفت برائے مخالفت کرتے ہیں۔"
"یہ بھی تم ٹھیک کہتی ہو۔"
ارسلہ کے کانوں میں رافع کے کہے ہوئے الفاظ گونجنے لگے۔
"بھائی صرف وہ ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہو۔ آپ کچھ بھی کہیں کوئی بھی دلیل دیں۔ میرے دل میں اپنا کھویا ہوا مقام بحال نہیں کرسکتیں۔" تب اس نے بھی کہہ دیا۔
"اب میرے بھی دل میں آپ کے لئے کچھ بھی نہیں......!"

یوں ان کے درمیان اک انجانا اور بے نام سا تعلق ختم ہو گیا تھا ہمیشہ کیلئے۔
ان تمام باتوں کی خبر سعدیہ کو نہیں تھی......کسی کو بھی نہیں تھی اور نہ کبھی ہو سکتی تھی۔ ارسلہ ایسی لڑکی نہ تھی کہ ہر بات بتائے خواہ وہ اپنی دوست ہی کیوں نہ ہو۔ بہت سی باتیں، امانت کی طرح دل میں سینت سینت کر رکھی جاتی ہیں۔ جس طرح اس نے رافع کے خوب صورت جملے اور اس کے ساتھ گزارے ہوئے چند خوشگوار لمحات سب سے چھپا کر اپنے دل کے نہاں خانوں میں رکھے تھے۔ اسی طرح اس کے یہ الفاظ بھی محفوظ تھے۔ ایک خلش بن کر اور اس نے تہیہ کر لیا تھا وہ رافع کا نام اپنی زبان پر کبھی نہیں لائے گی۔ اسے ایک خوب صورت خواب سمجھ کر بھول جائے گی۔
"اب تم کن خیالوں میں گم ہو گئیں؟" سعدیہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
"کچھ نہیں......باجی کے بارے میں سوچ رہی تھی اور یہ بھی کہ عابد بھائی کو باقر ماموں کی آمد کے بارے میں بتانا تھا۔ آخر وہ ان کے بھی تو ماموں ہیں۔"
"ٹھیک ہے......!"
"میں عابد بھائی کے پاس جا رہی ہوں تم کلاس میں جاؤ میں آجاؤں گی۔" ارسلہ، عابد بھائی کے کمرے میں پہنچی تو وہ کسی کام میں مصروف تھے۔
"آؤ ارسلہ، کوئی کام تھا مجھ سے۔"
"جی ہاں بہت ضروری کام مگر آپ مصروف ہیں۔" علی نے قلم رکھ دیا۔
"لو بھئی، مصروفیت ختم، اب بتاؤ بات کیا ہے......؟"
"ایک خوش خبری ہے۔ آپ جانتے ہیں باقر ماموں کو۔"
"ہاں کیوں نہیں، وہ جو دبئی میں ہوتے ہیں۔"
"وہ کل ہمارے گھر آئے تھے۔ اب وہ لوگ کراچی آگئے ہیں۔"
"یہ تو اچھی خبر سنائی تم نے......مجھے یاد ہیں باقر ماموں مگر عرصہ ہو گیا ان سے ملے۔"
"اب مل لیجئے گا بلکہ میں آپ کو فون کردوں گی جب باقر ماموں اور ممانی آئیں گے تو آپ بھی آجایئے گا۔"
"ضرور......کیوں نہیں۔ میں امی کو بھی یہ خبر سناؤں گا۔"
"باقر ماموں بہت اچھے ہیں۔ اتنی محبت سے ملے کہ کیا بتاؤں۔"

"امی بھی ان لوگوں کی تعریف کرتی ہیں۔"

"خاصے مذہبی آدمی ہیں۔ سنا ہے کئی حج اور عمرے کر چکے ہیں۔"

"اتنی تفصیل تو مجھے معلوم نہیں۔"

"دیکھنے ہی سے لگتا ہے۔ ان کے چہرے پر نور ہے عابد بھائی۔" ارسلہ اور عابد کچھ دیر تک اسی طرح کی باتیں کرتے رہے پھر ارسلہ نے اجازت چاہی۔

"چلو، میں بھی باہر نکل رہا ہوں۔"

وہ بھی ارسلہ کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آئے۔ نگہت آرا نے ان دونوں کو ایک ساتھ نکلتے دیکھا۔ ارسلہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ اسے بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔

رافع کو وہ جب بھی فون کرتی ارسلہ اور علی کی باتیں ضرور کرتی۔ رافع خود بہت کم فون کرتے تھے مگر نگی ہر تیسرے چوتھے دن فون ضرور کرتی تھی۔ وہ جب بھی ای میل چیک کرنے کیلئے کمپیوٹر آن کرتے، نگی کی ای میل ضرور ملتی۔ وہ خوب لمبے لمبے خط لکھتی تھی اور رافع کو جواب کی تاکید کرنا نہ بھولتی رافع بھی اس کی ای میل کا جواب دے ہی دیتے تھے۔

کبھی کبھی ان کے ذہن کی اسکرین پر ارسلہ کا چہرہ ابھرتا۔ انہیں ارسلہ کی ذہانت، شاعری اور آواز پسند تھی۔ وہ ارسلہ کی عزت کرتے تھے۔ ان کے دل میں اس کیلئے جگہ تھی صرف اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ارسلہ انہیں پسند کرتی ہے مگر اب بات بدل چکی تھی۔ وہ علی کو پسند کرنے لگی تھی اور رافع کیلئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر چکی تھی نگہت کے خطوط نے ان حقائق پر مہر ثبت کر دی تھی۔

اور اب وہ نگہت کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔ یہ انسان کی فطرف ہوتی ہے...... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس شخص کے بارے میں ضرور سوچتا ہے جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ اس کی ذات میں دلچسپی لیتا ہے...... لیکن کیا واقعی وہ نگہت کے لئے سیریس تھے؟ اس کا کوئی مثبت جواب ان کے پاس نہیں تھا مگر نگی یہی سمجھتی تھی کہ رافع کو اس نے جیت لیا اور رافع کبھی بھی اس کے علاوہ کسی اور کیلئے نہیں سوچیں گے۔

❀ ❀ ❀
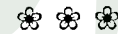
وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ باقر صاحب نے ڈیفنس میں ایک کشادہ فلیٹ خرید لیا تھا جو ارسلہ کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔

باقر صاحب نے خوب کمایا تھا اور اب وہ چاہتے تھے کہ کسی اچھے کام میں سرمایہ لگائیں جو کہ لوگوں کیلئے فائدہ مند ہو۔ انہوں نے اس سلسلے میں سلمٰی سے بات کی تھی۔

وہ ایک اسکول کھولنا چاہ رہے تھے صرف لڑکیوں کا اسکول جہاں معیاری تعلیم دی جائے اور اس سلسلے میں وہ سلمٰی کا تعاون چاہتے تھے۔ سلمٰی ایک ٹرینڈ ٹیچر تھی اور ارسلہ بھی مستقبل میں معلمہ کا پیشہ اختیار کرنا چاہتی تھی کیونکہ اسے اپنے مرحوم باپ کی خواہش کا علم تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی دفتروں میں کام کرے۔

سلمٰی اور ارسلہ نے باقر ماموں سے وعدہ کیا کہ وہ ہر طرح سے اس اچھے کام میں تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ باقر صاحب کوئی مناسب بلڈنگ دیکھ رہے تھے کہ کرایے پر لے کر اسکول اسٹارٹ کیا جائے۔

عابد بھی باقر ماموں سے مل چکے تھے اور اپنی امی کو بتا چکے تھے۔ باقر صاحب کی فیملی کے نزدیک آجانے سے ارسلہ کی خالہ جان کو اطمینان ہو گیا تھا ورنہ وہ دل ہی دل میں چھوٹی کیلئے فکرمند رہتی تھیں...... آس پاس کوئی رشتے دار نہیں تین عورتیں گھر میں رہتی ہیں۔ باقر صاحب اگرچہ الگ رہتے تھے مگر محلہ ایک ہی تھا۔ ایک ٹیلی فون کال پر کسی بھی وقت حاضر ہو سکتے تھے۔

❀ ❀ ❀

آخری سمسٹر کے امتحانات نزدیک آ گئے ارسلہ کا تو دوسرا سال مکمل ہونے والا تھا مگر ایم اے کرنے والوں کا آخری سمسٹر تھا اور ان لڑکے اور لڑکیوں کا بھی جو اس سال بی اے کی ڈگری نکلوانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ان ہی دنوں اچانک ایک دن ثمن کی والدہ ثانیہ بیگم کا فون آ گیا۔ عابد علی حیران رہ گئے۔ چچی جان تو کبھی فون نہیں کرتی تھی۔

"خیریت چچی جان، آپ نے کیسے فون کر لیا......؟"

"ہاں بیٹا، خیریت ہے۔ دراصل مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے اگر حیدرآباد آسکو تو ایک روز کے لئے آجاؤ۔"

"مگر چچی جان ان دنوں امتحان ہونے والے ہیں۔ میں بہت مصروف ہوں امتحانوں کے بعد چھٹیاں ہو جائیں گی تو آؤں گا۔"

"چھٹیاں کب ہوں گی......؟"

"ایک ماہ بعد۔"

"نہیں، یہ وقفہ بہت زیادہ ہے اگر تم اسی ہفتے آجاؤ...... اتوار کو آسکتے ہو۔ حیدرآباد دور نہیں ہے۔"

"کوئی ضروری بات ہے......؟"

"تم اسے ضروری بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا اور میں تھوڑا تھوڑا پریشان بھی ہوگیا ہوں۔"

"نہیں بیٹا، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ دراصل میں خود ایک الجھن میں ہوں۔ تم سے بات کرنا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پرسوں اتوار کو آجاؤں گا۔ پیر کی چھٹی پڑ رہی ہے۔ اس طرح مجھے بھی تھوڑی آسانی ہوجائے گی۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

جب سے تانیہ بیگم کا فون آیا تھا۔ عابد پریشان تھے۔ "خدا جانے کیا بات ہے۔ کیوں بلایا ہے۔" انہوں نے احتیاطاً گھر فون کیا۔ وہاں سب خیریت تھی دل کو اطمینان ہوا۔ اپنی امی کو بتایا "اتوار کو آرہا ہوں۔"

عرشیہ خوش ہوگئی۔ اس کا دل بھائی کے بغیر نہیں لگتا تھا۔

خدا خدا کرکے اتوار کا دن آیا تو علی گھر پہنچے۔

"اچانک کیسے آگئے۔ تم تو امتحانوں میں مصروف تھے......؟" امی جان نے پوچھا۔

"پیر کی چھٹی تھی۔ اس لئے سوچا کہ چکر لگالوں پھر تو ایک ماہ بعد ہی آسکوں گا۔"

"اچھا کیا آگئے۔ تمہارے بغیر گھر سونا ہی لگتا ہے۔"

"عرشیہ تمہاری پڑھائی کیسی جارہی ہے......؟"

"فرسٹ کلاس بس بھائی آپ کی کمی ہر وقت محسوس ہوتی ہے۔"

"اب تو چھٹیاں آنے والی ہیں۔ میں آؤں گا کافی دنوں کیلئے۔"

تھوڑی دیر بات چیت کرکے عابد چچا کے گھر چلے گئے ان کی کوٹھی برابر ہی میں تھی۔ تانیہ بیگم انتظار میں بیٹھی تھیں۔ ان کے شوہر اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ ثمن موجود تھی۔ کچھ دیر

ثمن اور چچی سے بات چیت میں گزری تو ماں کے اشارے پر ثمن اندر چلی گئی۔

"چچی جان آپ کو مجھ سے کوئی ضرور بات کرنی تھی......؟"

"ہاں بیٹا، بات ضروری ہے اور جلدی کرنی تھی اسی وجہ سے تمہیں بلایا ہے۔"

"بتائیں، میں سن رہا ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا میں بات کس طرح شروع کروں...... کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔"

"ایسی کیا بات ہوسکتی ہے چچی جان، آپ کہیں میں برا نہیں مانوں گا۔"

"دراصل ثمن کی شادی کی بات کرنی تھی۔"

"اوہ...... تو یہ بات تھی، ثمن کا ہاؤس جاب ابھی ختم نہیں ہوا۔"

"بس اب ختم ہونے والا ہے۔"

"پھر......؟"

"دراصل بیٹا، ثمن فوری طور پر امریکا جانا چاہ رہی ہے۔"

"میرے لائق کوئی خدمت چچی جان...... آپ کھل کر بات کریں۔"

"ثمن اپنے کلاس فیلو عمیر کو پسند کرتی ہے ...... وہ بھی ڈاکٹر بن چکا ہے۔ دونوں چھ سال سے اکٹھے ہیں۔ یقین مانو بیٹا مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی مگر یہ فیصلہ ثمن کا ہے اور وہ دونوں شادی کرکے امریکا جارہے ہیں۔"

عابد علی کی سمجھ میں نہیں آیا وہ فوری طور پر اس بات کا کیا جواب دے۔ وہ چچی جان کی طبیعت اور خودمختاری سے بھی واقف تھا۔ اس گھر میں وہی ہوتا تھا جو چچی جان چاہتی تھی۔ وہ خودسر، ہٹ دھرم اور فیشن پرست خاتون تھیں...... میٹھی چھری تھیں۔ چٹ بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی۔

"آپ نے چچا جان اور ابو جان سے بات کرلی ہے۔"

"نہیں ابھی تو کسی سے بات نہیں کی، اصل بات تو تمہاری ہے اسی لئے تم کو بلایا ہے۔"

"آپ غلط کہہ رہی ہیں چچی جان، گستاخی معاف یہ فیصلہ دو بھائیوں کا تھا۔ بزرگوں کا تھا مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا تھا اور نہ ثمن سے پوچھا گیا ہوگا۔ اس لئے یہ بات بھی بزرگوں کے درمیان ہی ہونی چاہئے۔"

"بات تو ہوگی مگر تم سے بات کرنا ضروری تھا۔"

"میں پھر کہوں گا چچی جان اگر ثمن کی مرضی نہیں تھی تو آپ یہ بات پہلے ہی کر سکتی تھیں ......"

"میں بہت شرمندہ ہوں ......مگر ثمن میری اکلوتی بیٹی ہے میں اس کی خوشیوں کی راہ میں حائل بھی تو نہیں ہو سکتی ہوں۔"

"تعجب ہے اتنی پرانی دوستی ثمن اور عمیر کی اور آپ جیسی سوشل خاتون بے خبر رہیں۔"

"تم ناراض ہو گئے ہو شاید اسی بات کا مجھے ڈر تھا۔"

"میں ناراض نہیں ہوں لیکن اپنی بے عزتی محسوس کر رہا ہوں۔ آپ کو مجھے اس طرح کراچی سے نہیں بلانا چاہئے تھا اور یہ بات ثمن خود بھی مجھ سے کر سکتی تھی وہ کوئی پردہ نشین گھر میں بیٹھنے والی لڑکی نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تمہاری ہر بات کو درست سمجھتی ہوں۔ ثمن تم سے معافی مانگ لے گی۔"

"مجھ سے کسی معافی نامے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال آپ کو ثمن کو یہ شادی مبارک ہو......کب ہے نکاح......؟"

"ابھی تاریخ تو مقرر نہیں ہے......لیکن اگلے ماہ کسی بھی تاریخ کو نکاح ہو جائے گا اور یہ لوگ امریکا چلے جائیں گے۔"

"اچھا چچی جان، مجھے اجازت دیجئے، امی اور عریشہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"بیٹا میں ایک بار پھر تم سے معذرت کر رہی ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ اسے ثمن سے محبت نہیں تھی مگر وہ ثمن کیلئے اچھے جذبات رکھتا تھا۔ اسے اپنے چچا سے محبت تھی اگر وہ چچی کو ناپسند کرتا تھا پھر بھی ثمن میں کوئی خرابی نہیں تھی اس وجہ سے اپنے والدہ کے فیصلے پر خاموشی سے سر جھکا دیا تھا۔

وہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ گھر آیا اور اپنے کمرے میں چپ چاپ لیٹ گیا۔ جو کچھ ہوا تھا وہ غیر متوقع تھا۔ اسے اپنی ذلت کا شدید احساس تھا۔

"ابو جان سنیں گے تو بے حد ناراض ہوں گے۔ امی جان تو پہلے ہی چچی جان کو ناپسند کرتی ہیں۔ اب دونوں گھرانوں میں خلیج حائل ہو جائے گی۔ ابو اور چچا جان میں مثالی محبت ہے۔ میں ان دونوں بزرگوں کی وجہ سے خاموش تھا ان کے فیصلے سے مطمئن تھا۔ میں چچی

جان کو اچھی طرح سمجھتا ہوں انہیں سب خبر ہوگی ...... مجھے یہ بھی یقین ہے کہ چچا جان بھی لاعلم نہیں ہوں گے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اگلے ماہ ثمن اور عمیر کا نکاح ہو ...... وہ امریکا جا رہے ہوں اور باپ لاعلم ہو۔ باپ لاعلم نہیں ہو سکتا ......شرمندہ ہو سکتا ہے۔ بے بس ہو سکتا ہے۔ ہاں لاعلم میرے گھر والے ہیں۔ میرے پیارے ابو جان میری معصوم امی جان اور بھولی بھالی عرشیہ۔" وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے خاموش لیٹا تھا۔

تبھی عرشیہ اسے تلاش کرتی اس کے پاس آ گئی۔

"بھائی جان کیا ہوا......؟ کب آئے ثمن کے گھر سے......؟"

"ابھی آیا ہوں......ایک خوش خبری سن کر۔"

"کیسی خوش خبری......؟"

"دراصل چچی جان نے مجھے فون کر کے کراچی سے بلایا تھا یہی خوش خبری سنانے۔ وہ بھی ابھی سن کر آ رہا ہوں۔"

"کچھ بتائیں تو سہی۔"

"وہ خوش خبری یہ ہے کہ ثمن اور ڈاکٹر عمیر کا نکاح ہو رہا ہے اور وہ لوگ اعلیٰ تعلیم کیلئے امریکا جا رہے ہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......کون ڈاکٹر عمیر؟ آپ جانتے ہیں انہیں۔"

"کلاس فیلو ہیں ثمن کے......پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کو۔"

"میں امی کو بلا کر لاتی ہوں۔" عرشیہ نے جلدی جلدی دو چار جملوں میں امی کو بات بتائی۔ امی بھی آ گئیں۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں......؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم مگر چچی جان نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ مجھے فون کر کے کراچی سے بلوایا۔ یہ بات وہ آپ لوگوں سے کر سکتی تھیں...... مجھے کیوں بلایا؟"

"میں سب سمجھتی ہوں تمہاری چچی کی چالاکیوں کو...... وہ چاہتی ہوں گی کہ تم خود انکار کر دو اور اس طرح وہ سرخرو رہیں۔"

"بہر حال، آپ ابو سے بات کر لیجئے گا۔ خدا کیلئے مجھ سے کوئی شخص اس سلسلے میں بات نہ کرے۔ میں نے سوچا تھا پیر کی چھٹی ہے میں پیر کی شام کو واپس جاؤں گا......مگر اب سوچتا

ہوں۔کل صبح ہی کراچی چلا جاؤں۔"

"تم کیوں فوراً بھاگ رہے ہو...... رکو کل شام تک تمہارے ابو تمہارے چچا کے ساتھ گئے ہیں۔وہ آلیں تو میں بات کروں گی۔"

شام کو ایڈووکیٹ اختر علی گھر آئے تو ان کی بیگم نے آہستہ لفظوں میں پوری کہانی کہہ سنائی۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔انور نے تو مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ابھی تو ہم دونوں ساتھ تھے۔کمال ہے بھابی نے بیٹی کی شادی طے بھی کر دی اور انور کو معلوم نہیں......"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انور کو معلوم نہ ہو۔اگلے ماہ نکاح ہے اور دونوں امریکا جا رہے ہیں۔" حمید بیگم نے کہا۔

"میں ابھی بات کرتا ہوں انور سے۔" وکیل صاحب نے غصے سے کہا۔

"ذرا صبر کریں۔ابھی آپ دونوں تھکے ہوئے آئے ہیں۔شام ہولے تو بات ہوگی۔آپ بھی آرام کریں۔"

"کیا خاک آرام کروں گا۔مجھے تو اب بھی یقین نہیں ہے۔تانیہ بھابی اس حد تک آگے جاسکتی ہیں۔غضب خدا کا ثمن کی تاریخ طے کر رہی ہیں اور کسی کو علم ہی نہیں۔"

"اور چالاک کتنی ہیں تانیہ بھابی...... بالا ہی بالا عابد کو فون کرکے بلالیا اور ہمیں کچھ بتایا بھی نہیں۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔میں تانیہ بیگم کو یہ کھیل نہیں کھیلنے دوں گا۔وہ کس بھول میں ہیں۔"

"آرام سے...... ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ہوسکتا ہے ثمن کی یہی مرضی ہو۔ظاہر ہے آپ لڑکی کی مرضی کے خلاف اسے بہو کیسے بنا سکتے ہیں......؟"

"آپ خاموش رہیں حمید بیگم۔میں جانتا ہوں کس معاملے میں کس طرح بات کی جاتی ہے۔" یہ کہہ کر وکیل صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔

دوسری طرف ڈاکٹر انور علی گھر آئے تو تانیہ بیگم نے ان سے کہا۔

"میں نے عابد سے بات کرلی ہے۔اسے صاف بتا دیا ہے کہ ثمن اور عمیر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور اگلے ماہ ان کا نکاح ہے۔اب براہ مہربانی آپ درمیان میں کچھ نہ کہیے گا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا تانیہ، بھائی صاحب کے سامنے میں کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ کتنے ارمانوں سے ہم دونوں بھائیوں نے ہمیشہ ایک ہوکر رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"آپ اپنے فیصلے اپنے پاس رکھیں...... مجھے ویسے بھی آپ کی بھابی جان ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔میری اور ان کی سوچ میں بہت فرق ہے۔عمیر کے ماں باپ بلکہ پورا خاندان ڈاکٹر ہے۔مجھے ایسی ہی فیملی چاہئے تھی۔سمدھن ایسی ہو جو اپنے ذہن سے مطابقت رکھتی ہو۔"

"کیا خرابی ہے بھابی جان میں......مثالی اخلاق ہے ان کا اور پھر عابد، عابد تو میرا بھتیجا ہی نہیں بیٹا ہے بیٹا۔اس کے ہوتے ہوئے مجھے کبھی بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہوئی لیکن تم نے میرے ارمانوں پر پانی پھیر دیا۔کیسی عورت ہو تم بجائے رشتہ جوڑنے کے توڑ رہی ہو۔تمہیں کبھی کسی کے احساسات کا خیال ہوا نہ جذبات کا۔"

"آپ کچھ بھی کہہ لیں مگر میں بیٹی سے زبردستی نہیں کرسکتی۔میری ایک ہی بیٹی ہے جو کہ اتفاق سے آپ کی بھی ہے۔اسے ڈاکٹر عمیر پسند ہے اور مجھے بھی...... اس میں کوئی ایسی بات نہیں...... آپ نے خوامخواہ کا ایشو بنا لیا ہے۔شادی خوشی کا نام ہے جہاں خوشی ہو وہیں کرنی چاہئے یہ تو صرف زبانی بات تھی نہ منگنی ہوئی تھی نہ کوئی اعلان...... ورنہ نکاح بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔"

"ٹوٹنے کو تو گھر بھی ٹوٹ جاتے ہیں تانیہ بیگم، یہ سب دل بہلاوے کی باتیں ہیں۔"

"بہرحال، میں نے آپ کو پوری بات بتا دی ہے۔ظاہر ہے آپ کے بھائی صاحب کو بھی پتا چل چکا ہوگا۔وہ آپ کو بلائیں گے ضرور اس لئے براہ مہربانی آپ کچھ گڑبڑ نہ کیجئے گا۔"

"بس اب خاموش ہو جاؤ۔میرے سر میں درد ہے۔شام ہوگی تو میں خود جاؤں گی بھائی صاحب کے پاس۔"

تانیہ بیگم نے شوہر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور سنگار میز کے پاس بیٹھ کر اپنی لپ اسٹک کا جائزہ لینے لگیں۔

❀ ❀ ❀

ڈاکٹر انور نے سب سے پہلے ثمن سے بات کی۔اس کا فیصلہ ڈاکٹر عمیر کے حق میں تھا۔

"ثمن تم نے یہ بات پہلے بتائی ہوتی......!"

"ابو جان پہلے عمیر نے مجھ سے بات نہیں کی تھی۔اب اچانک ......!"

"کیا تمہاری امی عمیر سے مل چکی ہیں؟"

"جی ہاں، ابو جان وہ مل چکی ہیں بلکہ عمیر کی والدہ اور امی کی کافی عرصے سے دوستی چل رہی ہے۔امی اور عمیر کی امی کا یہی فیصلہ تھا...... ابو میں جانتی ہوں آپ کو دکھ ہوا ہوگا۔عابد بھائی بہت اچھے انسان ہیں لیکن میرے خیال میں امی نے جو بھی فیصلہ کیا ہے وہ ٹھیک ہے کیونکہ ڈاکٹر عمیر بہت اچھا انسان ہے آپ اس سے مل کر مایوس نہیں ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے یہ کھیل تمہاری امی کا کھیلا ہوا ہے۔" اچانک ثانیہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔انہوں نے شوہر کا جملہ سن لیا تھا۔

"یہ کھیل نہیں ہے۔ڈاکٹر صاحب حقیقت ہے۔میں نے ثمن کا رشتہ عمیر سے طے کر دیا ہے اور ہاں تاریخ بھی رکھ دی ہے۔اگلے ماہ کی پچیس تاریخ کارڈ چھپوا لیجئے گا۔" ڈاکٹر صاحب اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

شام ہوئی تو ڈاکٹر انور اپنے بڑے بھائی ایڈووکیٹ اختر علی کے پاس پہنچے۔

"کہو انور کیسے آنا ہوا......؟" ان کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"بھائی صاحب میں آپ سے شرمندہ ہوں۔معافی مانگنے آیا ہوں میں مجبور ہوں۔یقین کریں مجھے کچھ علم نہ تھا۔میری بیگم نے اندر ہی اندر کون سی کھچڑی پکائی اور خود ہی عابد کو فون کر کے بلا بھیجا۔میری عقل کام نہیں کر رہی ہے...... بھائی صاحب آپ مجھے معاف کر دیں۔"

"تم کیوں معافی مانگ رہے ہو۔انور پہلے میں بہت غصے میں تھا مگر اب سوچ رہا ہوں کہ جو ہونا تھا ہو چکا۔ثمن کی مرضی نہیں ہے۔ایسی شادی کا کیا فائدہ جس میں خوشی شامل نہ ہو۔"

"مگر ثمن کی مرضی تبدیل کرنے میں اس کی ماں کا ہاتھ ہے۔"

"کچھ بھی کہو...... بات تو وہیں آ کر ختم ہوتی ہے کہ ثمن، عمیر سے شادی کر رہی ہے۔انور تمہیں بیٹی کی شادی مبارک ہو۔میں اس کی اچھی زندگی کی دعا کروں گا۔" انور علی کی آنکھ سے آنسو ٹپک گئے اور پھر کہا۔

"عابد کہاں ہے۔میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

عرشیہ عابد کو بلا لائی۔چچا نے بھتیجے کو گلے لگایا اور کہا۔

"عابد بیٹا مجھے معاف کر دینا۔"

"چچا جان آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... کہیں بیٹوں سے بھی معافی مانگی جاتی ہے۔"

"میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا ہی بیٹا سمجھا مگر شاید قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔"

"چچا جان میں اب بھی آپ کا بیٹا ہوں...... آپ دل چھوٹا نہ کریں۔"

"میرے دکھ کا اندازہ تم نہیں کر سکو گے۔شاید کوئی بھی نہ کر سکے اور تمہیں جو دکھ ہم لوگوں کی ذات سے پہنچا ہم اس کی تلافی کرنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"چچا جان مجھے اپنی تذلیل کا احساس ہوا...... اور یہی دکھ سب سے بڑا دکھ ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا! مگر میری طرف سے دل صاف رکھنا۔"

"چچا جان میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔" ڈاکٹر انور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔

❀ ❀ ❀

"بیٹا میں سمجھتی ہوں جو ہوا ٹھیک ہوا۔میری تو ہمیشہ سے خواہش تھی کہ سلمیٰ اس گھر کی بہو بنے مگر تمہارے ابو کی وجہ سے خاموش ہو گئی تھی...... بلکہ چھوٹی کو خط بھی لکھ دیا تھا کہ سلمیٰ کی کسی اچھی جگہ شادی کر دے۔مگر اب حالات دوسرے ہو گئے ہیں۔اب وہ بات جو ختم ہو گئی تھی دوبارہ جوڑی جا سکتی ہے۔" حمیدہ بیگم نے کہا۔عابد علی نے خاموشی سے پہلے ماں کی بات سنی اور پھر کہا۔

"امی اب یہ ممکن نہیں۔جس طرح آج میں ذلت کے احساس سے چور ہوں۔کیا سلمیٰ اس احساس سے نہیں گزری ہوگی...... اور پھر جب ثمن نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تو میں سلمیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں اور اگر ثمن راضی ہوتی تو ہم سلمیٰ کیلئے کبھی نہ سوچتے۔امی وہ بہت حساس لڑکی ہے۔اتنی تذلیل کبھی برداشت نہیں کرے گی۔میں ایک ٹھکرایا ہوا انسان ہوں۔میری قدر و قیمت کم ہو چکی ہے۔میں تو اب چھوٹی خالہ کے گھر جاتے ہوئے بھی جھجک محسوس کروں گا۔اب کس منہ سے سلمیٰ کی طرف ہاتھ بڑھائیں گی آپ امی...... بولیں کیا کہیں گی آپ......؟ یہی کہ ثمن نے آپ کے بیٹے کو ٹھکرا دیا اس لئے اب قربانی کا بکرا سلمیٰ بنے۔نہیں امی، آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔نہ ہی چھوٹی خالہ سے کچھ کہیں گی۔"

"ابھی تو میں خاموش ہوں ...... لیکن ثمن کی شادی کے بعد میں خاموش نہیں رہوں گی عابد۔ تم بیکار کی ضد بحث مت کرو۔ خاندان میں اس طرح کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ رشتے لگتے ہیں، ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"امی پلیز! آپ اب اس بات کا ذکر نہ کریں میں پہلے ہی پریشان ہوں۔"

"لیکن میں اب بہت عرصے تمہیں پریشان اور تنہا نہیں رہنے دوں گی۔"

"امی پلیز ...... مجھے کچھ نہ کہیں۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔ مجھے یونیورسٹی کی فکر بھی ہے، امتحانات ہو رہے ہیں۔ میں جلد از جلد کراچی واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"ضرور جاؤ......شوق سے جاؤ۔ مگر کوئی فکر ذہن پر سوار مت کرنا۔"

"اچھا امی ...... میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" یہ کہہ کر عابد علی کمرے میں چلے گئے۔

❀ ❀ ❀

امتحانات کا آخری پرچہ دے کر ارسلہ باہر نکلی تو شہاب احمد نے اس کے قریب آ کر کہا۔

"ارسلہ، مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے اگر آپ مجھے کچھ وقت دے سکیں۔"

"جی ہاں ضرور...... کیوں نہیں۔"

"تو پھر آئیں ادھر چلتے ہیں، کینٹین کی طرف ......" شہاب احمد نے قدم بڑھا دیئے۔

ارسلہ اس کے پیچھے ہولی۔ کچھ دور چل کر سبز گھاس پر وہ دونوں ایک دوسرے سے تھوڑا ہٹ کر بیٹھ گئے۔

"جی کہیے۔ آپ یوں سب سے الگ مجھے کیوں لائے ہیں۔"

"ارسلہ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس سال بی اے کی ڈگری نکلوا رہا ہوں۔ اب میں یہاں نہیں پڑھوں گا۔"

"ارے، وہ کیوں ...... آپ تو پوزیشن لینے جا رہے ہیں......؟"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ سعدیہ بھی ڈگری نکلوا کر جا رہی ہے۔ اس طرح تو میں بالکل ہی اکیلی ہو جاؤں گی۔"

"ارسلہ میرے پاس وقت نہیں ہے کہیں میری بات ادھوری نہ رہ جائے۔ اس لئے میں اپنی بات مکمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی کہیے......!"

"میں ڈگری نکلوا کر انگلینڈ جا رہا ہوں۔ وہاں سے ایم بی اے کروں گا۔ انگلینڈ میں میرے چچا کی فیملی رہتی ہے انہوں نے ہی سارا انتظام کیا ہے۔ دو سال لگیں گے۔ ان دو سالوں میں آپ بھی ایم اے کر لیں گی۔"

ارسلہ نے شہاب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا گویا وہ جاننا چاہ رہی ہو کہ...... یہ سب کچھ کہنے کا مقصد کیا ہے۔ وہ تھوڑی دیر کو رکا پھر بولا۔

"ارسلہ میں کوئی فلرٹ آدمی نہیں ہوں اور نہ ہی غیر ذمے دار انسان ...... میں آپ جو کچھ کہہ رہا ہوں بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ سوچ سمجھ کر پوری ذمہ داری کے ساتھ۔ میں آپ کو پسند کرتا ہوں بہت زیادہ...... جس کا تذکرہ میں نے اپنی والدہ اور چھوٹی بہن سے کر دیا ہے۔ میرے گھر میں میری اماں اور چھوٹی بہن کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ میری والدہ چاہتی ہے کہ میرے جانے سے قبل اگر آپ اجازت دیں۔ میری امی آپ کی امی سے مل لیں اگر ہماری بات طے ہو جائے تو دو سال بعد ہماری شادی ہو سکتی ہے۔" شہاب احمد کے منہ سے اتنی بڑی بات اچانک سن کر ارسلہ حیران رہ گئی۔

"ارسلہ، آپ نے میری بات کا برا منایا ہے؟"

"نہیں، ایسی بات نہیں۔"

"پھر آپ میری بات کا جواب دیں پلیز۔ میں بہت سیریس ہوں۔"

"شہاب یہ زندگی بھر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کیا اسے یوں کیمپس کے گراؤنڈ میں بیٹھ کر محض ایک جملے سے طے کیا جا سکتا ہے......؟"

"میں صرف آپ کی مرضی پوچھ رہا ہوں۔"

"میں نے ابھی اپنی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ میرے لئے یہ بہت غیر متوقع بات ہے۔"

"لیکن یہ......کوئی بری بات تو نہیں۔ میں تو سیدھا راستہ اختیار کر رہا ہوں۔ میری امی آپ کے گھر آنا چاہتی ہیں۔"

"نہیں شہاب ...... آپ ایسا نہ کریں۔ آپ کو میرے گھر کے مسائل کا علم نہیں۔ میری باجی مجھ سے چار سال بڑی ہیں۔ ان کی شادی میرے خالہ زاد بھائی سے زبانی طور پر طے

ہوئی تھی مگر کسی وجہ سے وہ بات ختم ہو چکی ہے۔ امی باجی کے لئے فکر مند رہتی ہیں۔ ان حالات میں، میں اپنی شادی اور وہ بھی دوران تعلیم' نہیں ایسا ممکن نہیں۔"

"میں نے شادی کی بات نہیں کی ہے۔ میں تو آپ کی رائے پوچھ رہا ہوں۔"

"شہاب آپ مجھ سے ایسا کوئی سوال نہ کریں جس کا جواب میرے پاس نہ ہو۔"

"اس کا مطلب ہے آپ مجھے پسند نہیں کرتیں۔"

"میں آپ کا احترام کرتی ہوں۔"

"لیکن میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔ میں نے ان دو برسوں میں آپ سے کبھی کچھ نہیں کہا مگر آج سب کچھ کہہ دوں گا کیونکہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ کل سے یونیورسٹی میں چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ خواہ آپ میری بات پر یقین کریں یا نہ کریں۔ مجھے کہہ لینے دیجئے اور ارسلہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور میں اپنی اس محبت کی ہمیشہ حفاظت کروں گا۔ آئیں اب چلتے ہیں۔" وہ اچانک اٹھ کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی چپ چاپ چل دی۔ اس کا دماغ الجھا ہوا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ شہاب احمد یوں اس سے اپنے دل کی بات کہہ دے گا۔ شہاب بہت اچھا لڑکا تھا۔ تمام اساتذہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کا مستقبل تابناک تھا وہ جانتی تھی مگر ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

❀ ❀ ❀

اس کے سادہ سے دل پر تو رافع کی تصویر بنی تھی جو مٹ نہیں سکی۔ اگرچہ رافع اور اس کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ رافع نے نگی سے مراسم بڑھا لئے تھے اور خود اس پر جھوٹے الزامات لگائے تھے اور وہ زبانی طور پر رافع کی دنیا سے نکل چکی تھی مگر کیا الفاظ اس کے دل کا ساتھ دے رہے تھے......؟ کیا کبھی رافع اس کے ذہن سے نکل سکے گا؟ شاید کبھی نہیں۔ پورا سال وہ جس طرح شانہ بہ شانہ چلتے رہے۔ رافع نے اسے کس طرح سپورٹ کیا۔ وہ یہ باتیں نہیں بھول سکتی تھی۔ اس نے کئی بار شعوری کوشش کی کہ رافع کو ذہن سے نکال پھینکے مگر وہ ایسا نہ کر سکی اور اب تو رافع یہاں سے جا چکا تھا مگر اسے یوں لگتا وہ یہیں کہیں موجود ہے اس کے آس پاس۔

"مگر کیا کبھی رافع نے بھی میرے بارے میں سوچا ہو گا......؟"

یہ بات وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کلاس روم کی طرف پہنچ گئی جہاں کلاس کی لڑکیاں اور لڑکے باتیں کر رہے تھے۔ سعدیہ نے اسے آتے دیکھا تو بولی۔

"کہاں چلی گئی تھی۔ پیپر دے کر نکلیں تو غائب......؟"

"اب تو آ گئی ہوں۔ اب بولو کب ملو گی۔ کل سے یونیورسٹی بند......مشکل یہ ہے کہ تمہارا گھر ایک کونے پر میرا دوسرے کونے پر۔ پلیز سعدیہ کسی دن کوئی ترکیب کرو میرے گھر آنے کی پورا دن گزارنے کی۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"تم آ جاؤ کسی دن ہمارے گھر تمہارے گھر تو باجی ہیں ان کے ساتھ آ سکتی ہو۔ میں کس کے ساتھ آؤں......؟"

"اچھا دیکھو کچھ نہ کچھ کروں گی۔ ٹیلی فون پر بات ہو جایا کرے گی۔"

"ٹیلی فون سے اچھی ایجاد شاید کوئی اور نہیں۔" سعدیہ نے کہا۔ "اب دیکھو نا جب سے

موبائل چلا ہے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ سنا ہے تنگی اور سر رافع کی اکثر بات چیت ہوتی ہے۔"

"تم سے کس نے کہا؟"

"کہے گا کون...... خود نگہت آرا بیگم اپنے قصے مشہور کرنے میں ماہر ہیں۔ اب ظاہر ہے ایک سے دوسرے کو بات منتقل تو ہوتی ہے نا۔ تو بھئی کچھ نہ کچھ حقیقت بھی ہوگی ان قصوں میں، یہ معاملات یک طرفہ نہیں ہوتے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر ایسی باتیں اپنے پاس رکھی جاتی ہیں۔ پھیلائی نہیں جاتیں۔"

"واقعی عجیب بے پروا لڑکی ہے۔ ویسے اب تو تعلیم مکمل کر لی کسی نہ کسی جگہ جاب لگ جائے گی۔ ہوسکتا ہے کچھ سنجیدگی آجائے اس میں بھی۔"

"انسان کی فطرت کہاں بدلتی ہے...... جو جیسا ہوتا ہے ویسا ہی رہتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو، خیر بھئی ہمیں کیا...... وہ جانیں اور ان کے رافع۔" ارسلہ خاموش ہو گئی۔ رافع کے ذکر پر وہ ہمیشہ خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ اپنے منہ سے کبھی ان کے بارے میں کچھ نہ کہتی تھی۔"

"پوائنٹ کے روانہ ہونے میں ابھی دیر تھی اس وجہ سے اسٹوڈنٹس ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔"

"آؤ ارسلہ، سر علی سے مل کر آتے ہیں کافی دن ہو گئے ان سے بات نہیں ہوئی۔ آج کا پیپر تو ان ہی کا تھا۔ انہیں فکر بھی ہوگی۔"

"ہاں چلو، میں بھی ان سے نہیں مل سکی۔ وہ دونوں علی کے کمرے میں پہنچیں۔ ناک کیا۔"

"کم ان......!" وہ دونوں اندر آگئیں۔

"بیٹھیں...... کیسا ہوا آج کا پیپر......؟"

"بہت اچھا۔ سر آپ نے بہت اچھا پیپر بنایا۔"

"آپ سب بہت محنتی ہیں، اچھا کام کرتی ہیں۔ میرے خیال میں تو آپ کی پوری کلاس ہی اچھی ہے پڑھائی میں۔"

"سر سعدیہ تو اس سال ڈگری نکلوا رہی ہیں۔"

"کیوں سعدیہ، آپ کیوں پڑھائی چھوڑ رہی ہیں؟"

"بس کچھ مجبوریاں ہیں میری......!"

"میں پوچھوں گا نہیں لیکن تعلیم کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہئے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، ہوسکتا ہے آئندہ کبھی میں ماسٹرز کرنے کا خواب پورا کروں۔"

"شیور......"

"اب ہم جائیں سر۔ بس آپ سے ملنے آئے تھے۔" سعدیہ نے کہا۔

"جی ہاں آپ جاسکتی ہیں، تھینک یو۔"

"وہ دونوں علی کے کمرے سے نکلیں تو سعدیہ نے کہا۔"

"مجھے سر علی کچھ پریشان لگ رہے تھے۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔"

"اچھا میں نے تو غور نہیں کیا۔ تھکے ہوئے ہوں گے۔"

"ہوسکتا ہے میرا وہم ہو...... مگر بہت الجھے ہوئے لگ رہے تھے۔"

"کب پوچھو گی؟"

"بھئی گھر جا کر فون کروں گی اور کیسے؟"

"وہ تمہارے گھر آتے ہیں؟"

"بہت دنوں سے نہیں آئے لیکن اب چھٹیاں ہیں تو شاید آئیں۔"

"اب تو وہ حیدرآباد چلے جائیں گے۔"

"یہ تو ہے۔"

"پوائنٹ آگیا تھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے پوائنٹ میں سوار ہو گئیں۔"

"اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔ خالدہ بیگم خود دروازے پر گئیں۔ باقر صاحب آئے تھے۔"

"آئیں باقر بھائی۔ کافی دنوں کے بعد آنا ہوا، آئیں بیٹھیے۔"

باقر صاحب بیٹھ گئے۔

"سلمی، ارسلہ، دیکھو تمہارے باقر ماموں آئے ہیں۔' خالدہ بیگم نے آواز دی۔ دونوں لڑکیاں بھی لاؤنج میں آگئیں۔

"باقر ماموں آپ تو بھول ہی گئے ہم لوگوں کو۔" ارسلہ نے شکوہ کیا۔ "پتا ہے دو دن سے فون کر رہی ہوں، آپ لوگ اٹھاتے ہی نہیں...... کہاں چلے گئے تھے۔"

"ہاں بھئی...... کہیں گئے ہوئے تھے ہم لوگ۔"

"کہاں؟"

"چند دن ہوئے حیدر آباد گئے تھے ہم دونوں...... حمیدہ آپا سے ملنے عابد کا بھی اصرار تھا۔ میں تو ایک دن کے لئے گیا تھا مگر کئی دن رکنا پڑ گیا۔ عابد میاں نے اور سب نے روک لیا۔ دراصل ان کی بھتیجی ثمن کی شادی تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہیں باقر بھائی۔؟" خالدہ بیگم نے کہا۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عابد کی شادی ہو اور آپا جان ہمیں نہ بلائیں۔ ناممکن کس طرح چپ چپاتے شادی کر لی اور عابد...... اس نے بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"خالدہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور تم کیا سن رہی ہو۔ میں نے کہا کہ اختر بھائی کی بھتیجی ثمن کی شادی تھی۔ مجھے تو علم ہی نہ تھا اور انہوں نے ہم لوگوں کو نہیں بلایا تھا ویسے بھی قریبی رشتے داروں کو بلایا جاتا ہے، ہمارا ان لوگوں سے کیا رشتہ...... میں موجود تھا اس لئے شریک ہوگیا۔"

"تو کیا ثمن کی شادی عابد سے نہیں ہوئی؟" خالدہ بیگم اب بھی حیران تھی۔

"بھئی ڈاکٹر ثمن کی شادی ڈاکٹر عمیر سے ہوئی ہے اور وہ بھی بہت جلدی میں...... کیونکہ وہ دونوں اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ روانہ ہو رہے ہیں۔"

"تعجب ہے......!" خالدہ بیگم کو اب بھی یقین نہ تھا۔

"تم کس بات پر تعجب کر رہی ہو۔ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔" باقر صاحب کچھ نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ اب خالدہ بیگم نے مختصر طور پر سلمیٰ اور عابد کے بارے میں بتانے کے بعد اپنے بہنوئی کا فیصلہ بتایا کہ انہوں نے عابد کا رشتہ اپنی بھتیجی سے طے کر دیا تھا۔ جس کا معذرتی خط حمیدہ بیگم نے بھیج دیا تھا مگر تازہ صورتِ حال سے وہ قطعی لاعلم تھیں چنانچہ انہوں نے کہا۔

"باقر بھائی یہ سب کچھ اچانک ہوا کیسے؟ کیا عابد وہاں تھے؟"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ عابد میاں کے سوا وہاں ہے ہی کون جو سارے انتظامات سنبھالتا۔ انہوں نے تو اتنی بھاگ دوڑ کی کہ ڈاکٹر انور کا اپنا بیٹا ہوتا تو بھی اس سے زیادہ نہ کر پاتا۔"

"مگر آپا جان نے مجھ سے کوئی ذکر کیوں نہ کیا۔"

"میں کچھ جانتا تو نہیں مگر اتنا اندازہ ہوگیا تھا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ بہت جلدی میں ہی ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے، حمیدہ آپا اب بتائیں۔" سلمیٰ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ اس کا

دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"یہ کیا ہوگیا اور کیسے ہوگیا؟ کیا اس رشتے سے عابد...... نے انکار کر دیا یا پھر خود ثمن نے؟ عقل کام نہ کرتی تھی۔ ثمن کا رشتہ کسی ڈاکٹر سے ہوا ہے اور وہ دونوں اعلیٰ تعلیم کیلئے امریکہ جا رہے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ پسند کی شادی ہے۔ لڑکا اس کا کلاس فیلو ہے اور اس پسند کا علم عابد کو نہ ہوگا...... بلکہ کسی کو بھی نہیں ہوگا اور خالو جان نے اپنی مرضی سے بھائی کے ساتھ بیٹھ کر اپنے بچوں کا رشتہ طے کر دیا ہوگا۔ مگر حقیقت کیا ہے کچھ خبر نہیں مگر یہ بات بھی درست ہے کہ ثمن کی شادی ہو چکی ہے" سلمیٰ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس خبر پر خوش ہو یا رنجیدہ۔

"یہ سچ ہے کہ میں عابد کو پسند کرتی تھی اور شاید عابد بھی مگر یہ بھی سچ ہے کہ ثمن سے شادی پر وہ رضا مند اور مطمئن تھے...... اور اگر وہ راضی اور مطمئن تھے تو انکار ان کی جانب سے ہو ہی نہیں سکتا بلکہ عابد ایسے انسان نہیں ہیں جو کسی کو دھوکا دیں...... تم بس پھر ایک ہی بات باقی رہ جاتی ہے کہ شادی سے انکار ثمن نے کیا ہوگا۔ عابد کو ٹھکرا دیا گیا۔ جس طرح مجھے ٹھکرایا گیا تھا۔ خالہ جان نے امی کے نام خط بھیجا تھا جو آج بھی میرے پاس حفاظت سے رکھا ہے...... تو کیا اب خالہ جان دوبارہ...... نہیں ایسا شاید ممکن نہیں بلکہ غالباً اسی شرمندگی میں انہوں نے ثمن کی شادی کی بات امی کو نہیں بتائی اگر وہ بات کریں تو پھر بات سے بات نکلتی اور عابد بھی ہمارے گھر نہیں آئے۔ ارسلہ نے ذکر کیا تھا کہ عابد کچھ الجھے الجھے سے نظر آتے ہیں۔ تو کیا انہیں ثمن کے الگ ہو جانے کا غم ہے یا پھر اپنے ٹھکرائے جانے کا احساس۔" سلمیٰ کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے مگر ارسلہ دل ہی دل میں خوش تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"اب میری مہم آسان ہو جائے گی۔ میں باجی اور عابد بھائی کو ایک کرنے میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔" ارسلہ نے چائے دم کی۔ باقر ماموں کو کپ دینے کے بعد سلمیٰ کو پکارنے لگی۔

"باجی آ جائیں، چائے تیار ہے۔"

"سلمیٰ اٹھ کر باہر آگئیں۔"

"باقر ماموں آپ اکیلے آ جاتے ہیں۔ ممانی کو ساتھ کیوں نہیں لاتے......؟"

''ناظمہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی، وہ کم ہی کہیں آتی جاتی ہیں۔ میں انہیں زبردستی حیدرآباد لے گیا تھا کہ طبیعت بحال ہو سکے۔''

''ان کی طبیعت کیا خراب ہے ماموں......؟''

''دراصل انہیں بریسٹ کینسر ہو گیا تھا۔ پچھلے سال آپریشن ہوا ہے۔ ویسے تو وہ ٹھیک ہیں مگر دوائیں جاری ہیں۔''

''ارے یہ بری خبر سنائی آپ نے باقر بھائی......!'' خالدہ بیگم نے کہا۔ ''بھابی بے چاری نے بہت تکلیف اٹھائی ہوگی۔''

''ہاں بہت زیادہ مگر ناظمہ بہت ہمت والی ہیں، ایک تو اتنا بڑا آپریشن اوپر سے کیموتھراپی......اس عمل میں بھی بہت تکلیف ہوتی ہے اور پھر بال بھی گر جاتے ہیں سارے۔''

ارسلہ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ نہ وہ یہ جانتی تھی کہ کیموتھراپی سے بات اتر جاتے ہیں۔

''ماموں تو پھر بال دوبارہ نہیں نکلتے۔''

''آتے ہیں بیٹی......مگر جب بھی تھراپی ہو پھر گر جاتے ہیں۔''

''باقر ماموں آپ تو بہت فکرمند رہتے ہوں گے۔ آپ نے ذکر ہی نہیں کیا تھا۔''

''بیٹی انسان کو ہر حال میں اللہ کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے۔ راضی بہ رضا رہنا چاہیے۔ یہ سب آزمائشیں ہوتی ہیں۔ ہم بندے بے بس ہوتے ہیں......بے اختیار......صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک کہتے ہیں آپ باقر بھائی۔'' خالدہ بیگم نے کہا۔ ''خدا کے کام میں ہم بندوں کا کیا دخل۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گی کہ وہ بھابی کو صحتِ کلی عطا فرمائے۔''

''ہاں خالدہ، میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اللہ کے گھر جا کر بارہا دعا کی ہے۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

''امی آپ چلئے گا باقر ماموں کے گھر۔'' ارسلہ نے کہا۔

''کیوں نہیں......ضرور چلوں گی اور ان دنوں تو چھٹیاں بھی ہیں۔''

''تم جب بھی آنا فون کر دینا میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔''

''یہ تو اور بھی آسان ہو جائے گا۔'' خالدہ بیگم نے کہا۔

اب باقر صاحب کو آئے ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی اس لئے انہوں نے اجازت

چاہی۔

❀ ❀ ❀

رزلٹ آ گیا تھا۔ نگہت آرا نے ایم اے کر لیا مگر باوجود کوشش کے وہ فرسٹ ڈویژن نہ لے سکی۔ سیکنڈ ڈویژن میں کامیابی کے باوجود وہ ایک بینک میں مناسب ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ خوش شکل تھی، خوش لباس تھی، ملازمت کیوں نہ ملتی۔ اس نے فوری طور پر اپنی کامیابی اور ملازمت کی اطلاع رافع کو دی۔ رافع نے بھی مبارک باد دی۔

اب چونکہ پڑھائی ختم ہو چکی تھی اس وجہ سے نگی کے پاس بہت وقت ہوتا ہے۔ وہ رات کے وقت بیٹھ کر تقریباً روزانہ ہی لمبی لمبی ای میل لکھتی اور رافع کو بھیجتی مگر ادھر سے کبھی کبھار ہی جواب آتا۔ نگی شکایت کرتی مگر رافع کی طرف سے کوئی معذرت نہ ہوتی۔ یہ صورت حال نگی کے لئے تکلیف دہ تھی مگر وہ بے بس تھی کر بھی کیا سکتی تھی۔ رافع نے ہمیشہ اپنی مصروفیت اور پڑھائی کی بات کی۔ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے وہ اپنی ذات میں نگی کی بہت زیادہ مداخلت پسند نہیں کرتے۔

بھابی اکثر نگی سے رافع کے بارے میں استفسار کرتیں مگر نگی کے پاس بتانے کے لئے کچھ نہ ہوتا اور اب تو رافع نے نگی کا فون اٹینڈ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا پھر ای میل کے جوابات آنا بھی بند ہو گئے۔ نگی نے جواب میں رافع کو برا بھلا کہا، لکھ کر بھیجا۔ پچھلی باتیں یاد دلائیں مگر اُدھر مکمل خاموشی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ رافع کی طرف سے اس کے دل میں اتنی بے رخی کیوں ہے؟ وہ کیوں بدل گیا ہے؟

''کہیں ایسا تو نہیں ارسلہ نے رافع کو تسخیر کر لیا ہو؟'' ایک فضول سا واہمہ اس کے دل میں ابھرتا مگر یہ واہمہ اپنی موت آپ مر گیا' جب اسے اپنی کزن کے ذریعے پتا چلا کہ سرعلی اور ارسلہ میں بہت اچھی دوستی ہے اور سرعلی اکثر ارسلہ کے گھر بھی جاتے ہیں۔

''ہونہہ......ارسلہ ایسی لڑکی نہیں جسے رافع جیسا شخص اپنے لئے پسند کرتا۔'' نگی نے نخوت سے سوچا مگر وہ رافع کی طرف سے لاتعلقی پر خود کو کوئی الزام نہ دے سکی۔ ''آخر ایسی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ میں نے غلطی کی ہے۔ کون سی کوتاہی ہوئی۔'' اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ وہ بھی انسان تھی اور ایک لڑکی بھی، کب تک خود کو گراتی اور کتنا گراتی۔ اس نے بھی عاجز آ کر رافع کو میل بھیجنی چھوڑ دی۔

رافع نے پٹڑی بدل لی تھی۔ اب ان کی زندگی میں ثریا آ گئی تھی۔ ثریا نے آغا خان سے میڈیکل کیا تھا اور اب امریکہ میں رہائش پذیر تھی۔

ایک دن رافع اپنے ایک دیرینہ دوست کے گھر گئے۔ سلمان اور آمنہ کافی سالوں سے امریکہ میں سیٹ تھے۔ ان کی شادی کو ایک سال ہی ہوا تھا۔ آمنہ، سلمان کی کزن تھی۔ سلمان اور آمنہ نے اپنی شادی کی سالگرہ پر چند قریبی دوستوں کو بلایا تھا، اس موقع پر ثریا بھی آئی تھی جو آمنہ کی قریبی دوست تھی۔

ثریا بہت اکیلی تھی۔ وہ اپنی فطری سادگی کے ساتھ دل میں اتر جانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ دراصل سلمان اور آمنہ نے بطورِ خاص ثریا کو رافع سے ملوایا تھا۔ رافع بھی تو ایسا ہی انسان تھا جس سے مل کر کوئی بھی لڑکی متاثر ہو سکتی تھی۔

رافع کے ذہن میں اب ثریا بستی تھی۔ نگی کا کوئی تصور اب اس کے پاس نہ تھا بلکہ اسی میل اگر کبھی آ بھی جاتی تو وہ اس کے لئے کوفت کا باعث ہوئی۔ کبھی کبھی رافع کو اپنی پرانی سوچ پر حیرت ہوتی اسے کیا ہوا تھا جو نگی جیسی سطحی لڑکی کو پسند کر بیٹھا تھا۔

لڑکیاں تو ایسی ہوتی ہیں جیسی ثریا ہے ذہین، پرخلوص اور سلیقہ مند...... وہ بہت کم باتیں کرتی تھی۔ رافع سے کبھی کبھار فون پر بات ہو جاتی تھی اور جب کبھی چند دن بھی گزر جاتے اور ثریا سے بات نہ ہوتی تو رافع کو عجیب سی بے چینی کا احساس ہوتا۔ ایک کسک...... ایک تڑپ...... اس سے قبل تو انہیں کچھ بھی اس قسم کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہ بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے، ملاقات کی امید رکھتے مگر ثریا اس طرح کی لڑکی نہ تھی کہ خوامخواہ کی دوستیاں کرے اور ادھر ادھر گھومتی پھرے۔ رافع بھی اس کے مزاج کو سمجھتے تھے۔ محتاط انداز میں گفتگو کرتے اور مختصر بات کر کے فون بند کر دیتے پھر رافع نے اپنے دل کی بات سلمان سے کہہ دی۔

”میں ڈاکٹر ثریا کو پسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آئندہ زندگی میں وہ میرے ساتھ ہو۔“ سلمان کو رافع کی بات اچھی لگی۔ اس نے کہا۔

”تم نے اس سلسلے میں ثریا سے بات کی؟“

”نہیں...... میں ان سے بے تکلف نہیں ہوں۔“

”میرے خیال میں تمہیں بات کر لینی چاہئے۔“

”تم آمنہ بھابی سے کہو وہ ثریا کی رائے معلوم کریں، اس کے بعد میں بات کروں گا۔“

”ٹھیک ہے، میں آمنہ سے کہوں گا۔“ سلمان نے کہا۔ اس کے بعد سلمان نے آمنہ سے بات کی اور پھر آمنہ نے ثریا سے۔ آمنہ خود ہی ثریا کے گھر گئی تھی۔

”آج میں تمہارے پاس ایک خاص بات کرنے آئی ہوں۔“

”ارے بھئی ایسی کیا خاص بات ہو گئی، مجھے کہا ہوتا، میں آ جاتی۔“

”بس ہے ایک خاص بات......!“

”اب بتا بھی چکو۔“ آمنہ سیریس ہو گئی اور کہا۔

”دراصل میں رافع کے بارے میں تمہارے خیالات معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے سے واقف ہو چکے ہو۔ تم نے کچھ تو اندازہ لگا ہی لیا ہو گا کہ رافع کس نیچر کا انسان ہے۔“

”لیکن یہ بات تم مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”اس لئے کہ رافع نے خود سلمان سے بات کی ہے۔“

”انہوں نے کیا کہا۔“

”یہی کہ تم انہیں پسند ہو اور وہ تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتے ہیں۔“

”انہوں نے مجھ سے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی کہ میں اس قسم کا اندازہ لگا سکتی ہے۔“

”ہاں، وہ بہت محتاط انسان معلوم ہوتے ہیں، اس لئے مجھ سے بات کرنے کو کہا ہے۔“

”یہ تو اچھی بات ہے۔“

”پھر تم کیا کہتی ہو؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں آمنہ، ابھی تو میری ٹف پڑھائی چل رہی ہے، میں نے اپنی شادی کے بارے میں تو سوچا نہیں ہے پھر یہ زندگی بھر کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس میں بڑوں کا شامل ہونا ضروری ہوتا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو مگر میں تو صرف تمہاری ذاتی رائے پوچھ رہی ہوں۔“

”میرے خیال میں رافع ایک اچھے انسان ہیں۔“

”تمہارے ڈیڈی اور ممی آنے والے تھے کراچی سے۔ کب تک آ رہے ہیں......؟“

”ہاں، وہ ایک ہفتے بعد آئیں گے۔ مختصر قیام ہو گا، تم تو جانتی ہو ڈیڈی نیورو سرجن ہیں،

مصروف انسان ہیں، دراصل وہ ایک سائنسی کانفرنس میں آرہے ہیں اور ممی تو بس میری وجہ سے آرہی ہیں، مجھے دیکھے کافی دن ہو گئے۔''

''تو تم اپنے ڈیڈی اور ممی سے رافع کو ملوا سکتی ہو۔''

''کیوں نہیں ......ضرور......اور ممی تو کچھ دن رکیں گی فوراً واپس نہیں جائیں گی۔''

''میں رافع کو بتا دوں گی، وہ تمہیں فون کر لیں گے۔''

''تم کیا بتاؤ گی؟ آمنہ ان باتوں میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کسی انسان سے چند ایک ملاقاتوں کے بعد کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں تو صرف یہ بتا دوں گی کہ تمہارے ممی ڈیڈی اگلے ہفتے آرہے ہیں بلکہ میں تم سب کو اپنے گھر انوائٹ کروں گی۔ وہیں ملاقات بھی ہو جائے گی۔''

''جیسا تم مناسب سمجھو۔''

''اچھا ثریا اب مجھے اجازت دو۔ مجھے بہت کام ہیں۔ تم سے پھر ملاقات ہو گی۔''

''آمنہ کے جانے کے بعد ثریا دیر تک رافع کے بارے میں سوچتی رہی۔ رافع ایک اچھے انسان تھے اگر وہ اسے شریک سفر بنانا چاہتے ہیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں مگر ابھی رافع بھی پڑھائی کر رہے تھے اور وہ خود بھی بہت مصروف تھی۔ یہ وقت شادی کے لئے مناسب نہ تھا۔''

''ڈیڈی اور ممی آنے والے ہیں۔ وہ بھی رافع سے مل لیں۔ وہ کوئی مناسب رائے دے سکیں گے۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

❀ ❀ ❀
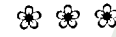
اگلے ۔۔ ثریا کے والدین آ گئے۔ پروگرام کے مطابق آمنہ نے اپنے گھر ان لوگوں کو مدعو کیا جس میں رافع ......بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر ہمدانی کو پہلے ہی سب کچھ بتایا جا چکا تھا۔ رافع سے ڈاکٹر ہمدانی نے تفصیلی بات چیت کی۔ مسز ہمدانی بھی وقفے وقفے سے بات کرتی رہیں۔

دوسرے دن ڈاکٹر ہمدانی نے ثریا سے بات کی اور کہا۔

''میں نے رافع سے بات چیت کی، وہ ایک اچھا لڑکا ہے مگر اس کے والد ایک بزنس مین ہیں۔ ان کے گھر کے ماحول اور ہمارے گھر کے ماحول میں بہت فرق ہے۔''

''ڈیڈی کس قسم کا فرق؟''

''شاید تم میری بات سمجھ نہ سکو ثریا، ہمارے گھرانے میں تعلیم کو اہمیت دی جاتی ہے اور تربیت کو بھی۔ جو لوگ بزنس مائنڈڈ ہوں ان کا طرز فکر دوسرا ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنا فائدہ دیکھتے ہیں۔ نفع، نقصان ان کی گھٹی میں پڑا ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا رافع کا انداز فکر کیا ہے۔ میں نے دنیا زمانے کی ایک بات کی ہے۔ میں کراچی جا کر رافع کے والدین سے ملوں گا۔ اس کے بعد ہی کوئی حتمی رائے دے سکوں گا۔''

''میرے خیال میں رافع، ثریا کے لئے مناسب رہے گا پھر سلمان بھی اسے جانتے ہیں۔'' مسز ہمدانی نے کہا۔

''میں نے مخالفت نہیں کی۔ صرف خیال ظاہر کیا ہے۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

''ثریا تم بولو......تمہاری کیا رائے ہے؟'' مسز ہمدانی نے کہا۔

''امی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ مجھے زندگی کا کوئی خاص تجربہ بھی نہیں کیونکہ میں ہمیشہ سے الگ تھلگ رہنے کی عادی ہوں۔ بہت کم کسی سے فری ہوتی ہوں۔ اسی لئے میری معلومات بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ رافع سے میں کئی بار ملی ہوں۔ بظاہر میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس پر اعتراض کیا جا سکے۔''

''ثریا ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' مسز ہمدانی نے کہا۔ ''اگر یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کر رہے ہیں تو ہمیں بھی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔''

''امی میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی ہے۔'' ثریا نے جلدی سے کہا۔ ''میں تو رافع صاحب کو ٹھیک سے جانتی بھی نہیں۔''

''ان کاموں میں جلدی نہیں ہوتی۔'' ڈاکٹر ہمدانی نے کہا۔ ''پھر ہمارے پاس رشتوں کی کمی نہیں۔ ثریا کے لئے دو تین رشتے ہیں میرے پاس مگر میں نے کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی اس لئے کہ ابھی ثریا کی تعلیم ختم نہیں ہوئی۔''

''لیکن یہی وقت ہوتا ہے کہ لڑکی کی شادی کہیں طے ہو جائے۔'' مسز ہمدانی نے کہا۔

''عمر نکل جائے تو مشکل ہو جاتی ہے۔''

''اگر رافع اس معاملے میں سنجیدہ ہیں تو وہ ضرور اپنے والدین سے بات کریں گے اور اگر وہ ہم سے ملنے آئے تو ہم انہیں ویلکم کریں گے۔ تم اطمینان رکھو اور ہاں مجھے ثریا کی خوشی

عزیز ہے۔ میں کبھی بھی اس کے لئے برا نہیں سوچوں گا۔'' ڈاکٹر صاحب ایک سائنسی کانفرنس اٹینڈ کرنے آئے تھے وہ جلدی کراچی واپس چلے گئے۔ مسز ہمدانی رک گئی تھیں۔''

ثریا ان کی ایک ہی بیٹی تھی۔ وہ اسے بہت چاہتی تھیں۔ ثریا تھی بھی اتنی ہی اچھی، نیک اور فرمانبردار۔

مسز ہمدانی ایک ماہ رہیں اس دوران وہ کئی بار رافع سے ملیں اور اس کے لئے اپنے ذہن میں ایک مثبت رائے رکھتے ہوئے وطن واپس چلی گئیں۔

❀ ❀ ❀
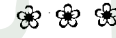
رافع کو کچھ ضروری سامان خریدنا تھا۔ وہ ایک شاپنگ سنٹر میں گھوم پھر کر چیزیں دیکھ رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر ثریا پر پڑی۔ وہ شاپنگ بیگ تھامے اب نکلنے والی تھی۔ رافع کا دل خوش ہوگیا۔ ابھی وہ اس کے بارے میں سوچ رہے تھے اور وہ نظر آ گئی۔ کبھی کبھی آرزوئیں بھی پوری ہو جاتی ہیں۔

''ہیلو ثریا۔'' وہ پیچھے سے بولے تو وہ فوراً پلٹی۔''

''ارے رافع آپ...... آپ کیسے ہیں؟''

''بالکل ٹھیک ٹھاک، بہت دن ہو گئے تھے آپ سے ملے ہوئے، عجیب اتفاق ہے کہ آج آپ مل گئیں۔''

''آپ کچھ خریدنے آئے ہیں؟''

''کچھ خاص نہیں۔ دو ایک چیزیں لینی تھیں وہ لے چکا اور آپ؟''

''میں بھی خریداری مکمل کر چکی ہوں۔''

''تو پھر آئیں باہر چلتے ہیں۔ ایک کپ کافی پینا پسند کریں گی؟''

''ضرور...... یہ سامنے ہے کافی ہاؤس۔'' وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے کافی ہاؤس میں داخل ہو گئے۔ کنارے پڑی ہوئی میز پر انہوں نے اپنی نشست سنبھالی۔ کافی پیتے ہوئے رافع نے ثریا پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی پھر کہا۔

''میں نہیں جانتا آپ کے ڈیڈی کے تاثرات کیا ہیں مگر میں آج آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''کہئے...... میں سن رہی ہوں۔''

''شاید آپ کو یقین نہ آئے۔ مجھے تو دل کی بات کہنی آتی بھی نہیں مگر میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔ میں آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ میں نے ہر پہلو پر غور کیا ہے، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں آپ کے بغیر نامکمل ہوں، ادھورا ہوں، ثریا پلیز...... آپ میرے جذبات کو سمجھیں...... میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔''

''آپ تو مجھے زیادہ جانتے بھی نہیں...... پھر آپ نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلیا۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ کو بہت زیادہ جانتا ہوں...... اتنا کہ کسی اور کو نہیں......!''

''تو میں اسے ایک جذباتی جملہ سمجھوں گی، رافع صاحب میں ڈاکٹر ہوں۔ ڈاکٹروں کی زندگی بہت مختلف ہوتی ہے۔ مصروف اور محنت طلب...... پتا نہیں آپ مجھ جیسی پریکٹیکل لڑکی کے ساتھ خوش رہ بھی سکیں گے یا نہیں۔''

''میں بھی اپنا ایم ایس کر رہا ہوں پھر یہ پی ایچ ڈی میں کنورٹ ہو جائے گا اور میرے نام کے ساتھ بھی ڈاکٹر لگ جائے گا۔''

''ابھی ان مراحل میں بہت وقت ہے رافع صاحب۔''

''یہ مراحل ہم دونوں ایک ساتھ مل کر بھی طے کر سکتے ہیں۔''

''وہ کس طرح؟''

''ہم شادی کرلیں گے۔ میرا مطلب ہے اپنے والدین کی مرضی سے...... پھر ہم دونوں ایک ساتھ مل کر زندگی کی جدوجہد میں شانہ بشانہ ہوں گے۔ ہماری زندگی میں سکون ہوگا ہم زیادہ بہتر طور پر کام کرسکیں گے۔''

''کیا یہ وقت شادی کے لئے مناسب ہے؟'' ثریا نے کچھ سوچ کر کہا۔

''کیوں نہیں۔ یہی وقت ہے شادی کا خوشی منانے کا...... جو وقت گزر جاتا ہے وہ پھر کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ میں نہیں چاہتا زندگی کے اتنے خوبصورت دن یونہی ضائع ہو جائیں۔''

''آپ مجھے سوچنے کے لئے کچھ وقت دیں۔'' ثریا نے کہا۔ ''میں آپ کو چند دن بعد بتاؤں گی۔'' ثریا نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ اس کے والدین کی طرف سے اسے ایک مثبت اشارہ مل چکا تھا۔

''ابھی بتا دیجئے پلیز...... ثریا میں آپ سے شدید محبت کرتا ہوں۔'' رافع نے اپنا مضبوط ہاتھ...... ثریا کے خوبصورت ہاتھ پر رکھ دیا۔ ثریا نے اپنا ہاتھ ہٹانے کی مدھم سی کوشش کی مگر

رافع کی گرفت مضبوط تھی۔

"نہیں ثریا...... یہ ہاتھ میں نے چھوڑنے کے لئے نہیں تھاما...... تمہیں ابھی اقرار کرنا ہوگا اسی وقت۔" ثریا کشمکش میں پڑ گئی۔ وہ کیا کرتی۔ وہ بھی ایک نوجوان لڑکی تھی جس کے سینے میں ایک دل تھا' جو اب کچھ دنوں سے رافع کے لئے دھڑکنے لگا تھا مگر وہ اپنے دلی جذبات ظاہر نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر کہا۔

"جیسی آپ کی مرضی...... اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"بالکل سچ۔"

"تھینک یو۔"

"آئیں اب چلتے ہیں۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔ میری کلاس فیلوز میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"چلو۔" رافع اور ثریا کیفے سے باہر نکل آئے اور اپنی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو کر واپس چلے گئے۔"

❀ ❀ ❀

چھاجوں پانی برس رہا تھا۔ وہ اپنے فلیٹ کی بالکنی میں کھڑی برستی بارش کا نظارہ کر رہی تھی۔ دوسری منزل سے دور دور تک کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ہر طرف پانی ہی پانی...... سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ اِکا دُکا آہستہ آہستہ رینگتی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ اچانک بادل گرجا۔ بجلی چمکی اور بارش کی تیزی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ دن کا وقت تھا مگر سیاہ بادلوں کی وجہ سے اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ اتنے میں لائٹ بھی چلی گئی۔ فلیٹ کے اندر گھپ اندھیرا ہوگیا۔

خالدہ بیگم اور سلمیٰ دونوں کمروں میں لیٹی تھیں مگر ارسلہ اسی طرح کھڑی تھی۔ ایک بار خالدہ بیگم نے پکارا بھی تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اسے آج گزری ہوئی برسات کا وہ لمحہ یاد آ رہا تھا جب رافع اسے چھوڑنے اس کے گھر آ رہے تھے مگر بارش کی تیز رفتاری کے باعث انہیں راستے ہی میں رکنا پڑ گیا تھا اور وہ سہمی ہوئی چڑیا کے مانند ان کے برابر بیٹھی تھی اور جب بادل زور سے گرجا تھا تو اس نے ڈر کر رافع کا بازو تھام لیا تھا۔

رافع کو وہ بھول نہ پائی تھی...... کیا کسی کو بھول جانا اتنا آسان ہوتا ہے، رافع کے ساتھ

گزارے ہوئے ہر لمحے کی داستان اسے ازبر تھی۔ اس کے دل پر لکھی تھی۔

پورا ایک سال وہ دونوں ایک ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے مگر پھر سب کچھ بدل گیا۔ رافع نے نگی کو دوست بنا لیا تھا اور اب وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی...... اسے یہ ضرور معلوم تھا کہ نگی ایک بنک میں ملازمت کرتی ہے مگر رافع سے اس کا رابطہ ہے یا نہیں...... یہ بات اس کے علم میں نہ تھی مگر لوگ کہتے تھے کہ رافع اور نگی ایک ہو جائیں گے۔

رافع اب یونیورسٹی سے جا چکے تھے اور نگی بھی چلی گئی تھی۔ اس لئے آہستہ آہستہ لوگ بھی سب کچھ بھولتے جا رہے تھے مگر ارسلہ کو کچھ بھی نہیں بھولا تھا۔ آج اسے رافع کی بہت یاد آ رہی تھی۔ اس کی ایک وجہ تھی۔ صبح ہی صبح شہاب احمد نے اسے فون کیا تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ جا رہا تھا۔ یہ الوداعی فون تھا۔

"ارسلہ، میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ وہ جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔

"پلیز، کچھ تو کہیے...... کوئی ایک بات، ایک جملہ، ایک لفظ ہی سہی۔" اس کے لہجے میں نہ جانے کیسا درد تھا۔

"میں آپ کے جذبے کی قدر کرتی ہوں شہاب مگر میں آپ کو کچھ دے نہیں سکوں گی۔ میں ایک کمزور لڑکی ہوں اور میرے سامنے بے شمار مسائل...... شاید میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔"

"ارسلہ میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اب جا رہا ہوں، خدا حافظ۔"

"خدا حافظ، میں آپ کی کامیابی کی دعا کروں گی۔" پھر فون بند ہوگیا۔

وہ شہاب احمد کے جذبے کو سمجھتی تھی، محسوس کرسکتی تھی مگر جواب میں کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس کی اپنی زندگی کے مسائل اور رافع کی یاد جو اس کے من میں سمائی تھی۔ اس نے بہت کوشش کی، بہت چاہا اسے بھول جائے مگر نہیں بھول سکی۔ وہ جانتی تھی وہ اب رافع سے کبھی نہیں ملے گی مگر وہ خود کو سمجھا نہ سکی اور اب شہاب بھی چلا گیا تھا۔

اس کی دوست سعدیہ کی شادی قاسم سے طے پا گئی تھی مگر ماں باپ کے درمیان ناچاقی ہوگئی تھی اور آپس میں بول چال بند تھی۔ سعدیہ بھی ڈگری نکلوا کر یونیورسٹی سے جا چکی تھی۔ کبھی کبھی ٹیلی فون پر بات ہو جاتی، ایک دوسرے کے گھر جانا تقریباً ناممکن تھا کیونکہ شہر کے ایک

کونے پر ارسلہ اور دوسرے کونے پر سعدیہ رہتی تھی۔

سعدیہ کی جگہ اب الماس نے لے لی تھی۔ اس سال ایم اے پر یولیس میں داخل ہونے والی طالبات میں اس کی پرانی سکول فیلو الماس بھی تھی۔

الماس نے صرف ابتدائی جماعتوں میں اس کے ساتھ پڑھا تھا اس کے بعد اس نے سکول تبدیل کر لیا تھا۔ پھر کسی اور کالج میں پڑھا۔ یوں اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی مگر اب ایک طویل عرصے بعد وہ پھر آن ملی تھی۔ وہ سوچتے سوچتے نہ جانے کہاں نکل گئی تھی کہ خالدہ بیگم اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں۔

"یہاں ٹھنڈ میں کیوں کھڑی ہو...... اندر آ جاؤ۔"

"امی مجھے برستی بارش اچھی لگتی ہے۔"

"تو کب تک دیکھو گی بارش۔ اچھی خاصی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ گرم چائے پینے کا دل چاہ رہا ہے۔"

"ابھی بناتی ہوں۔" ارسلہ اندر آ گئی۔ "بجلی بھی تو نہیں ہے باورچی خانے میں کتنا اندھیرا ہے۔"

"موم بتی جلا لو ادھر رکھی ہے۔" ارسلہ نے موم بتی جلائی تو اس کی پیلی پیلی روشنی چھوٹے سے کچن میں پھیل گئی۔ ایک روبوٹ کے مانند اس نے چائے دم کی اور میز پر رکھ دی۔ اس کا ذہن ابھی بھی وہیں تھا۔

کبھی کبھی یونہی ہوتا ہے۔ ہم جہاں ہوتے ہیں وہاں نہیں ہوتے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔ خیالات اور تصورات کی دنیا سجائے سجائے انسان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

"تم کن خیالوں میں گم ہو؟" خالدہ بیگم نے ٹوک دیا۔ "چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"
اس نے جلدی سے پیالی اٹھالی اور بڑے بڑے گھونٹ لینے لگی۔

❀ ❀ ❀

ایڈووکیٹ اختر علی کے گھر عابد کی شادی کا مسئلہ زیرِ غور تھا۔ ثمن حسب پروگرام اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ جا چکی تھی۔

حمیدہ بیگم کی خواہش اپنی جگہ پر تھی۔ وہ ہر حال میں سلمٰی ہی کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں۔ دل ہی دل میں وہ ثمن کی شادی ہو جانے پر خوش بھی تھیں، اس کی وجہ ثانیہ بیگم تھیں۔ اختر علی

بھی بھاوج کو ناپسند کرتے تھے مگر بھائی کی محبت میں بھتیجی کو بہو بنا رہے تھے اور ثمن تھی بھی اچھی، اپنی ماں سے مختلف لیکن اب وہ بات ہی ختم ہو چکی تھی۔

"پھر آپ نے کیا سوچا ہے عابد کے لئے......؟" حمیدہ بیگم نے پوچھا۔

"تم سلمٰی کو بہو بنانا چاہتی تھیں بنا لو، اب کیا رکاوٹ ہے......؟" اختر علی نے بے دلی سے کہا۔

"آپ کو سلمٰی پسند نہیں ہے کیا؟"

"یہ میں نے کب کہا اگر تم اور عابد بھی یہی چاہتے ہو تو میں تم سب کی خوشی میں خوش ہوں۔"

"تو پھر اس سلسلے میں میں اب آپ ہی کو پیش قدمی کرنی ہوگی۔"

"تمہاری بہن ہیں، تم ہی بات کرو اگر باقی بھائی زندہ ہوتے تو میں ان سے بات کرتا۔"

"امی، پہلے آپ بھائی جان سے تو پوچھ لیں۔" عرشیہ نے کہا

"کیا مطلب؟ کیا عابد اس رشتہ پر راضی نہیں ہیں۔" وکیل صاحب نے جرح کی۔

"یہ بات نہیں۔" حمیدہ بیگم نے کہا۔ "دراصل میں خالدہ کو خط بھیج چکی تھی عابد کی شادی ثمن سے طے ہو گئی ہے لہٰذا وہ جہاں چاہیں سلمٰی کی شادی کر دیں۔ یعنی ایک طرح سے ہم انکار کر چکے تھے۔ اب عابد کو وہی بات دہراتے شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"تم نے عابد سے بات کی تھی؟"

"ذکر کیا تھا تو عابد نے یہی جواب دیا تھا۔"

"اس وقت تو مجبوری تھی اور پھر یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں۔ رشتے داری میں سب اسی طرح ہوتا ہے۔ ایک سے بات نہیں بن سکی تو دوسری جگہ ہو گئی بس لڑکے اور لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔" وکیل صاحب نے کہا۔

"میں عابد سے بات کروں گی۔" حمیدہ بیگم نے کہا۔

"امی آپ آج ہی بات کر لیں۔ فون پر بات کر لیجئے کہیں ایسا نہ ہو سلمٰی باجی کی شادی کہیں اور ہو جائے۔" عرشیہ نے جلدی سے کہا۔

"خیر اب اتنی جلدی رشتہ ملنے سے رہا، آج کل لڑکے ملتے کہاں ہیں پھر تمہاری چھوٹی

خالہ کے حالات۔" وکیل صاحب نے کہہ ہی دیا۔ حمیدہ بیگم برا مان گئیں۔

"یہ آپ نے کیسی بات کہہ دی۔ مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔ اچھے لڑکے پھر بھی مل جاتے ہیں لیکن اچھی لڑکی بہت مشکل سے ملتی ہے۔ میری ایک بات یاد رکھیں لڑکی کی شادی اگر کسی معمولی جگہ بھی ہو جائے تو وہ اپنی سمجھداری سے بچوں کی اچھی تربیت کرتی ہے۔ شوہر کے سوعیبوں پر پردہ ڈال دیتی ہے لیکن اگر ایک لڑکے کی شادی خدانخواستہ غلط ہو جائے، کوئی نک چڑھی گھر آ جائے تو پورے گھرانے کا سکون برباد ہو جاتا ہے اور خاندان کے لوگ ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں۔"

"تم خوامخواہ ناراض ہو، میں نے اپنی رضامندی دے دی ہے۔ عابد سے بات کرلو اور پھر چھوٹی سے بھی، جس طرح چاہو بات طے کرلو۔" یہ کہہ کر وکیل صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ رات کو حمیدہ بیگم نے بیٹے کو فون کیا اور تمام گفتگو سے آگاہ کیا۔ پھر بولیں۔

"تم آ جاؤ کسی دن تو ساری بات طے ہو سکے۔"

"امی مجھے ڈر ہے کہ سلمیٰ انکار کردے گی اور میں تو خود بھی شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔"

"سلمیٰ انکار نہیں کرے گی، میں خود اسے مناؤں گی تم اپنی بات کرو۔"

"امی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کوئی بات ہے ہی نہیں، گھر کی بات ہے تو میں ابھی فون کروں چھوٹی کو۔"

"امی اس طرح مناسب نہیں ہوگا۔"

"پھر تم ہی بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے......؟"

"آپ کو خود کراچی آنا پڑے گا۔ آپ خود چھوٹی خالہ سے بات کریں آ کر۔"

"تب بھی تمہیں ہی آنا پڑے گا۔ تم اپنے ساتھ لے جانا مجھے۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کو کراچی لے آؤں گا مگر آپ چھوٹی خالہ سے اتنی بات کر لیجئے گا کہ آپ ان کے گھر آ رہی ہیں۔ وجہ مت بتایئے گا۔"

"جیسا تم کہو، میں چھوٹی کو فون کروں گی کہ اس کے گھر رہنے آ رہی ہوں۔ دو تین دن رہ لوں گی ویسے بھی کافی دن ہو گئے ملے ہوئے۔"

"پرسوں ہفتہ ہے، میں آ جاؤں گا اور اتوار کو آپ کو چھوٹی خالہ کے گھر پہنچا دوں گا۔"

"حمیدہ بیگم نے فون رکھا تو عرشیہ نے کہا۔"

"امی میں بھی آپ کے سات چھوٹی خالہ کے گھر چلوں گی۔ ان دنوں میری چھٹیاں ہیں۔"

"ضرور چلنا، ارسلہ سے تو تمہاری خوب دوستی ہے۔" حسب پروگرام عابد ہفتے کی شام حیدرآباد پہنچے تو تفصیل سے بات ہوئی۔ حمیدہ بیگم نے خالدہ بیگم کو فون کیا۔

"چھوٹی کیسی ہو۔ بہت دن سے خیریت نہیں ملی۔"

"بس ٹھیک ہوں آپا جان۔ مجھے تو فون کرنے کی عادت نہیں اور کوئی دوسرا بھی تو فون نہیں کرتا۔ خیریت کیسے ملے۔"

"بس تو اب شکوہ دور...... میں تمہارے گھر رہنے آ رہی ہوں دو تین دن کے لئے۔ عرشیہ بھی ساتھ آئے گی۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے آپا جان...... کب آ رہے ہیں آپ لوگ......؟"

"کل شام تک پہنچیں گے۔ عابد آئے ہوئے تھے میں نے سوچا ان ہی کے ساتھ کراچی نکل لوں گی۔"

"ارسلہ تو بہت خوش ہوگی عرشیہ کے آنے سے اور ہمارے سونے گھر میں بھی بہار آ جائے گی۔"

"سلمیٰ بیٹی کیسی ہے؟۔"

"اللہ کا شکر ہے، خوش ہے۔"

"اچھا پھر کل ملاقات ہوگی۔"

"انشاء اللہ۔" حمیدہ بیگم نے فون رکھ دیا۔ خالدہ بیگم کو تعجب بھی تھا اور خوشی بھی۔ آخر بڑی بہن کو خیال آ ہی گیا چھوٹی بہن کی تنہائی کا۔

"سلمیٰ، ارسلہ۔" خالدہ بیگم آواز دینے لگیں۔ ان کے لہجے میں خوشی کا عنصر واضح تھا۔

"کیا بات ہے امی...... کس کا فون تھا۔ آپ بہت خوش ہیں؟" ارسلہ نے پوچھا۔ سلمیٰ بھی کمرے سے نکل آئی تھی۔

"خوش ہو جاؤ۔ کل تمہاری خالہ جان اور عرشیہ آ ہی ہیں ہمارے گھر دو تین دن رہیں گی۔"

"یہ اچانک خالہ جان کو کیا ہو گیا......؟" ارسلہ بول پڑی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ خالہ ہیں تمہاری، کیا رہنے نہیں آسکتیں اور عرشیہ تو تمہاری دوست ہے۔"

"یہ سب درست ہے امی...... مگر مجھے تو کوئی اور ہی بات لگ رہی ہے۔" ارسلہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کون سی بات؟"

"ہوسکتا ہے خالہ جان باجی کے لئے آ رہی ہوں کیونکہ عابد بھائی اور ثمن والی بات تو ختم ہو چکی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ میں تو ہر دم دعا کرتی ہوں سلمیٰ کے لئے۔" سلمیٰ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے قبل از وقت کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہ سمجھا مگر دل ہی دل میں سمجھ رہی تھی کہ ارسلہ کا قیاس درست لگتا ہے ورنہ یوں وہ رہنے آنے کا پروگرام نہ بناتیں۔

سلمیٰ عابد کو پسند کرتی تھی۔ اس نے کم عمری سے اپنے نام کے ساتھ عابد کا نام سنا تھا۔

"عابد نے بھی اپنی پسند کا اظہار کیا تھا مگر پھر جب فیصلے کا وقت آیا تو اپنے باپ کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ یہ خوشی ثمن سے شادی پر راضی ہو گئے اور جب ثمن نے انہیں ٹھکرا دیا تو واپس میری طرف آ رہے ہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں کوئی گری پڑی شے نہیں ہوں جب چاہا اٹھا لیا جب چاہا کونے میں پھینک دیا اگر عابد کو واقعی میرا خیال ہوتا تو پہلے بھی اپنی پسند پر ڈٹ سکتے تھے۔ کسی کے ماں باپ کسی لڑکے کی شادی اس کی مرضی کے خلاف نہیں کر سکتے۔ یہ تو لڑکیاں ہوتی ہیں بے بس بے زبان۔"

"اب تم کس سوچ میں پڑ گئیں؟" خالدہ بیگم نے سلمیٰ کو ٹوکا۔ "آپا جان کی آمد کی خبر سن کر تم خوش نہیں ہوئیں؟"

"مجھے معلوم نہیں کہ کس بات پر خوش ہونا چاہئے کس بات پر غم زدہ ہونا چاہئے۔ امی پلیز آپ مجھے کسی آزمائش میں مت ڈالیے گا۔" یہ کہہ کر سلمیٰ، خالدہ بیگم کے پاس سے اٹھ گئی۔

"دیکھ رہی ہو سلمیٰ کے تیور۔" خالدہ بیگم نے ارسلہ سے کہا۔ "اگر آپا جان نے عابد اور سلمیٰ کی شادی کی بات کی تو میں فوراً تاریخ دے دوں گی۔ ایک منٹ نہیں لگاؤں گی، تم یہ سمجھا دینا اپنی باجی کو۔"

"امی آپ خالہ کو آنے تو دیں...... پھر بات کیجئے گا۔" ارسلہ نے بات ختم کی۔

❀ ❀ ❀

دوسرے دن پروگرام کے مطابق عابد اپنی ماں اور بہن کو لے کر آ گئے۔ بہت دنوں کے بعد سب آپس میں ملے تھے اس لئے چھوٹے سے گھر میں خوب رونق تھی۔ ارسلہ اور سلمیٰ نے مل کر کھانے پینے کی کافی چیزیں پہلے ہی تیار کر کے رکھ لی تھیں۔ اگرچہ عابد جانا چاہ رہے تھے مگر سب نے رات کے کھانے پر روک لیا۔

"کھانے کے بعد دیر تک سب باتیں کرتے رہے۔ عابد اپنے ہاسٹل چلے گئے۔ لڑکیاں اپنے کمرے میں جہاں ایک طرف عرشیہ کا پلنگ بھی ڈال دیا گیا تھا۔ خالدہ بیگم اور آپا جان ایک کمرے میں تھیں۔ دونوں بہنیں جب اطمینان سے بستر پر لیٹیں اور انہیں تنہائی نصیب ہوئی تو حمیدہ بیگم نے بات شروع کی۔"

"چھوٹی مجھے تم سے ایک خاص بات کرنی ہے بلکہ میں آئی ہی اسی لئے ہوں۔" خالدہ بیگم کا دل دھڑک اٹھا۔

"جی کہئے آپا جان، میں سن رہی ہوں۔"

"پہلے وعدہ کرو کہ تم میری بات مان لوگی۔"

"آپا جان ایسی بھلا کون سی بات ہوسکتی ہے کہ آپ کہیں اور میں منع کر دوں۔"

"میں عابد اور سلمیٰ کی بات طے کرنے آئی ہوں۔ دیکھو چھوٹی گزری ہوئی باتوں کو دہرانے نہ بیٹھ جانا۔ جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا مگر اب میں تاریخ لے کر جاؤں گی۔"

"آپا جان یہ تو میرے دل کی آرزو تھی اور ہے مگر اب سلمیٰ سے پوچھنا ضروری ہے کیونکہ جو کچھ ہوا تھا وہ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔"

"ہاں، میں مانتی ہوں میرے خط نے تم سب کو دکھ دیا ہوگا مگر میں مجبور تھی۔ وکیل صاحب کو قائل کرنا میرے بس میں نہیں تھا مگر اب تو معاملہ ہی ختم ہو گیا۔ یقین کرو مجھے اس رشتے کے ختم ہو جانے کی خوشی ہوئی ہے۔ ثانیہ بیگم مجھے کبھی بھی پسند نہ تھیں۔ ویسے ثمن اچھی لڑکی ہے لیکن عابد اور میں بھی سلمیٰ کو ہی پسند کرتے تھے اور آج بھی ہماری پسند وہی ہے۔ ہم لوگ بڑی امید لے کر آئے ہیں، دیکھو ہمیں مایوس نہ کرنا۔"

"آپا جان آپ اطمینان رکھیں۔ میں کل ہی سلمیٰ سے بات کروں گی۔" بہت دیر تک

دونوں بہنیں اپنے اپنے گھروں کی باتیں کرتی رہیں، پرانے قصے دہراتی رہیں۔ بالآخر لائٹ بند کر کے سونے لیٹ گئیں۔

❀ ❀ ❀

خالدہ بیگم نے سلمیٰ سے بات کی مگر اس نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ وہ اس سلسلے میں کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس کا دل بجھا ہوا تھا۔ ٹھکرائے جانے کا احساس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اسے عابد سے بھی شکایت تھی۔

"اس وقت ان کی زبان کیوں خاموش تھی جب ان کے والد صاحب اپنی بھتیجی سے رشتہ طے کر رہے تھے اور اب وہ مجھ سے کیا لینے آئے ہیں اگر ثمن انکار نہ کرتی تو...... عابد ایک خوش خرم زندگی گزار رہے ہوتے۔ خالہ جان نے کس بے دردی سے رشتہ توڑا تھا اور پھر ہم لوگوں سے کوئی رابطہ نہ رکھا مگر اب وہ اپنی سب زیادتیاں بھلا کر اس طرح بات کر رہی ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ انہیں میرے جذبات کا خیال ہے اور نہ احساسات کا۔ میں کوئی بے جان مورتی نہیں ہوں۔ میں ہرگز ان کی بات نہیں مانوں گی۔ انہیں اسی طرح واپس جانا ہوگا۔"

سلمیٰ نے سب کچھ ارسلہ سے کہہ دیا تھا۔ ارسلہ اپنے طور پر سمجھا سمجھا کر خوش آمد کر کے تھک چکی تھی مگر سلمیٰ کچھ سننے کی روادار نہ تھی۔ آج ارسلہ نے یونیورسٹی کی چھٹی کی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس مسئلے کو کس طرح حل کرے پھر اچانک اس نے سوچا۔ "میں عابد بھائی کو فون کر کے بلا لوں۔ وہی باجی کو راضی کر سکتے ہیں۔" اس نے چپ چاپ اپنے موبائل سے عابد کو فون کیا۔ عابد اسی وقت کلاس لے کر اپنے کمرے میں فارغ بیٹھے تھے کہ موبائل بج اٹھا۔

"عابد بھائی مجھے آپ سے بے حد ضروری بات کرنی ہے اگر آپ اس وقت فارغ ہوں تو......؟"

"بات کرو ارسلہ، میں فارغ ہوں اور کمرے میں کوئی نہیں ہے۔"

"کیا آج شام آپ ہمارے گھر آ سکتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں...... مگر تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔"

"میں پریشان نہیں ہوں فکرمند ہوں۔ عابد بھائی اس مسئلے کو آپ ہی حل کر سکتے ہیں۔"

"مگر مسئلہ بھی تو معلوم ہو۔"

"خالہ جان جس مقصد کے لئے ہمارے گھر آئی ہیں وہ مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔

باجی سخت ناراض ہیں انہوں نے مکمل خاموشی اختیار کر لی ہے پلیز...... آپ آ جائیں پھر ہم ساحل سمندر چلیں گے۔ باجی کو بھی لے چلیں گے۔ آپ خود ان سے بات کر لیجئے گا۔"

"مجھے ڈر تھا کہ سلمیٰ انکار کر دے گی لیکن میں اسے منا لوں گا۔ ارسلہ تمہارا شکریہ...... تم بہت اچھی بہن ہو۔"

"عابد بھائی میری بلکہ ہم سب کی دلی تمنا ہے کہ آپ اور باجی ایک ہو جائیں۔ میری امی کی شاید سب سے بڑی آرزو اب یہی ہے۔"

"چھوٹی خالہ کی آرزو ضرور پوری ہوگی۔ سلمیٰ کو ان کی بات ماننی ہوگی...... میں شام کو آؤں گا، خدا حافظ۔" عابد نے فون بند کر دیا۔ ارسلہ مطمئن ہو گئیں۔

شام ہوئی تو عابد آ گئے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہ تھی، ان کی ماں بہن آئی ہوئی تھیں وہ کیوں نہ آتے۔

ارسلہ نے سلمیٰ کو کچھ نہیں بتایا تھا اور عابد کو بھی منع کر دیا تھا کہ وہ سلمیٰ کو کچھ نہ بتائیں۔

مغرب کے بعد ارسلہ نے سمندر کے کنارے جانے کا پروگرام بنایا۔ عرشیہ خوش ہو گئیں۔

"بھائی جان لے چلیں سمندر پر اور پھر یہاں سے تو بالکل قریب ہے۔"

"چھوٹی خالہ آپ کتنی اچھی جگہ رہتی ہیں۔"

"ہاں بھئی...... تو چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ سب لوگ۔"

"باجی اٹھیں تیار ہوں۔ ہم سب چل رہے ہیں۔"

"تم لوگ جاؤ۔ میرا موڈ نہیں ہے۔"

"سلمیٰ باجی، آپ بھی چلیں۔" عرشیہ نے کہا۔ "آپ نہیں جائیں گی تو پھر کوئی بھی نہیں جائے گا۔"

"چلی جاؤ سلمیٰ......!" خالدہ بیگم نے بھی زور دیا۔ بالآخر سلمیٰ کو راضی ہونا ہی پڑا۔

سلمیٰ، ارسلہ، عرشیہ اور عابد سمندر کے کنارے جا پہنچے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ موجیں آہستہ آہستہ کنارے تک آتیں اور واپس چلی جاتیں۔ ارسلہ، عرشیہ کا ہاتھ پکڑ کر ان دونوں سے دور چلی گئی۔ اب عابد اور سلمیٰ رہ گئے۔

"سلمیٰ تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا۔"

"تمہارے روّیے نے...... تمہارے بے تاثر چہرے نے اور تمہاری اجنبی نگاہوں نے۔"

"میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔"

"تو پھر سن لو میں تم سے کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی دوسری بات کیجئے گا عابد صاحب...... ایک بار اور بھی اسی جگہ آپ ایک کہانی کہہ چکے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں، تم ہم سب سے ناراض ہو اور تمہیں ہونا بھی چاہئے لیکن پچھلی بار میں نے تم سے صرف تمہاری رائے پوچھی تھی لیکن اس بار سلمٰی میں تمہارا اقرار سننے آیا ہوں۔ میں تمہارا انکار نہیں سنوں گا۔ میں امی کو اسی لئے لے کر آیا ہوں۔"

"اگر ثمن نے انکار نہ کیا ہوتا تو......؟"

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس بات کو کیوں دہرا رہی ہو۔ مجھے ایک بات بتاؤ سلمٰی تمہاری امی اور میری امی بہنیں ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور اسی محبت کے نتیجے میں وہ مجھے اور تمہیں ایک کرنا چاہتی تھیں۔ یہی حالات ابو کے ساتھ بھی تھے۔ ابو کو چچا جان سے محبت ہے اگر دو بھائیوں نے اپنی محبت میں ایک فیصلہ کیا تھا تو کیا ان کے پاس یہ حق نہیں تھا؟ کیا یہ حق صرف ماؤں کا ہوتا ہے اور باپ کے پاس کوئی حق نہیں ہوتا اور نہ ان کی کوئی خواہش...... میں ابو کو مجرم نہیں سمجھتا...... اور نہ تمہیں اس انداز میں سوچنا چاہئے۔ ثمن کی شادی پر ابو نے دل سے اور خوشی سے شرکت کی اور میں نے بھی چچا جان کا پورا ہاتھ بٹایا۔ ہمارے دلوں میں کوئی میل نہیں، مجھے حیرت ہے تم اتنی سمجھدار ہو کر بھی اتنے جذباتی انداز میں سوچ رہی ہو۔ بولو تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"خالو جان مجھے پسند نہیں کرتے۔ میں یہ بات جانتی ہوں۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔ ہم لوگ ابو کی مرضی ہی سے یہاں آئے ہیں۔" عابد کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"اب چپ کیوں ہو۔ بولو جواب دو میری بات کا؟"

"کیا جواب دوں، میرے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔"

"سلمٰی تمہیں اقرار کرنا ہوگا ابھی اور اسی وقت۔ میں کوئی اور بات تمہارے منہ سے نہیں

سنوں گا۔"

"آپ حکم چلا رہے ہیں؟"

"ہاں...... یہی سمجھ لو اور حکم بھی اسی انسان پر چلایا جاتا ہے جس سے محبت کی جاتی ہے۔ جس پر مان ہوتا ہے۔"

"آپ کے حکم سے سرتابی کیسے کی جا سکتی ہے۔ ویسے بھی مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔" سلمٰی ہنس دی عابد بھی مسکرا دیئے۔

"اب آؤ چلیں، وہ دونوں لڑکیاں بہت دور نکل گئی ہیں۔"

"مجھے تو یہ آپ کی اور ارسلہ کی ملی بھگت لگتی ہے۔"

"چلو یونہی سہی۔" عابد اور سلمٰی آہستہ آہستہ ارسلہ اور عرشیہ کے قریب پہنچ گئے۔

"عابد بھائی اب واپس چلیں، امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" ارسلہ نے کہا۔

"ہم بھی تمہیں بلانے ہی آئے ہیں۔" ارسلہ نے اور عرشیہ نے دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ گویا ان کی مہم کامیاب ہو گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

رافع اور ڈاکٹر ثریا کی بات طے ہو گئی تھی اور شادی پاکستان میں ہونا قرار پائی تھی۔ دسمبر کی چھٹیوں میں ابھی دو ماہ تھے۔ ان دونوں کو کراچی جانا تھا۔ شادی کے بعد انہیں واپس آ جانا تھا۔

جب سے رافع اور ثریا کی منگنی ہوئی، رافع کی دنیا بدل چکی تھی۔ انہیں ہر وقت ثریا کا خیال رہتا۔ وہ صبح شام ثریا کو فون کرتے۔

رافع کے اندر جذبات کا تلاطم تھا۔ وہ جس ملک میں رہ رہے تھے وہاں حسن، جوانی کے بے باک نظارے عام تھے۔ وہ بھی ایک مرد تھا اور ایک جوان مرد، وہ جلد از جلد ثریا کو حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ رافع نے ثریا کو پسند کیا اور پھر دونوں کے والدین نے انہیں ایک کر دینے کے لئے عملی اقدامات کئے۔

دونوں ہی اپنی پڑھائی کی وجہ سے مصروف رہتے تھے مگر ویک اینڈ پر رافع، ثریا کو لینے پہنچ جاتے۔ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی مگر رافع کے سامنے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ وہ بادل ناخواستہ رافع کے سات گھومنے نکل جاتی۔ مختلف پارکوں میں، ریستورانوں میں جہاں زندگی

دوڑ رہی تھی، لڑکے اپنی اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ گھومتے نظر آتے۔ رافع بھی ثریا کا ہاتھ تھام کر زندگی کی اس دوڑ میں شامل ہو گئے تھے۔ رافع اس سے جذباتی باتیں کرتے مگر ثریا کی طرف خاموشی ہوتی۔

"ثریا تم میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتی ہو......؟"

"میں کیا جواب دوں، مجھے زیادہ باتیں کرنا نہیں آتا۔"

"شاید تم مجھے پسند نہیں کرتیں......؟"

"یہ کتنی عجیب بات کر رہے ہیں آپ۔"

"میں کیا کروں......؟ میں ہر وقت تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہیں کوئی تمہیں مجھ سے چھین نہ لے۔"

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ آپ کی اتنی بچگانہ سوچ بھی ہو سکتی ہے۔" آخر ایک دن اس نے کہہ ہی دیا۔ رافع کو برا لگ گیا۔

"تم محبت کو بچگانہ سوچ کہتی ہو۔"

"میں اس قسم کی گفتگو کو غیر ضروری سمجھتی ہوں۔"

"مگر میں تو ایسا ہی ہوں۔" وہ اور زیادہ جذباتی ہو جاتے۔

"اچھا آئیں، اب واپس چلتے ہیں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"تمہیں میرے ساتھ بیٹھنا، وقت گزارنا اچھا نہیں لگتا......؟"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"تو پھر تم ہی بتا دو۔ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔"

"میرے خیال میں ہم لوگوں کا اس طرح ملنا ضروری نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا تھا میں ایک پریکٹیکل لڑکی ہوں۔ کوئی جذباتی سوچ نہیں رکھتی...... تاہم میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو میں آپ سے شادی کے لئے رضامند نہ ہوتی۔"

"ثریا وہ دن میری زندگی کا سب سے خوبصورت دن ہوگا جس دن تم دلہن بن کر میرے گھر آؤ گی۔"

"اب تو آپ کا خوبصورت دن نزدیک آنے والا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو رافع کو بھی حوصلہ ہوا۔

"ابھی کہاں نزدیک ہے، دو ماہ پڑے ہیں۔ جو مجھے دو سال کے برابر لگ رہے ہیں۔"

"پھر وہی بچوں جیسی باتیں۔"

"یہ بچوں جیسی بات ہے۔" رافع نے ثریا کی ناک پکڑ کر ہلائی۔

"اچھا آئیں اب گھر چلیں۔" ثریا نے قدم بڑھا دیئے۔

رافع نے ثریا کو اس کے گھر ڈراپ کیا اور بادلِ ناخواستہ واپس چلے گئے۔ ثریا اپنے بستر پر لیٹی سوچ رہی تھی۔

"پتا نہیں میرا فیصلہ درست ہے یا غلط...... کہیں ایسا نہ ہو رافع کے ساتھ نباہ مشکل ہو جائے۔ مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ میں رافع کو ایک محتاط انسان سمجھتی تھی مگر وہ بہت جذباتی ہیں۔ اپنی محبت کے اظہار میں وہ بہت صاف گو ہیں لیکن پہلے وہ ایسے نہیں تھے۔ جب سے بات طے ہوئی ہے وہ مجھ پر اپنا حق جتانے لگے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں، میں ہر وقت ان سے باتیں کروں۔ ان کے ساتھ گھوموں پھروں اور یہ میری طبیعت کے خلاف ہے۔" اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ اپنی الجھن کس سے شیئر کرے۔

بات منہ سے نکلے تو پرائی ہو جاتی ہے اور پھر بات بھی کوئی ایسی خاص نہ تھی۔ بس رافع کی بے تابیاں تھیں جو اسے پریشان کرتی تھیں۔

❀ ❀ ❀

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ پاکستان میں دونوں گھرانوں میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ رافع کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی بلکہ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، وہ ثریا کو خود سے نزدیک پاتے تھے۔ ثریا ایک عجیب سی الجھن کا شکار تھی۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا وہ یہ قصہ ختم کردے، رافع کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے پھر اسے بہت سی باتوں کا خیال آیا۔

ڈیڈی کی اعلیٰ پوزیشن ان کا نام اور اب تو شادی کے کارڈ بٹ چکے تھے۔ وہ جس قدر سوچتی اس کی الجھن میں اضافہ ہی ہوتا۔ آخر کار اس نے آمنہ سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ جونہی وقت ملا وہ آمنہ کے پاس جا پہنچی۔

"بہت دنوں بعد نظر آئی ہو۔ رافع ملے تو مجھے بھی بھول گئی ہو۔"

"آمنہ میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔"

"کہو کیا بات ہے سب خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں، سب خیریت ہی ہے، سمجھ میں نہیں آتا میں تم سے کیا کہوں اور کیسے کہوں۔"

"کچھ پریشان لگ رہی ہو؟"

"میں سچ مچ پریشان ہوں اور تم سے اپنی پریشانی شیئر کرنے آئی ہوں۔"

"ضرور...... تم بتاؤ کیا الجھن ہے۔" اس کے بعد ثریا نے سب کچھ بتا ڈالا اور کہا۔

"میں بہت پریشان رہتی ہوں۔ رافع کا یہ روپ بالکل مختلف ہے...... میں ایسا نہ ہو کہ یہ فیصلہ غلط ثابت ہو۔" آمنہ نے ساری بات غور سے سنی اور پھر کہا۔

"تم پریشان مت ہو۔ یہ ایسی کوئی خاص بات نہیں۔ بہت سے لڑکے جذباتی ہوتے ہیں، تم نہیں سمجھتیں۔ ابھی تمہاری شادی نہیں ہوئی ہے اس لئے بہت سی باتیں تم نہیں جانتیں مگر جب شادی ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ رافع تمہیں بہت زیادہ پسند کرتے

ہیں۔ یہی بات ہے نا!"

"لیکن یوں اس طرح جذباتی اظہار اور پھر مجھ سے بھی اس طرح کی توقع رکھنا۔"

"ثریا تم تو جانتی ہو یہاں کا ماحول کیسا ہے۔ اخبار ہو یا میگزین عورتوں کی عریاں تصویریں اور خود لڑکیاں بھی عریانی اور بے حیائی کا چلتا پھرتا اشتہار ہوتی ہیں۔ یہاں یہ نظارے عام ہیں۔ ایسے میں ایک شریف مرد بہت مشکل سے اپنے آپ پر قابو رکھ سکتا ہے بلکہ بے شمار مرد ان برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں۔ اپنا مذہب، کلچر، عذاب، ثواب سب کچھ ان کے ذہن سے نکل جاتا ہے۔ وہ بھی امریکی لڑکوں کی طرح زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ میں بہت سی وہ باتیں جانتی ہوں جو تم نہیں جانتی ہو کیونکہ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ سلمان نے مجھے نہ جانے کیا کچھ بتا رکھا ہے۔ ثریا تم ہر خدشہ ذہن سے نکال دو۔ رافع ایک شریف مگر جذباتی مرد ہیں۔ وہ تمہیں پسند کرتے ہیں اور اب جبکہ تم ان کی ہونے والی ہو وہ اپنے جذبات چھپا نہیں پاتے۔ وہ ہر مرد کی طرح اپنے بیڈروم کی دنیا آباد کرنا چاہتے ہیں اور اب تو زیادہ دن نہیں ہیں۔ تم رافع سے اچھی طرح ملا کرو۔ بے رخی مت دکھاؤ ثریا۔ رافع کے دل میں کہیں یہ شبہ نہ بیٹھ جائے کہ تم انہیں ناپسند کرتی ہو، بہ الفاظ دیگر تمہارے دل میں کوئی اور بسا ہوا ہے۔"

"آمنہ میں تو کسی کو نہیں جانتی۔ میں تمہارے سامنے ایک کھلی کتاب کے مانند ہوں۔ میں قدرتی طور پر ایک محتاط لڑکی ہوں۔ کم سے کم باتیں کرتی ہوں۔ تہذیب اور شائستگی میں نے امی جان سے ورثے میں پائی ہے۔ وہ میری آئیڈیل خاتون ہیں اور میں ان جیسی ہی بننا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہیں جانتی ہوں لیکن رافع تمہیں نہیں جانتے۔ شادی ہو جانے دو، ایک دوسرے کو جلد سمجھ لوگے۔" ثریا خاموش ہوگئی۔

"شاید تم میری بات سمجھ نہیں سکی ہو۔"

"سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"اچھا اب تم بیٹھ کر اخبار پڑھو، میں کچن میں جا رہی ہوں تمہارے لئے چائے اور سموسے کا انتظام کرنے۔" یہ کہہ کر آمنہ اٹھ گئی۔ ثریا اخبار اٹھا کر پڑھی ہوئی خبریں دوبارہ پڑھنے لگی۔

❀ ❀ ❀

شادی سے ایک ہفتہ قبل وہ دونوں پاکستان پہنچ گئے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ دونوں ہی کے والدین ایئرپورٹ پر موجود تھے۔

رافع اور ڈاکٹر ثریا کی شادی دھوم دھام سے ہوئی۔ ثریا نے ایئرپورٹ پر ہی رافع کو تنبیہ کر دی تھی کہ اب وہ اس سے فون پر بات نہیں کرے گی۔ اس لئے وہ اسے فون نہ کرے اور رافع نے بھی اس بار ثریا کی بات مان لی تھی۔ وقت رخصتی ثریا ماں کے گلے لگ کر رو پڑی اور باپ نے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کی ہچکی بندھ گئی۔

ثریا دل ہی دل میں خوفزدہ تھی کہ خدا جانے رافع کا کیا ردعمل ہو اور وہ اس سے کس طرح ملے مگر اس کے سب اندیشے بے بنیاد نکلے۔ رافع بہت خوش اور مطمئن تھے اور ایک سلجھے ہوئے نارمل انسان کی طرح باتیں کر رہے تھے۔ اب ثریا بھی خوش تھی۔

دونوں گھرانے اس شادی پر خوش اور مطمئن تھے۔ ان کے پاس بہت کم وقت تھا۔ شادی کے بعد صرف دو ہفتے کا قیام تھا بس جس میں سے چار پانچ دن گزر چکے تھے۔ دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ انہیں کچھ خریداری کرنی تھی۔

"ثریا اگر کچھ وقت نکال سکو تو ہم لوگ شاپنگ کر لیں۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں...... کہاں چلنا ہے۔"

"پارک ٹاور ہمارے گھر سے نزدیک ہے۔ آؤ ابھی چلو۔ ساڑھے سات بجے ہیں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔ اس کے بعد ڈنر پر چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں تیار ہو جاتی ہوں۔ آپ اپنی امی کو بتا دیں۔" ثریا بہت جلد تیار ہو جاتی تھی۔ اسے دس منٹ سے بھی کم لگتے تھے۔ اس نے نیلے رنگ کا شلوار سوٹ پہنا اور ہلکی سی لپ اسٹک لگائی زیور بھی بہت ہلکا اور نازک ہی پہنا تھا۔ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ رافع نے اسے خوش ہو کر دیکھا اور کہا۔

"ثریا تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"شکریہ جناب، نظر نہ لگا دیجئے گا۔" وہ دونوں ذرا سی دیر میں پارک ٹاور میں خریداری کر رہے تھے۔ ثریا کو اپنی دوستوں کے لئے کچھ تحائف لینے تھے۔ وہ رافع کے ساتھ ایک دکان سے باہر نکلی تو اچانک اس کے سامنے ایک لڑکی آ گئی لڑکی نے جینز اور شرٹ پہن رکھ

تھی۔ دوپٹا غائب، کانوں میں لمبے لمبے مصنوعی بندے لٹک رہے تھے۔ اس نے گہرا میک اپ کر رکھا تھا اور بال کھلے ہوئے تھے۔ یہ نگہت آرا عرف نگی تھی۔ اس نے حیرت اور خوشی سے رافع کو دیکھا اور بولی۔

"ارے رافع آپ......! اور یہاں اور مجھے بتایا بھی نہیں۔" رافع ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ نگی نے ثریا کی طرف دھیان ہی نہیں دیا کہ یہ کون ہو سکتی ہے۔

"اور آپ نے فون کرنا ہی چھوڑ دیا اور میں نے کتنے ای میل کئے جواب ندارد۔ کیا ہو گیا تھا آپ کو۔ آپ پہلے تو ایسے نہ تھے۔" ثریا پریشان ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ رافع نے نگی سے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ان سے ملو یہ ڈاکٹر ثریا ہیں میری وائف اور ثریا یہ نگہت صاحبہ ہیں۔ یونیورسٹی میں میری شاگرد تھیں۔" اب نگی نے ثریا کی جانب نظر کی۔ ثریا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ نگی کو بہت ساری باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے کہا۔

"رافع آپ مجھے اطلاع تو کرتے کہ آپ نے لڑکی پسند کر لی ہے، میں آپ کو مبارک باد ضرور دیتی...... بہر حال، آپ دونوں کو بہت بہت مبارک ہو۔" نگی نے ایک طنزیہ نگاہ ان دونوں پر ڈالی۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہتی رافع نے ثریا کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

"ثریا تم مائنڈ نہ کرنا۔ یہ ایک فضول سی لڑکی ہے۔"

"وہ تو اس کی گفتگو سے ہی لگ رہا ہے۔" ثریا نے رافع کو سہارا دینے کے لئے کہا۔ ورنہ وہ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی کہ رافع اور اس لڑکی کے درمیان گہری دوستی رہ چکی ہے ورنہ ٹیلی فون کالز اور ای میل وغیرہ کی نوبت کیونکر آتی۔

نگی کے اس طرح مل جانے سے اور وہ گفتگو جو اس نے کی، رافع کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ انہیں ثریا کے سامنے خوامخواہ کی شرمندگی ہو رہی تھی۔ گھر پہنچے تو سب لوگ تیار بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ خاندان میں ایک جگہ سب کو ڈنر پر جانا تھا۔

❀ ❀ ❀

رات کو سونے کے لئے لیٹے تو رافع نے ثریا سے کہا۔

"پلیز تم اس لڑکی کی باتوں کا کوئی غلط مطلب مت نکال لینا۔ میری اس سے بات چیت

رہی تھی مگر وہ بند ہوگئی تھی۔ وہ ایک بے باک لڑکی ہے اور میں نے کبھی اسے اچھا نہیں سمجھا۔"

"رافع آپ خوامخواہ کی وضاحتیں دے رہے ہیں جبکہ میرے ذہن میں کوئی خیال نہیں۔"

"تم ایک سمجھدار لڑکی ہو، مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔" اس کے بعد پھر یہ ذکر ختم ہوگیا مگر ثریا کے دل میں ایک کانٹا سا چبھ گیا تھا۔ جس کا اظہار وہ نہیں کرسکتی تھی۔

"ثریا اور رافع کی واپسی میں صرف دو روز باقی تھے۔ رافع کمرے میں آرام کررہے تھے جبکہ ثریا اپنی ساس کے پاس بیٹھی باتیں کررہی تھی۔ اب ان دو دنوں میں انہیں کہیں نہیں جانا تھا۔" یہی طے ہوا تھا۔

"ثریا تم بہت اچھی ہو۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ رافع کا انتخاب بہت درست تھا۔" ساس نے کہا۔

"آپ سب بھی بہت اچھے ہیں امی جان۔ آپ جلد امریکہ آیئے گا۔ میرے پاس رہیے گا۔ اکیلے تو میرا دل بہت گھبرائے گا۔"

"ہاں دیکھو...... جیسے ہی موقع ملا۔ چکر لگائیں گے۔" وہ ابھی یہ باتیں کررہی تھیں کہ لاؤنج میں رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ثریا نے فون اٹھالیا۔

"مجھے رافع سے بات کرنی ہے۔"

"وہ سو رہے ہیں، آپ اپنا نام بتا دیجئے۔"

"میرا نام نگہت آرا ہے اور آپ؟"

"میں رافع کی مسز بات کررہی ہوں۔"

"اوہ ڈاکٹر ثریا، آپ سے ملاقات ہوئی تھی پارک ٹاور میں۔"

"جی ہاں، مجھے یاد ہے۔"

"کیا آپ مجھ سے بات کرنا پسند کریں گی۔"

"جی فرمایئے کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ؟"

"میں رافع کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہی تھی۔"

"مجھے ان کے ماضی کے بارے میں کوئی تجسس نہیں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آخر کو آپ بیوی ہیں ان کی۔ آپ کو پتا ہونا چاہیے۔"

"آپ کی ان باتوں کا مقصد کیا ہے، میں سمجھ نہیں سکی۔"

"صرف یہ بتانا کہ رافع کبھی میرے تھے پھر ہمارے درمیان ارسلہ آگئی۔ رافع اور ارسلہ کا ساتھ ایک سال چلا اس کے بعد ارسلہ نے رافع سے ناتا توڑ کر سرعلی سے دوستی کرلی تو پھر رافع میری طرف لوٹ آئے...... لیکن باہر جاتے ہی حالات تبدیل ہوگئے۔ انہوں نے آپ سے شادی کی ہے۔"

"تو اب آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"صرف وارن کرنا کہ ہوشیار رہیے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی کے راستے میں انہیں کوئی اور نگی مل جائے۔"

"ابھی آپ کو کچھ اور کہنا ہے یا میں فون بند کردوں!"

"میں خود ہی بات ختم کررہی ہوں، خدا حافظ۔" نگی نے فون رکھ دیا۔ ثریا کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ اس کی ساس اپنے کمرے میں تھیں اور وہ لاؤنج میں فون پر بات کررہی تھیں۔

"کس کا فون ہے بہو؟"

"امی، رافع کے لئے فون تھا۔ میں نے بات کرلی ہے۔" امی خاموش ہوگئیں۔ ثریا وہیں صوفے پر بیٹھی رہی۔

"آخر نگہت آرا نے یہ سب باتیں کیوں کیں، یہ ارسلہ کون تھی؟" ثریا کے سر میں درد شروع ہوگیا۔

ابھی اس کی شادی کو دو ہفتے بھی نہیں گزرے تھے کہ ٹینشن والی باتیں شروع ہوگئی تھیں۔ شادی سے قبل رافع کا جذباتی رویہ اس کے ذہن میں چکر لگا رہا تھا۔

"خدا جانے رافع اور نگی کے درمیان کس قسم کے تعلقات تھے اور یہ ارسلہ کون تھی۔" وہ جتنا سوچتی اتنا ہی پریشان ہوتی۔ وہ آہستہ قدموں چلتے ہوئے بیڈروم میں داخل ہوگئی۔

رافع بے خبر سو رہے تھے۔ ان کے چہرے پر معصومیت تھی۔ "کیا اتنے معصوم چہرے والا انسان کوئی دوسرا چہرہ بھی رکھ سکتا ہے۔" اس کا دل یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا مگر نگی کی کہی ہوئی باتیں اس کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔

وہ آہستہ سے اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد رافع کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا

ثریا محبت سے اس کی جانب تک رہی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ رافع جاگ چکا ہے۔

''ثریا!'' رافع نے پیار سے پکارا۔

''جی۔'' وہ چونک گئی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں...... میرے سر میں درد ہے۔''

''تو تم سر کے درد کی گولی لے لو۔ پلیز خود کو بیمار نہ کر لینا۔ ہمیں دو روز بعد لمبا سفر کرنا ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' ثریا نے آنکھیں موند لیں۔ گویا وہ اس وقت آرام کرنا چاہتی ہے۔

رات کو رافع نے ثریا سے کہا۔

''امی بتا رہی تھیں کہ میرے لئے کسی کا فون آیا تھا۔ تم نے اٹینڈ کیا تھا کس کا فون تھا؟''

''نگہت آرا کا۔''

''اوہ ...... تو یہ بات ہے اسی وجہ سے تم خاموش ہو۔ کیا کہہ رہی تھی وہ۔'' رافع کے چہرے پر غصہ تھا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس ویسے ہی بکواس کر رہی تھی۔ اس روز کی طرح۔''

''پھر بھی کچھ تو بتاؤ۔''

''وہ کسی ارسلہ کا ذکر کر رہی تھی۔'' ارسلہ کا نام سن کر رافع کے دل میں گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ وہ اس لڑکی کو بھول نہیں پائے تھے حالانکہ اب ایسی بھی کوئی بات نہ تھی مگر شاید ٹھکرائے جانے کا احساس ہر ایک کو ہوتا ہے اور ارسلہ نے ان سے کہا تھا۔

''میں نے آپ کو بہت اونچے مقام پر بٹھایا تھا مگر اب میرے دل میں آپ کے لئے کچھ بھی نہیں۔'' وہ اکثر اس کے بارے میں سوچتے تھے اور آج نگی نے خدا جانے کس انداز سے بات کی ہوگی۔

''کیا کہہ رہی تھی ارسلہ کے بارے میں، ثریا میں تمہیں بتاتا ہوں وہ مجھ سے جونیئر تھی۔ میں فائنل میں تھا وہ فرسٹ ایئر میں آئی تھی۔ میں v-p اور وہ g-s تھی۔ ہم ایک سال تک ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ وہ بہت جینئس اور اچھے کردار کی لڑکی تھی۔ بہت ایھ[illegible] کرتی تھی۔ پورا ڈیپارٹمنٹ اس کی عزت کرتا تھا اور میں بھی...... لیکن نگہت آرا اس سے جیلس

تھی۔ ثریا ان سب باتوں کی کوئی اہمیت نہیں، یہ سٹوڈنٹ لائف کے قصے ہیں انہیں کبھی ذہن میں جگہ نہ دینا۔''

''میں جانتی ہوں۔ آپ میری طرف سے بے فکر رہیں۔''

''پرسوں ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ اب ہمارے درمیان کوئی نگی ہوگی نہ اس کا تذکرہ۔ خوامخواہ اس لڑکی نے فضول گوئی شروع کر دی۔''

''اب چھوڑیں اس بات کو۔ میرے دل میں کوئی خیال نہیں۔''

''ہاں ثریا، میرے دل میں بھی تم ہو صرف تم۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔'' رافع نے ثریا کو بازوؤں میں لے لیا۔

❀ ❀ ❀

رافع اور ثریا امریکہ آ گئے۔

اب دونوں کی مصروفیات شروع ہو گئیں اور وہ ایک طرح سے زندگی میں سیٹ ہو گئے تھے۔ رافع کا تو ایم ایس مکمل ہونے والا تھا مگر ثریا کی ٹریننگ ابھی باقی تھی۔

ابھی تک یہ لوگ آمنہ کے گھر نہیں جا سکے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آمنہ اور سلمان کسی دوسرے شہر گئے ہوئے تھے مگر جونہی وہ لوگ واپس آئے، ان دونوں کو اپنے گھر ڈنر پر مدعو کر لیا۔

ثریا نے گلابی ساڑھی باندھی تھی۔ اس کا قد لمبا تھا۔ ساڑھی اس پر بہت اچھی لگتی تھی۔ یہ بات رافع نے کہی تھی اس وقت سے وہ کسی دعوت وغیرہ میں جانا ہوتو ساڑھی ہی پہنتی تھی۔

ثریا کو خوش دیکھ کر آمنہ اس سے گرم جوشی سے ملی۔ سلمان اور رافع بھی خوش تھے۔ آمنہ اور سلمان نے دونوں کو مبارکباد دی۔ آمنہ نے ثریا کو تحفے میں خوبصورت انگوٹھی دی۔

''اتنا تکلف کیوں کیا تم نے آمنہ؟''

''اب زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں۔ دوست ہو میری۔ کیا میں تمہیں ایک انگوٹھی بھی نہیں دے سکتی۔''

''بہت خوبصورت انگوٹھی ہے، تھینک یو آمنہ۔'' کھانے کے بعد دونوں سہیلیاں الگ باتیں کرنے بیٹھ گئیں۔

''ثریا تم ماشاء اللہ بہت خوش ہو، ہے نا؟''

"ہاں آمنہ میں خوش ہوں۔"

"رافع تنگ تو نہیں کرتے؟" آمنہ نے شرارت سے پوچھا۔

"نہیں، رافع میرا بہت خیال کرتے ہیں۔"

"دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم خوامخواہ وسوسوں میں مبتلا تھیں۔"

ثریا مسکرا کر خاموش ہوگئی۔ اب وہ کیا بتاتی وسوسے تو آج بھی اس کے دل میں چکر لگاتے ہیں۔ خدا جانے زندگی کے کس موڑ پر کیا ہو جائے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ نگی کی کہی ہوئی باتیں یاد آتیں تو اس کا دل ڈوبنے لگتا مگر وہ دوسرے ہی لمحے خود کو سمجھا لیتی کہ وہ تو شادی سے قبل کی باتیں تھیں اور کم عمری کے زمانے کی...... مجھے رافع کو معاف کر دینا چاہئے اور اسے معاف کر دینے کے سوا اس کے پاس کوئی چارا بھی تو نہ تھا۔

رات گئے وہ لوگ آمنہ کے گھر سے واپس آئے۔ ثریا تھک گئی تھی اس نے کپڑے تبدیل کئے اور سونے کے لئے لیٹ گئی مگر رافع کا موڈ باتیں کرنے کا تھا۔

"ابھی سے سونے لیٹ گئی ہو ثریا۔ کل چھٹی ہے، ہم ساری رات بھی جاگ سکتے ہیں۔"

"ساری رات...... مگر کیا کریں گے ساری رات بھئی؟"

"آؤ میں بتاؤں تمہیں۔" رافع نے اسے بانہوں میں جکڑ لیا۔ ثریا آرام کرنا چاہتی تھی مگر رافع کی ضد کے سامنے مجبور ہوگئی۔

❀ ❀ ❀

اور اب ایسا ہی ہوتا تھا۔ رافع ہر روز ایک نئے روپ میں اس کے سامنے ہوتے۔ اسے رافع کے انداز پسند نہ تھے۔ وہ بے باکی، بے حیائی کو ناپسند کرتی تھی مگر رافع اس کے شوہر تھے وہ اس کی ہر بات پر سر جھکا دینے کی پابند تھی۔

بہت جلد ثریا کو اندازہ ہو گیا کہ رافع ایک انتہا پسند انسان ہیں۔ زندگی کے ہر معاملے میں وہ اسی اصول پر کارفرما تھے۔ وہ ثریا سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اس کے ہر کام میں دخل اندازی کرتے۔ وہ کچن میں ہوتی تو وہ خود وہاں پہنچ جاتے۔ اس کی مدد کرتے۔ ثریا اپنے طور پر کام نمٹانا چاہتی تھی مگر وہ ہمیشہ اپنی بات اوپر رکھتے۔ ثریا احتجاج کرتی منع کرتی تو وہ افسردہ ہو جاتے اور کہتے۔

"جان یہ سب کچھ میں تمہاری محبت میں کرتا ہوں۔ تمہیں آرام پہنچانا چاہتا ہوں۔ تم

بجائے خوش ہونے کے ناراض ہو جاتی ہو۔"

"رافع آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ بھی تو دیکھیں میں کیا چاہتی ہوں؟ میں کس بات سے خوش ہوتی ہوں۔" وہ روٹھ جاتے خاموش ہو کر ایک جانب بیٹھ جاتے۔ بالآخر ثریا ہی کو منانا پڑتا۔

زندگی اسی طرح گزر رہی تھی۔ کبھی وہ مطمئن ہوتی کبھی بیزار اور پھر ثریا کی نائٹ ڈیوٹیز شروع ہو گئیں۔ یہ بات رافع کے لئے ازحد تکلیف دہ تھی۔ دن میں وہ خود مصروف ہوتے اور رات کو ثریا ہسپتال میں ہوتی۔

دونوں کے پاس فلیٹ کی چابی تھی۔ جب بھی جو فارغ ہوتا گھر آ جاتا۔ ان کے پاس بہت کم وقت ہوتا تھا جو وہ ایک ساتھ گزارتے۔ ہاں ویک اینڈ پر ساتھ ہوتے مگر اس دوران بھی کبھی کبھی ایمرجنسی کال آ جاتی تو ثریا کو جانا پڑ جاتا تھا۔

رافع کا ایم ایس مکمل ہوا تو انہوں نے ڈگری لے لی اور پی ایچ ڈی کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ ان کے بزنس مین والد نے اپنے آفس کی ایک برانچ امریکہ کے اس شہر میں بھی کھول دی جہاں رافع رہتے تھے اور اب وہ اپنے آفس کے ایم ڈی تھے۔ ثریا کو دکھ تھا کہ رافع نے اپنی ریسرچ مکمل نہیں کی مگر رافع کو قطعی پروا نہیں تھی، وہ مطمئن تھے۔ اب وہ بھی ایک بزنس مین تھے۔ دن بھر تو مصروفیت میں گزر جاتا۔ شام کو ثریا سے ملاقات ہوتی پھر وہ ڈیوٹی پر چلی جاتی۔

رافع کے لئے وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔ حالانکہ رافع کا تعلیمی ریکارڈ شاندار رہا تھا اور وہ شعر و شاعری اور ادب سے لگاؤ رکھتے تھے اگر وہ چاہتے تو اچھی کتابیں پڑھ کر وقت گزار سکتے تھے مگر رافع نے دوسری راہ اپنا لی۔ رافع نے سوچا میں سونے سے قبل ایک فلم دیکھ لیا کروں چنانچہ وہ چند سی ڈیز لے آئے اور فلم لگا کر بیٹھ گئے۔ اس سے قبل رافع نے اس طرح کی فلمیں نہیں دیکھی تھیں۔ بے شرمی اور بے حیائی کے تمام ریکارڈ توڑتی ہوئی یہ فلمیں اب رافع کی دوست اور ساتھی بن گئیں۔ انہیں احساس بھی نہ ہوا اور ذہنی طور پر وہ بلندی سے پستی کی طرف تیزی سے گامزن ہو گئے۔

ثریا کو کچھ خبر نہ تھی مگر وہ محسوس کرتی تھی کہ کوئی نہ کوئی تبدیلی آئی ضرور ہے، اسے رافع ایک بدلے ہوئے انسان لگتے تھے مگر وہ تبدیلی کیا ہے یہ بات وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ پھر ایک

رات وہ ڈیوٹی پر نہیں گئی۔ آج اس کی ڈیوٹی آف تھی اور رافع ایک نئی فلم لائے تھے۔

"آؤ ثریا، آج ہم دونوں مل کر فلم دیکھیں گے۔"

"کس طرح کی فلم ہے؟"

"اب یہ تم خود دیکھنا۔ نئی فلم لایا ہوں، میں بھی دیکھوں گا تو پتا چلے گا۔"

"مجھے فلم دیکھنی نہیں ہے مگر آپ کی خوشی کی خاطر دیکھ لوں گی۔" رات کا کھانا کھا کر اور تمام کام نمٹا کر جب ثریا بیڈروم میں داخل ہوئی تو رافع فلم لگا رہے تھے۔ ثریا حیران رہ گئی۔ وہ یہ فلم نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"نہیں رافع نہیں، میں یہ سب نہیں دیکھ سکتی اور آپ کو بھی نہیں دیکھنا چاہئے یہ سب گناہ کے کام ہیں۔"

"آج تم نے ڈیوٹی اس لئے آف کی ہے کہ وعظ دینے بیٹھ جاؤ۔"

ثریا خاموش ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے کیا کہے اس کے بعد وہ دونوں بیڈ پر لیٹ گئے۔ ثریا کچھ نہیں دیکھنا چاہتی تھی اگر رافع دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں مگر ثریا کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ ثریا کو لگا جیسے وہ گڑھے میں گر رہی ہے۔ نیچے اور نیچے وہ ایسی جگہ پہنچ گئی ہے جہاں روشنی کا کوئی گزر نہیں تو کیا اندھیرے اس کا مقدر بن چکے ہیں؟ اسے نہیں معلوم وقت کس طرح گزرا...... ثریا کو اتنا ڈپریشن تھا کہ اسے نیند کی گولی لینی پڑی۔ جب کہ رافع مزے سے سو رہے تھے۔

صبح سویرے اس نے تمام فلموں کی سی ڈیز دیکھیں اور سر پکڑ لیا۔ وہ سب اسی نوعیت کی فلمیں تھیں گویا رافع ہر رات اسی طرح کی فلم دیکھتے ہیں، اسے اچانک رافع سے گھن آنے لگی۔

"نہیں...... میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی، میں ذہنی طور پر رافع کا ساتھ نہیں دے سکتی۔" وہ ویسے بھی ایک دوسرے سے بہت مختلف مزاج رکھتے تھے اور میاں بیوی کے درمیان جو ایک زنجیر ہوتی ہے جسے عرف عام میں بچہ کہا جاتا ہے وہ بھی نہ تھی۔ یہ بات تو پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ جب تک ثریا کی ٹریننگ مکمل نہ ہو، بچہ نہیں ہوگا۔ ہاں یہ بات ضرور ثریا کے حق میں جاتی تھی کہ اس بات پر رافع نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ رافع نے تو ثریا کی کسی بات پر اعتراض نہیں کیا۔ اس نے ہمیشہ ثریا سے محبت کا اعتراف کیا۔ اس کے ساتھ مل کر

کام کیا۔ تفریح کی، اسے تحفے تحائف دیئے، اس کی پسند کی چیزیں خریدیں مگر ثریا کو ان مادی چیزوں کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی رافع کی اس نام نہاد محبت کی، وہ تو رافع کو اخلاقی طور پر ایک بلند مقام پر دیکھنا چاہتی تھی اور وہ تو ایسے ہی تھے مگر اب رافع، وہ رافع نہیں رہے تھے جنہیں اس نے پسند کر کے شادی کی تھی۔ رافع کے بے شمار روپ اس کے سامنے آ چکے تھے اور ان میں سے کوئی ایک بھی ثریا کے معیار پر پورا...... نہیں اترتا تھا مگر دنیا والے ان کو ایک بہترین کپل سمجھتے تھے اور ثریا کو خوش نصیب لڑکی جسے ایک محبت کرنے والا شوہر ملا تھا۔ کبھی آمنہ سے ملاقات ہو جاتی تو وہ ثریا سے رسمی ہی باتیں کرتی۔

"تم واقعی خوش نصیب ہو ثریا۔ رافع جیسا محبت کرنے والا شوہر تمہیں مل گیا...... ورنہ یہاں تو آ کر اچھے لوگ بھی بگڑ جاتے ہیں۔ ماحول ہی خراب ہے۔" ثریا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ بکھر جاتی جس کی تلخی کو آمنہ محسوس نہ کر پاتی۔

رافع جہاں بھی جاتے اپنے اعلیٰ اخلاق کا سکہ جما دیتے۔ ثریا بھی بناوٹی مسکراہٹ سجائے ان کے ساتھ ہوتی۔ بظاہر وہ دونوں ساتھ ہوتے مگر ذہنی طور پر ثریا، رافع سے الگ ہو چکی تھی۔ دو ایک بار آپس میں تلخ کلامی بھی ہو چکی تھی مگر یہ عارضی جنگ ہوتی اور پھر صلح ہو جاتی۔

کبھی کبھی ثریا کو نگی کی باتیں یاد آ جاتیں۔ شاید وہ درست کہتی تھی رافع ایسے انسان نہیں جس پر آنکھ بند کر کے بھروسا کیا جا سکے۔ کبھی نگی ان کی منظور نظر تھی اور اس سے قبل ارسلہ بھی...... وہ ارسلہ کو نہیں جانتی تھی مگر اتنا تو معلوم ہو ہی گیا تھا کہ ارسلہ نے رافع کو چھوڑ کر سر علی کا دامن تھام لیا تھا۔ ایسے کیوں ہوا تھا۔ رافع نے تو خود ارسلہ کی بے شمار تعریفیں کیں۔ ان کے بقول وہ ایک مثالی لڑکی تھی پھر اس نے ان کو کیوں چھوڑا؟ اس سوال کا جواب ثریا کے پاس نہ تھا مگر وہ کچھ اندازے لگا سکتی تھی مگر وہ ان گزری ہوئی باتوں کا ذکر رافع سے کر کے کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کبھی نگی کا ذکر نہیں کیا، رافع سمجھے تھے کہ ثریا، نگی کو بھول چکی تھی مگر ایسا نہیں تھا۔ رافع کے بدلتے ہوئے راستے نے اسے بہت کچھ یاد رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

❀ ❀ ❀

اچانک ہی رافع کے والد آ گئے۔ انہیں بزنس کے سلسلے میں کام تھا...... ان کے آ جانے

سے گھر کی فضا خوشگوار ہو گئی۔ ثریا نے ان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

شام کے کئی گھنٹے وہ تینوں مل کر بیٹھتے، خوب باتیں ہوتیں۔ ثریا اچھی سے اچھی ڈشنز تیار کرتی بلکہ سسر سے پوچھ کر ان کی پسند کے کھانے تیار کرتی۔

عبدالمنیب صاحب جو رافع کے والد تھے، ثریا کو دیکھ کر بے حد خوش تھے۔ اس کا رہن سہن، پہناوا، سلیقہ اور نماز کی پابندی، اچھا اخلاق اور مزاج کا دھیما پن یہ وہ خوبیاں تھیں جنہوں نے انہیں اس کا گرویدہ کر لیا تھا اگرچہ اس کی نائٹ ڈیوٹی ہوتی مگر وہ پھر بھی دن کے وقت چاک و چوبند نظر آتی۔ مناسب وقت تک آرام کرنے کے بعد وہ اپنے فرائض ضرور پورے کرتی۔ ان دنوں رافع نے فلمیں دیکھنی بند کر دی تھیں۔

عبدالمنیب صاحب کا اس گھر میں آنا اس کے لئے ایک نیک شگون تھا۔ وہ خوش رہنے لگی تھی۔

''رافع تمہارا انتخاب بہت اچھا ہے۔'' والد کہتے۔ ''اس سے بہتر بیوی تمہیں نہیں مل سکتی تھی۔ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ...... مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ اس گھر کا ماحول پاکیزہ ہے۔ یہ سب ثریا کی وجہ سے ہے اگر بیوی اچھی ہو تو آئندہ آنے والی نسل سنور جاتی ہے ورنہ اس جگہ کا ماحول اتنا خراب ہے کہ بچیوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے۔ میں کئی ایسے گھرانوں کو جانتا ہوں جن کی بیٹیاں تک مقامی مردوں کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں کئی تو کورٹ میرج کر لیتی ہیں اور کئی اس سے بھی بے بہرہ ہیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں ثریا جیسی بیوی ملی۔''

اور رافع اپنے والد کی بات سن کر خاموش ہو جاتے۔ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے وہ سو فیصد درست تھا مگر ان کے دل میں ایک چور بستا تھا۔ وہ چور جس سے ثریا خائف رہتی تھی مگر وہ کسی نہ کسی طرح اپنے ہر عمل کو جائز کہہ کر خود کو تسلی دے لیتے اور پھر ہر قسم کے الزام سے بری ہو جاتے۔ گویا منصف بھی وہ خود تھے۔ اپنے حق میں فیصلہ دے دیتے۔

ثریا نے اپنے کسی عمل سے اپنے سسر پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے رافع سے کسی قسم کی شکایت ہے اور عبدالمنیب صاحب ایک ہفتہ ان کے گھر رہ کر خوش خوش پاکستان واپس گئے۔

والد کے جانے کے کچھ دن تک رافع ٹھیک رہے مگر اس کے بعد ان کی پرانی روش لوٹ

آئی۔ اب وہی گندی فلمیں تھیں اور رافع ..... ثریا نے اب اس معاملے میں بولنا چھوڑ دیا تھا۔

وہ ان دنوں ہسپتال میں بہت مصروف تھی۔ اس کی ٹریننگ اب صرف چھ ماہ کی رہ گئی تھی۔ وہ اپنے ذہن پر کوئی بوجھ ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔

نائٹ ڈیوٹی کر کے ثریا ابھی سو ہی رہی تھی کہ رافع صبح تیار ہو کر دفتر چلے گئے۔ عام طور پر ثریا کی آنکھ کھل جاتی تھی مگر آج اسے پتا نہیں چلا۔ وہ بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی۔ آنکھ کھلی تو کافی دن نکل چکا تھا۔

وہ جلدی جلدی اٹھی فریش ہو کر ناشتا کیا اور گھر کی صفائی میں لگ گئی۔ تب ہی اس نے ایک فیصلہ کیا۔ اپنے بیڈ روم ٹی وی کو ہٹا دینے کا فیصلہ۔ اس نے ٹی وی ہٹا کر لاؤنج میں ایک کنارے پر رکھ دیا۔ ٹی وی ٹرالی بھی ہٹا دی۔ اب کمرہ کچھ کشادہ لگ رہا تھا۔

''میں بیڈ روم میں کوئی فلم نہیں چلنے دوں گی۔ ڈرائنگ روم میں بڑے سائز کا ٹی وی موجود ہے اگر رافع دیکھنا چاہیں تو ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر فلم دیکھ سکتے ہیں۔'' اس نے سوچا۔

اس نے بیڈ روم کو اچھی طرح آراستہ کیا۔ نیا بیڈ کور بچھایا پھر کچن میں چلی گئی۔

شام کو رافع آئے۔ بیڈ روم میں داخل ہوئے تو انہیں سب کچھ بدلا بدلا سا لگا۔ وہ بھی ساتھ ہی اندر آئی۔

''دیکھیں رافع بیڈ روم کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ آج میں نے نئے سرے سے سیٹنگ کی ہے۔''

''مگر تم نے یہاں سے ٹی وی کیوں ہٹا دیا؟''

''اس کی ضرورت نہیں تھی۔''

''لیکن مجھے تو ضرورت ہے۔''

''بڑا ٹی وی ڈرائنگ روم میں ہے، آپ وہاں بیٹھ کر دیکھ لیجئے گا۔''

''نہیں، میں سونے لیٹتا ہوں تب دیکھتا ہوں۔''

''کیا دیکھتے ہیں؟ ثریا کو غصہ آ گیا۔'' وہی ننگ دھڑنگ عورتوں کی فلمیں، نہیں رافع میں اپنے بیڈ روم میں یہ غلاظت اور گندگی برداشت نہیں کر سکتی۔

''ثریا تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ ایسا کون سا گناہ کیا ہے میں نے۔ فلمیں ساری دنیا دیکھتی ہے اگر میں دیکھ لیتا ہوں تو کیا ہو گیا۔''

"دنیا تو بہت کچھ کرتی ہے لیکن ہم نہیں کرتے۔ ہم مسلمان ہیں ہمارا مذہب بے حیائی کو حرام قرار دیتا ہے۔"

"میں تمہارے روّیے سے تنگ آ چکا ہوں۔ ہر وقت کی نصیحتیں، بیزاری آخر کس چیز کی کمی ہے تمہاری زندگی میں۔"

"کاش آپ کو پتا ہوتا کس چیز کی کمی ہے میری زندگی میں۔"

"میں کچھ نہیں جانتا، نہ جاننا چاہتا ہوں مگر ٹی وی بیڈ روم ہی میں رہے گا۔ میں ابھی اسے اپنی جگہ پر رکھ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے آپ رکھ دیں۔ میں دوسرے کمرے میں سو جایا کروں گی۔"

"یعنی تم اپنا بیڈ روم الگ کرنا چاہتی ہو؟"

"اس میں کوئی حرج بھی نہیں، ویسے بھی ہم کب ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں اور شاید اب آپ کو میری ضرورت بھی نہیں۔"

"جو کچھ تم کہنا چاہ رہی ہو میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ تم اپنے آپ کو بہت زیادہ پارسا ثابت کرنے کی کوشش مت کرو۔ تم خود کیا ہو کبھی دیکھو اپنے آپ کو، نائٹ ڈیوٹی کرتی ہو، غیر مردوں کے ساتھ راتیں گزارتی ہو، تفریح کرتی ہو، تھک کر آ کر سو جاتی ہو۔ تمہیں میری کیا پروا ہو سکتی ہے۔"

"رافع! بس کریں۔ میں کچھ اور نہیں سن سکتی۔ آپ کو اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے۔"

"میں اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گا بلکہ اور زیادہ بولوں گا، خوب بولوں گا...... میں تمہارا ہسپتال جانا بند کر دوں گا۔"

"آپ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتے، آپ اپنی پڑھائی چھوڑ سکتے ہیں مگر میں نہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہارے معاملات میں اگر نہیں بول سکتا تو تم بھی میرے معاملات میں دخل اندازی چھوڑ دو...... اپنے کام سے کام رکھو۔"

ثریا کے سر میں درد شروع ہو گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ رافع خوش ہوں گے۔ پورے گھر کو صاف ستھرا دیکھ کر مگر انہوں نے آتے ہی جھگڑا شروع کر دیا۔

رافع نے جو کہا وہ کر دکھایا۔ وہ اسی وقت ٹی وی اور ٹرالی اٹھا لائے اور اپنی جگہ پر رکھ

دی۔

رات کا کھانا کھا کر وہ ہسپتال چلی گئی۔ آج ایک اہم آپریشن ہونا تھا...... وہ ڈاکٹر امتیاز علی کے ساتھ کام کرتی تھی۔ دو بجے رات کو آپریشن ختم ہوا۔ وہ تھک گئی تھی۔ عام حالات میں وہ نہیں تھکتی تھی مگر آج ذہنی تھکاوٹ نے اسے جسمانی طور پر بھی تھکا دیا تھا۔

"آیئے ثریا...... کافی ہو جائے...... آج تھکن ہو گئی ہے۔" ڈاکٹر امتیاز علی نے کہا۔

"جی ہاں کافی پی کر تھکن دور ہو جائے گی۔" وہ ڈاکٹر امتیاز علی کے روم میں چلی گئی۔ وہیں کافی آ گئی...... ابھی وہ کافی پی رہے تھے کہ ان کے دروازے پر ناک ہوئی۔

"یس کم ان۔ ڈاکٹر امتیاز نے کہا۔"

اور پھر رافع اندر آ گئے۔

"ارے رافع آپ!" ثریا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"خیریت تو ہے...... اتنی رات گئے؟"

"ہاں سب خیریت ہے...... بس یونہی چلا آیا۔"

"ان سے ملو رافع یہ سرجن علی ہیں۔ میرے باس۔"

"اور سر یہ رافع ہیں، میرے ہسبینڈ۔" سرجن علی نے ہاتھ ملایا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ ڈاکٹر ثریا اکثر آپ کا تذکرہ کرتی ہیں۔"

"مگر انہوں نے کبھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔" وہ خوامخواہ ہنس دیا۔

"آئیں بیٹھیں۔ آپ کے لئے کافی منگواتے ہیں۔" سرجن علی نے کہا۔

"شکریہ، میں اس وقت کافی نہیں پیوں گا۔" رافع نے کہا۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا یا ابھی باقی ہے؟" رافع نے ثریا سے پوچھا۔

"ہم ابھی کچھ دیر پہلے آپریشن سے فارغ ہوئے ہیں۔ اب تو کام نہیں۔"

"تو پھر گھر چلتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں یہ کافی ختم کر لوں۔ مجھے بھی آرام کی ضرورت ہے بہت تھکن ہو رہی ہے۔"

رافع خاموش بیٹھ گئے۔

سرجن علی، رافع سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ چند ایک باتیں کیں بھی مگر رافع کو گھر

جانے کی جلدی تھی۔

ثریا نے کافی ختم کی اور سرجن علی سے اجازت چاہی۔

رافع نے سرجن علی سے ہاتھ ملایا اور ان کے کمرے سے نکل آئے۔

گھر پہنچ کر ثریا نے کپڑے تبدیل کئے اور سونے لیٹ گئی۔ رافع بھی آ گئے۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، میں تو آپ کو دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔"

"ہاں، میں ٹھیک ہوں اور تم مجھے دیکھ کر پریشان کیوں ہو گئیں۔ میں نے اچانک تمہیں دیکھ لیا سرجن علی کے ساتھ اس لئے؟"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" ثریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"وہی جو تم سن رہی ہو۔ میں یہی تو دیکھنے گیا تھا کہ تم کتنی مصروف ہو، پتا چلا تم سرجن علی کے ساتھ کافی پی رہی ہو اور وہ بھی ان کے کمرے میں بیٹھ کر۔"

"تو پھر مجھے کہاں ہونا چاہئے تھا؟"

"کہیں بھی ہوتیں کسی بھی خاتون کے ساتھ ہوتیں لیکن ایک نامحرم کے ساتھ اکیلے کمرے میں بیٹھ کر۔"

"مجھے آپ کی بات سن کر حیرت ہو رہی ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کسی دن آپ اس قسم کی بات کریں گے۔"

"تم میری غیرت کو للکار رہی ہو اور میں خاموش رہوں۔ نہیں جاؤ گی تم آئندہ ہسپتال...... تمہارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے سرجن علی کے ساتھ۔" رافع کا لہجہ بدلا ہوا تھا بلکہ وہ ایک بدلے ہوئے انسان لگ رہے تھے۔ شاید اپنے کسی اندرونی جرم کو چھپانے کی یہ نفسیاتی وجہ تھی۔ ثریا کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔

"آپ بھی سن لیں میری ایک بات۔" وہ ذرا سا رکی پھر چبا چبا کر بولی۔

"میں ہسپتال نہیں چھوڑوں گی اور رہے سرجن علی تو سن لیں یہ وہ علی نہیں جو آپ کے اور ارسلہ کے بیچ آ گئے تھے۔ یہ میرے باس ہی نہیں میرے ڈیڈی کے قریبی دوست کے بیٹے بھی ہیں۔"

"یہ ارسلہ کہاں سے آ گئی درمیان میں اور علی کے بارے میں تم سے کس نے کہا؟"

"آپ کی نگہت آرا بیگم نے۔"

"بکواس بند کرو ثریا۔ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ خبردار جو تم نے آئندہ کسی کا نام لیا، میں بھی دیکھتا ہوں کیسے جاتی ہو تم سرجن علی کے ساتھ کام کرنے۔"

"یہ آپ نہیں، آپ کا گلٹ بول رہا ہے رافع۔ سرجن علی میرے بھائی ہیں اور وہ ایک چھوٹی بہن ہی کی طرح مجھ سے ٹریٹ کرتے ہیں۔ آج سے نہیں بہت سالوں سے۔"

"ہونہہ بھائی...... یہی اس نے بھی کہا تھا۔ علی میرے بھائی ہیں۔ میں احمق نہیں ہوں۔ ہاں علی بھائی تھے ارسلہ کے مگر خالہ زاد...... اور آج یہ علی تمہارے بھائی ہو گئے۔ چہ خوب!"

"ثریا ان کا جواب سن کر حیران رہ گئی۔ وہ بہت ذہین تھی۔ بڑی جلدی معاملے کی تہ تک پہنچ جاتی تھی۔"

"اوہ تو یہ بات تھی مسٹر رافع، آپ نے ارسلہ پر الزام لگایا ہوگا۔ شک کیا ہوگا اور تب اس نے آپ کو چھوڑ دیا...... اور جب اس نے چھوڑ دیا تو آپ نگی کی طرف لوٹ آئے...... کیوں یہی بات تھی نا!"

"میں بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں۔ بہتر ہے کہ تم اس معاملے میں خاموش رہو۔"

"ارسلہ واقعی بہت اچھی لڑکی ہوگی۔ کاش میں اس سے مل سکتی۔" ثریا نے پھر کہا۔ "اور علی کو واقعی بھائی کی طرح پیار کرتی ہوگی۔"

"جب تم ارسلہ کو جانتی نہیں ہو تو اپنی رائے اپنے پاس رکھو۔"

"میں اسے جان گئی ہوں رافع...... جب کوئی لڑکی اپنے کزن کو اعتماد کے ساتھ "بھائی" کہے تو اس کا صرف یہی مطلب ہوتا ہے کوئی دوسرا مطلب نہیں ہوتا اور جب لڑکی پر شک کیا جائے تو اس کے دل کے دروازے اس شک کرنے والے کے لئے بند ہو جاتے ہیں اگر میں سرجن علی کو اپنا بڑا بھائی کہہ رہی ہوں تو اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ کبھی غور کیجئے گا اپنی سوچ پر اپنے خیالات پر۔"

"مجھے کچھ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم لڑکیوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں میرے سامنے آئندہ پارسائی جتانے کی کوشش نہ کرنا۔" ثریا تھکی ہوئی تھی وہ سونا چاہتی تھی مگر رافع نے اس کی نیند غارت کر دی۔ نیند ہی نہیں اس کا چین و سکون سب کچھ چھن گیا۔

اس نے اپنا تکیہ اٹھایا اور کہا۔

"میں دوسرے کمرے میں سونے جا رہی ہوں۔ مجھے مت اٹھائیے گا۔ میں تھکی ہوئی

ہوں۔"

"تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ یہیں لیٹو گی اسی کمرے میں۔ یہ حکم ہے میرا۔" وہ دھاڑے اور تکیہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ شاید اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ تھا بھی نہیں۔

"بیٹی اپنے شوہر کی ہر بات ماننا۔ اس کی خوشی کا بے حد خیال کرنا۔" امی جان نے اس سے کہا تھا۔ سو وہ ڈھے گئی۔

کچھ بھی ہو رافع اس کے شوہر تھے۔

اسے خاموش ہونا چاہئے اور اس کی جائز بات ماننی چاہیے۔

وہ اس وقت بات کو بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ اوندھی ہو کر اپنے بستر پر گر گئی۔

رافع بھی دوسری طرف لیٹ گئے۔

سوتے جاگتے صبح ہو گئی۔ آج اس کی فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اس نے غسل کیا کپڑے تبدیل کئے اور قضا نماز پڑھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

رافع اور اپنے لئے ناشتہ تیار کرنا تھا۔ ناشتے کی میز پر وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے خاموش بیٹھے تھے نہ رافع نے کچھ کہا اور نہ ثریا کچھ بولی۔ چپ چاپ ناشتہ کیا اور پھر رافع اخبار پڑھنے بیٹھ گئے۔ ثریا گھر کے دوسرے کام نمٹانے لگی۔

"اچھا خدا حافظ۔" رافع دفتر جانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

"خدا حافظ۔" اس نے کچن ہی میں سے جواب دیا۔

رافع دفتر چلے گئے۔ آج انہیں بھی دیر ہو گئی تھی۔

سارا دن ثریا ذہن میں تانے بانے بنتی رہی۔

"کس طرح کٹے گی یہ زندگی۔ رافع ایک شکی مزاج مرد ہیں۔ آج انہوں نے جس طرح مجھ پر الزام لگایا اور جس گھٹیا انداز میں گفتگو کی، میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

اچانک اس نے کچھ دنوں کے لئے پاکستان جانے کا پروگرام بنایا۔ اسے دو ہفتے کی چھٹی مل سکتی تھی۔ اس نے اسی وقت سرجن علی سے بات کی۔

"میں دو ہفتے کے لئے پاکستان جانا چاہتی ہوں۔"

"مگر اچانک!"

"ہاں یہ میرے لئے بہت ضروری ہے۔ میں تھک گئی ہوں اور امی سے ملے بہت دن ہو گئے ہیں۔"

"او کے، میں انتظام کر دوں گا۔ کب جانا ہے۔"

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔"

"آج تمہاری ڈیوٹی آف ہے۔ یاد ہے نا۔"

"جی مجھے یاد ہے اگر مجھے چھٹی کل ہی مل جائے تو میں سیٹ بک کروالوں گی۔"

"میں تمہیں فون کر کے بتا دوں گا۔"

شام کو رافع گھر آ گیا۔ دونوں جانب خاموشی تھی۔ رافع کو معلوم نہیں تھا کہ آج رات اس کی ڈیوٹی آف تھی۔

"کیوں، تمہیں ہسپتال نہیں جانا؟" رافع نے بات میں پہل کی۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"آپ نے منع جو کیا ہے۔" وہ یونہی کہہ گئی۔

رافع قریب آ گئے۔

"بڑی فرمانبردار بن رہی ہو۔"

"ظاہر ہے، آپ کا حکم ماننا میرا فرض جو ٹھہرا۔"

"طنز کر رہی ہو۔"

"حقیقت بیان کر رہی ہوں۔"

"میں کل بہت غصے میں تھا نہ جانے کیا کچھ کہہ گیا۔ مجھے معاف کر دو۔"

"بہت سی باتیں نا قابل معافی ہوتی ہیں۔ شاید میں آئندہ ایسی بات نہ سن سکوں۔"

"تم نے مجھ سے فضول گوئی کی تھی۔"

"میں نے صرف نگی کی بات دہرائی تھی جو اس نے مجھ سے فون پر تفصیلاً بیان کی تھی۔"

"لیکن آئندہ تم بھی نگی کی کوئی بات نہیں کرو گی۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"جانتی ہوں۔"

"جب جانتی ہو تو پھر یہ ذکر ہوتا ہی کیوں ہے؟"

"ٹھیک ہے میں بھی خیال رکھوں گی مگر آپ بھی خود کو چیک کریں۔"

"آج ہسپتال کی چھٹی ہے؟"

"ہاں آج مجھے نہیں جانا...... بلکہ میں دو ہفتے کی چھٹی لے رہی ہوں۔"

"ویری گڈ...... یہ تو اچھی خبر ہے۔"

"آپ نے پوچھا نہیں کیوں لے رہی ہوں چھٹی؟"

"ریسٹ کرنے کے لئے اور کیا وجہ ہوسکتی ہے۔"

"ہاں میں آرام کرنا چاہتی ہوں مگر یہاں نہیں۔ میں امی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ صرف دو ہفتے کے لئے مجھے امید ہے کہ آپ امی کے پاس جانے سے منع نہیں کریں گے۔"

"نہیں تم ضرور جاؤ...... مجھے بتانا میں تمہاری سیٹ بک کروا دوں گا اور ہاں امی کو بتاد ہے۔"

"نہیں...... میں اچانک پہنچوں گی۔ ویسے امی جان سے روزانہ ہی بات ہوتی ہے۔ وہ مجھے بہت یاد کرتی ہیں۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ میں بھی تمہارے ساتھ چل سکتا تھا۔" وہ خاموش رہی۔

وہ کیسے کہتی۔ "نہیں رافع...... میں آپ کے ساتھ جانا ہی نہیں چاہتی نہ ہی مجھے سسرال کے چکر لگانے ہیں۔ میں صرف اپنے گھر امی جان اور ڈیڈی کے گھر رہنا چاہتی ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"گھر کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی، آپ کو مشکل ہو جائے گی۔"

"ہاں ہوگی تو......مگر کام چل ہی جائے گا۔"

دوسرے ہی دن سرجن امتیاز علی کا فون آ گیا کہ چھٹی منظور ہوگئی ہے۔ وہ آ کر لیٹر لے جائے۔

رافع نے اس کی سیٹ بک کرا دی دو روز بعد وہ پاکستان جا رہی تھی۔

کراچی ایئرپورٹ پر لینے ثریا کی دوست ڈاکٹر زہرہ آئی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی پیاری دوست کو فون کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ وہ امی جان کو سرپرائز دینا چاہتی ہے۔

صبح کا وقت تھا زہرہ، ثریا کو اپنے گھر لے گئی جو ثریا کے گھر سے زیادہ دور نہ تھا۔

"تم فریش ہو جاؤ، میں تمہیں جب کہو گی امی جان کے گھر لے چلوں گی۔"

"آج تمہیں ہسپتال نہیں جانا؟"

"تمہاری خاطر چھٹی کر لی ہے۔"

زہرہ کے گھر میں سناٹا تھا۔ اس کے شوہر بھی ڈاکٹر تھے۔ وہ ان دنوں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ زہرہ کا ایک بیٹا تھا۔ جس کی عمر دو سال تھی۔ بہت ہی پیارا...... وہ آیا کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

ثریا غسل لینے واش روم جا چکی تھی۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ باہر آئی تو چائے اور ناشتہ تیار تھا۔

"میں صرف چائے لوں گی زہرہ...... جہاز میں کچھ کھا لیا تھا۔"

"تھوڑا سا لے لو۔ ایک توس ہی سہی۔ جہاز کا ناشتہ تو بس۔"

"ہاں مگر ابھی نہیں...... میں کچھ دیر ہی رکوں گی پھر اپنے گھر جانا چاہوں گی۔"

"ضرور میں تمہیں روکوں گی بھی نہیں مگر تم میرے پاس کم از کم ایک دن ضرور رہنا...... خوب باتیں کریں گے۔"

"کیوں نہیں، تم ہی تو میری واحد دوست ہو جس سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں۔"

"میں بھی تم سے بہت ساری باتیں کروں گی ثریا۔ کتنے دن ہو گئے ہم نے ایک دوسرے سے باتیں نہیں کیں۔ پچھلا زمانہ یاد آتا ہے تو دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔ سٹوڈنٹ لائف کتنی اچھی ہوا کرتی تھی۔ خیر تم تو اب بھی سٹوڈنٹ ہی ہو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ ویسے تمہارے دولہا میاں کیسے ہیں کس مزاج کے ہیں۔ شکل تو بہت اچھی ہے میں دیکھ ہی چکی ہوں۔"

"اچھے ہیں۔ تم مل چکی ہو ان سے۔"

"ہاں مگر زیادہ بات نہیں ہوئی تھی۔"

"اچھا بھئی باقی باتیں بعد میں ہوں گی اب تم مجھے پہنچوا دو۔"

"میں بھی چل رہی ہوں تمہارے ساتھ۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔"

زہرہ نے اپنے بیٹے کو اٹھایا اور ثریا کے ساتھ اس کے گھر روانہ ہوگئی۔ ذرا سی دیر میں ثریا

کا گھر آ گیا۔

''ارے دیکھو کون گھنٹی بجا رہا ہے؟'' مسز ہمدانی نے کہا۔

ماسی باہر چلی گئی۔

''اللہ ثریا باجی آپ؟'' وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

''بیگم صاحبہ، بیگم صاحبہ!''

''ارے کیا ہوا کیوں چیخ رہی ہو؟''

''دیکھیں تو کون آیا ہے؟''

''کون آیا ہے۔'' مسز ہمدانی کمرے سے باہر آئیں...... اور ثریا کو دیکھ کر انہیں خوشی اور مسرت کا شاک لگا۔

''ثریا تم بغیر اطلاع...... خیریت تو ہے۔''

''جی امی بالکل خیریت...... سرپرائز دیا ہے آپ کو۔ آپ بہت یاد آ رہی تھیں۔'' امی جان نے بیٹی کو گلے لگا لیا۔

''کتنے دنوں بعد دیکھا ہے تم کو ڈیڑھ سال ہو گیا تمہاری شادی کو اور اب آئی ہو۔''

''امی جان میرے پاس چھٹی نہیں تھی۔ اب دو ہفتے کی چھٹی لے کر آئی ہوں۔ ٹریننگ ختم ہونے والی ہے اس لئے آسانی سے چھٹی مل گئی۔''

''رافع نہیں آئے؟''

''امی جان وہ بہت مصروف ہیں۔''

''ارے زہرہ تم اب تک کھڑی ہو۔ میں بھی ثریا کو دیکھ کر تمہیں بھول ہی گئی۔ آؤ بیٹھو۔''

زہرہ اپنے بچے کو گود میں لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آنٹی میں ماں بیٹی کا ملاپ دیکھ رہی تھی۔ واقعی آپ نے تو ثریا کے سوا کسی جانب دیکھا ہی نہیں۔''

''کیا کروں، ماں ہوں اور پھر ایک ہی بیٹی ہے میری۔ ان کے ڈیڈی تو جاتے رہتے ہیں، میں نہیں نکل سکی۔''

''امی جان آپ کچھ کمزور لگ رہی ہیں۔ کیا بیمار رہی ہیں؟'' ثریا نے پوچھا۔

''بس بڑھاپا ہے کمزوری تو ہو گی۔''

''یہ لیجئے ابھی تو میں ہی بچی ہوں۔ آپ کہاں سے بوڑھی ہو گئیں۔''

''نہیں ہوئی تو بھی ہو جاؤں گی بوڑھی بس نانی بننے کی دیر ہے۔'' امی جان نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں ثریا کیا پلان ہے تمہارا؟'' زہرہ نے پوچھا۔

''ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں نا!'' ثریا نے جھینپ کر کہا۔

''بھئی وہ تو ختم ہی سمجھو۔ اب میں زیادہ انتظار نہیں کروں گی فوراً سے بیشتر خوشی خبری ملنی چاہئے۔'' زہرہ نے کہا۔

''تم کب سے حکم چلانے لگیں۔'' ثریا نے کہا۔ ''ابھی تو ہم لوگوں کے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔''

''تو بچے کے ساتھ ہنس کھیل لینا کس نے منع کیا ہے۔'' امی جان نے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ڈاکٹر ہمدانی کا فون تھا۔

''آج دوپہر میں کھانے پر نہ آ سکوں گا میرا انتظار نہ کرنا۔'' انہوں نے بیوی سے کہا۔

''اے لو، آپ کو پتا ہے گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ کھانا گھر پر ہی کھائیے گا۔''

''کون آیا ہے مہمان۔ تم نے بتایا کیوں نہیں؟''

''آپ کی لاڈلی آئی ہے ثریا۔''

''کیا کہا؟ ثریا آئی ہے...... تو پھر میں ضرور آؤں گا۔ کیا رافع بھی آئے ہیں۔''

''نہیں، ثریا اکیلے آئی ہے۔''

''خیریت سے تو ہے نا؟''

''بالکل خیریت سے ہے۔''

زہرہ تھوڑی دیر رکی پھر اجازت لے کر اپنے گھر چلی گئی۔ ماں بیٹی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔

❀ ❀ ❀

ثریا کے جانے کے بعد رافع کو گھر خالی خالی سا لگتا۔ اِک عجیب طرح کی ویرانی کا احساس تھا۔ بیڈ روم میں ثریا اور اس کی اپنی شادی کی تصویر سامنے ہی میز پر رکھی تھی۔ پورا گھر ثریا کی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ثریا نے کبھی اسے کسی چیز کی کمی کا احساس نہیں ہونے

دیا۔ وقت پر ناشتہ، وقت پر کھانا، کپڑے استری کئے ہوئے ہینگر میں ٹنگے ملتے، جوتے موزے ہر چیز کی جگہ مقرر تھی۔

اسے گئے صرف تین دن ہوئے تھے اور یوں لگتا تھا سارا نظام بگڑ گیا ہے۔ شادی سے قبل وہ تنہا رہنے اور اپنا کام کرنے کا عادی تھا مگر جب سے ثریا اس کی زندگی میں آئی تھی تمام کام اس نے اپنے ذمے لے لئے تھے۔ رافع کا کام کرنا اسے پسند نہیں تھا۔ کئی بار اس بات پر ان کا جھگڑا بھی ہو چکا تھا اور اب واقع رافع کو گھر کے کام کی عادت نہیں رہی تھی۔ تین دن ہی میں گھر کا حلیہ خراب ہو گیا تھا۔

کچن میں صفائی نہ تھی۔ اس کا دل کچھ پکانے کو نہ چاہتا۔ بازار سے تیار شدہ کھانا لا کر اس نے فریج میں بھر لئے۔

اس کے پاس اپنا ایک البم تھا۔ جس میں طالب علمی کے زمانے کی تصاویر تھیں۔ یہ البم ثریا نے نہیں دیکھی تھی۔ اس کا ذکر ہی نہیں آیا تھا۔ اب اچانک رافع کو اس البم کا خیال آیا۔ اس نے تصویریں دیکھنی شروع کیں تو ارسلہ کی شیلڈ لیتے ہوئے تصویر سامنے تھی۔ وہ کتنی مقدس اور گریس فل لگ رہی تھی۔ مشاعرے میں نظم سناتی ہوئی ارسلہ۔

سالانہ فنکشن ہو یا کوئی پروگرام وہ ہر چیز میں آگے ہوتی تھی۔ نہ جانے کتنی تصویریں تھیں۔ رافع کے ذہن پر ماضی ایک فلم کے مانند گھوم رہا تھا اور پھر نگی کی تصاویر نگی کے گھر کھینچی گئی تصاویر جو اس نے بطور خاص رافع کو دی تھیں۔

نگی کی بجی سنوری تصویریں اور ارسلہ کی سادہ اور انعامات لیتی ہوئی تصاویر وہ خوامخواہ ان دونوں کا مقابلہ کرنے بیٹھ گیا۔

مگر نگی اس پر مرتی تھی۔

جب کہ ارسلہ نے اسے ریجیکٹ کر دیا تھا۔

کس لئے؟ کیا ثریا سچ کہتی ہے؟ میں نے ارسلہ پر الزام لگایا تھا۔ علی کے حوالے سے۔ جسے وہ اپنا بھائی کہتی تھی...... اور ثریا بھی سرجن امتیاز علی کو اپنا بھائی کہتی ہے۔ شاید یہ سب سچ ہو! مگر نگی نے میری زندگی میں زہر کیوں گھولا۔ وہ جس انداز سے پارک ٹاور میں ملی تھی اس کا رویہ بہت نامناسب تھا۔ اگر نگی کے بجائے ارسلہ ملی ہوتی تو کیا وہ ایسی بات چیت کرتی کبھی نہیں۔ ارسلہ ایسی لڑکی نہیں تھی۔ وہ تو اتنے احترام سے ملتی کہ ثریا کا دل خوش ہو جاتا۔ مگر

یہ ارسلہ نہیں تھی نگی تھی...... اور اس نے ثریا کے کان بھرے تھے۔ خدا جانے فون پر اس نے کیا کچھ کہا ہوگا۔ تب ہی تو ثریا جیسی خاموش طبع بھی خاموش نہ رہ سکی اور اس نے ارسلہ اور علی کا طعنہ دے ہی دیا۔" رافع نے البم بند کر کے دراز میں رکھی اور شام کی چائے بنانے چلے گئے۔

ابھی رافع چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ یہ ان کے دوست شفیع کا فون تھا۔

دو روز قبل شفیع انہیں بازار میں مل گیا تھا، یہ دونوں کبھی سکول فیلو رہ چکے تھے۔ ان کے درمیان دوستی نہیں تھی مگر دوسرے ملک میں کوئی بھی صورت آشنا مل جائے تو خوشی ہوتی ہے۔ رافع نے اپنا کارڈ دے دیا تھا۔

"رافع اگر فارغ ہو تو آ جاؤ۔ ہم لوگ آؤٹنگ کا پروگرام بنا رہے ہیں۔"

"آج ہفتہ ہے گھر پر ہی ہوں۔ تم ایڈریس بتا دو، میں آ جاؤں گا۔"

شفیع نے ایڈریس بتایا۔ رافع تیار ہو کر اس کے اپارٹمنٹ پہنچ گئے۔

شفیع کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ میں دو امریکن لڑکیاں تھیں۔

رافع کا خیال تھا کچھ پرانے دوست ہوں گے اور مل کر آؤٹنگ کریں گے مگر یہاں دوسرا قصہ تھا۔

"رافع ان سے ملو۔ یہ روزی ہے میری فرینڈ اور یہ للی ہے ابھی آئی ہے دوسرے شہر سے۔ یہ روزی کی دوست ہے۔ میں نے تمہیں اسی لئے بلایا۔ للی اکیلی تھی اسے کمپنی چاہئے تھی۔ اب تم آ گئے ہو تو۔"

رافع نے للی کی طرف دیکھا۔ وہ ایک کم عمر لڑکی تھی۔ حسن جوانی پھوٹی پڑتی تھی۔ للی سے ہاتھ ملاتے ہوئے رافع کا دل عجیب انداز سے دھڑکا۔

رافع اس قسم کے مرد نہ تھے کہ امریکن لڑکیوں سے دوستی کرتے مگر پچھلے دنوں عریاں فلمیں دیکھ دیکھ کر ان کا ذہن پراگندہ ہو چکا تھا۔ وہ برائی کو برائی سمجھنے کو تیار نہ تھے۔

شفیع اور روزی کچن میں چلے گئے۔ روزی سینڈوچز تیار کر رہی تھی اور شفیع چائے کی تیاری کر رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں رافع اور للی تھے۔

دونوں میں باتیں شروع ہو گئیں۔

للی نیویاک میں رہتی تھی۔ اس کی ماں مر چکی تھی۔ باپ کے بارے میں اسے کچھ معلوم

نہ تھا اور وہ خود اپنی خالہ کے ساتھ رہتی تھی۔ ایک دفتر میں کلرکی کرتی اور اپنا خرچ اٹھاتی تھی۔ روزی اس کی دوست تھی اور اس نے لتی کو اپنے گھر بلایا تھا چند روز کے لئے۔

لتی بھی خود کو تنہا محسوس کرتی تھی اس لئے چلی آئی۔

شفیع اور روزی ایک ساتھ رہتے تھے۔ شفیع کی تعلیم زیادہ نہ تھی مگر چھوٹا سا کاروبار تھا جسے وہ خوش اسلوبی سے چلا رہا تھا اور معقول رقم کما لیتا تھا۔

شفیع اور رافع دو مختلف نوجوان تھے۔

رافع نے کافی وقت ایک ساتھ گزارا۔ باہر بھی گئے رات گئے گھر آئے تو رافع کے ذہن پر لتی کی جوانی سوار تھی۔ اندر سے کوئی آواز تھی جو رافع کو منع کر رہی تھی۔ یہ ضمیر کی آواز تھی جو ابھی زندہ تھا۔ مگر انہوں نے خود کو ایک بار پھر یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ صرف ملاقات کرنے میں کیا حرج ہے۔ یہ سب اچھے لوگ ہیں۔

لتی کو پتا چل چکا تھا کہ رافع ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دولت مند نوجوان ہے جس کی بیوی بھی ڈاکٹر ہے۔ اس لئے لتی کا انداز سہما سہما تھا۔ وہ خود کو کمتر محسوس کر رہی تھی۔ وہ کم عمر بھی تھی اور شاید ناتجربہ کار بھی۔ اسے اپنی بے پناہ خوبصورتی کا احساس بھی نہ تھا۔ یہ وہ خوبصورتی تھی جو عام امریکی نوجوانوں کے لئے کشش کا باعث نہیں تھی کیونکہ یہ جنس وہاں سب کے لئے عام تھی مگر پاکستانی نوجوانوں کے لئے یہ شجر ممنوعہ کشش کا باعث تھی۔ رافع تمام رات لتی کے بارے میں سوچتے رہے۔

یہ سہمی ہوئی حسین دوشیزہ انہیں اچھی لگی تھی۔ ان کا جی چاہ رہا تھا اسے بانہوں میں سمیٹ کر وہ اپنی تمام تشنگی دور کریں۔

لتی نہیں جانتی تھی رافع نے اس کے بارے میں کیا سوچا بلکہ ان کے محتاط رویے نے اسے مزید احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ لتی نے اپنے دل کی بات روزی سے کہی تو تجربہ کار روزی ہنس دی۔

”بے وقوف ہو تم، ان دنوں رافع کی بیوی پاکستان گئی ہوئی ہے۔ یہی تو بہترین موقع ہے اسے اپنی جانب مائل کرنے کا۔ وہ پڑھا لکھا انسان ہے۔ دولت مند بھی ہے۔ پڑھا لکھا انسان محتاط ہوتا ہے مگر دولت انسان کو گمراہ کر دیتی ہے۔ اگر تم اسے پسند آ گئیں تو وہ ایک الگ اپارٹمنٹ لینے کی پوزیشن میں ہے۔ ہاں تمہیں پہل کرنی ہو گی لتی۔ شکار اگر خود ہی جھولی میں

آن گرے تو شکاری اسے کھاتا ضرور ہے، یہ یاد رکھو۔“

”مجھے رافع اچھا لگا تھا مگر میں اس سے فری نہیں ہو سکی۔“

”کل اتوار ہے۔ چھٹی کا دن۔ تم صبح ہی اسے فون کرو۔ وہ آ جائے گا۔“

”نہیں، وہ نہیں آئے گا۔“

”وہ ضرور آئے گا...... مجھے یقین ہے۔“

”میں اس سے کیا کہوں؟“

”کچھ بھی کہو احمق لڑکی، گھومنے چلی جانا اس کے ساتھ، لنچ کرنا، باتیں کرنا۔“

”مجھے کسی بات کا تجربہ نہیں، میں نے کبھی کسی پاکستانی سے بات نہیں کی۔“

”مجھے دیکھو شفیع کے ساتھ عیش کر رہی ہوں۔ یہ پاکستانی مرد اچھے ہوتے ہیں۔ شفیع میرے سوا کسی کی طرف نظر نہیں کرے گا یہ میں جانتی ہوں۔“

”لیکن رافع شادی شدہ ہے۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کی بیوی ان دنوں اس کے پاس نہیں ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑے بالخصوص مرد ان حالات میں تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تم اس کی تنہائی دور کر دو۔ بس یہی تمہاری کامیابی ہے۔“

”لیکن مجھے جلدی خالہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ میں صرف ایک ہفتے کے لئے آئی تھی۔“

”نہیں، اب تم واپس مت جاؤ۔ میں تمہاری خالہ سے بات کر لوں گی۔ تمہیں یہاں بھی ملازمت مل جائے گی۔ جب تک تمہارا کہیں بندوبست نہیں ہوتا ہمارے ساتھ رہو۔ آخر دوست ہو میری۔“

لتی اچھی لڑکی تھی۔ اس کی عمر ابھی صرف سترہ سال تھی۔ اسے رافع اچھا لگا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ رافع کو اپنی طرف کس طرح مائل کر سکتی ہے۔ روزی بڑی عمر کی تھی، گھاگ تھی۔ بس ایک دوسرے کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے دوست بن گئی تھی۔ روزی کو اس سے ہمدردی بھی تھی کیونکہ اس کی ماں مر چکی تھی اور باپ کا کچھ پتا نہ تھا۔ خالہ بھی کوئی اچھی عورت نہ تھی۔ ان دنوں تیسری شادی کر چکی تھی۔ روزی جانتی تھی خالہ کے ساتھ رہ کر لتی کا کوئی مستقبل نہیں۔ اسی لئے اس نے لتی کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اب یہ لتی کی خوش قسمتی کہ شفیع کو اپنا پرانا کلاس فیلو

رافع مل گیا۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ ابھی رافع ناشتہ سے فارغ ہی ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

رافع نے فون اٹھایا۔ دوسری جانب لتی تھی۔ لتی نے رافع کی تعریف میں بہت سی باتیں کیں اور کہا۔

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں نے زندگی میں آپ جیسا بہترین انسان کبھی نہیں دیکھا۔"

"ابھی تو تمہاری عمر بہت کم ہے اس وجہ سے تم نے دنیا کے لوگوں کو کم دیکھا ہے۔"

"مگر آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ کیا آپ آج اور ابھی میرے پاس آسکتے ہیں، ہم کہیں سیر کو جائیں گے اور پھر باتیں کریں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں آجاؤں گا۔ ایک گھنٹے بعد۔"

رافع کو لتی کی باتیں اچھی لگی تھیں۔ اس نے ان کی تعریف کی تھی۔

"وہ ایک خوبصورت اور معصوم لڑکی ہے۔ اگر میں کچھ وقت اس کے ساتھ گزار لوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔" رافع نے ایک بار پھر اپنے ضمیر کو دھوکا دیا۔

ابھی وہ تیار ہی ہو رہا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی

اس بار ثریا کا فون تھا۔

"اوہ ثریا!" وہ جیسے کسی خواب سے جاگ گیا تھا۔

"کیسی ہو بھئی، تم نے فون ہی نہیں کیا۔"

"کل میں نے کئی بار ٹرائی کیا، آپ گھر پر نہیں تھے۔"

"ہاں ......سوری ثریا۔ میں گھر پر نہیں تھا۔ میرا ایک کلاس فیلو ہے شفیع۔ سکول فیلو تھا۔ مجھے اتفاقاً مل گیا تھا اس نے مجھے اپنے گھر بلایا تھا۔ وہیں تھا میں۔"

"آپ بور تو نہیں ہو رہے؟"

"تم اپنی بات کرو، کہاں کہاں گھومیں۔ میرے گھر تو گئی ہوگی؟"

"ہاں، میں ڈیڈی اور امی جان کے ساتھ تمہارے گھر گئی تھی۔ مجھے اچانک دیکھ کر تمہارے ابو اور امی بے حد خوش ہوئے۔ میری خوب خاطریں کیں۔ انہوں نے تمہیں فون کیا

ہوگا۔"

"میں خود ہی فون کروں گا بلکہ ابھی کروں گا۔ شاید جاگ رہے ہوں گے۔ زیادہ رات تو نہیں ہوئی ہوگی وہاں۔"

"آپ ٹرائی کرلیں۔ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں سب۔"

"اور تم؟"

"میں بھی، رافع اگر آپ ساتھ ہوتے تو اچھا لگتا۔"

"آئندہ ہم ساتھ ہی جائیں گے۔"

اس وقت ثریا جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سچے دل سے کہہ رہی تھی۔ وہ رافع کی تمام خطائیں معاف کرکے اسے مس کر رہی تھی۔ آخر تو وہ اس کا مجازی خدا تھا اور اسے یقین تھا کہ رافع بھی اسے مس کر رہا ہوگا۔

آہ! عورت کی یہ خوش فہمیاں!

مرد ایک بند کتاب کے مانند ہوتا ہے جس کے تمام ورق چپکے ہوئے ہوتے ہیں کچھ پتا نہیں چلتا اس کے اندر لکھا کیا ہے، اس کے دل کی دنیا کسی اور کے تصور سے آباد ہوتی ہے اور زبان پر کسی اور کا نام۔

وہ اپنی گزری ہوئی زندگی کے لمحے لمحے کا حساب رکھتا ہے کبھی پچھتاتا ہے کبھی خوش ہوتا ہے مگر عورت اسے سمجھ نہیں پاتی۔ صحیح معنوں میں جیت نہیں پاتی۔

زندگی پھر بھی گزر ہی جاتی ہے۔ پل صراط پر چلتے چلتے......کبھی پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں کبھی دل لہولہو ہوتا ہے مگر سمجھوتے کی چادر سب کچھ چھپا دیتی ہے۔ کوئی کچھ نہیں جانتا اندر کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ دل روتے ہیں مگر لب مسکراتے ہیں۔

رافع، لتی کے پاس جا پہنچے۔ شفیع دوست کو دیکھ کر خوش ہوگیا۔

"اچھا ہوا تم آگئے یار، میں اور روزی بھی آؤٹنگ پر جارہے ہیں تم لتی کو لے جاؤ۔"

"مگر شفیع یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ میری بیوی کچھ دنوں بعد آجائے گی۔"

"کم آن یار، بیوی اپنی جگہ پر اور لتی اپنی جگہ پر اور پھر اس وقت تو وہ نہیں ہے نا؟"

"ایک بات بتاؤ شفیع؟ تم روزی سے شادی کیوں نہیں کرلیتے۔"

"شادی۔" وہ ہنس دیا۔

"ان لڑکیوں سے شادی کون کرتا ہے۔ یہ تو وقت گزاری کا ذریعہ ہوتی ہیں، اب یہاں روزی کی وجہ سے مجھے کتنا آرام ہے۔تم نہیں جانتے پاکستان میں میری بیوہ ماں اور دو چھوٹی بن بیاہی بہنیں ہیں، میں ان لوگوں کی خاطر ڈالر کما رہا ہوں۔ انہیں بھیج رہا ہوں۔ میری ایک بہن کی شادی طے ہوگئی ہے۔ اس کے بعد دوسری کی بھی ہو جائے گی اور جب میں ان دونوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا تب اپنی شادی کروں گا مگر یہاں نہیں...... پاکستان جا کر اپنی ماں کی پسند سے۔ بہترین مسلمان لڑکی سے جو میرے بچوں کی اچھی تربیت کی ضامن ہوگی۔"

"اور روزی؟"

"یہ یہیں چھوٹ جائے گی۔ کسی اور کے پاس چلی جائے گی اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا...... ان سے شادی کر کے اپنے آپ کو تباہ کرنا تھوڑی ہے۔ یہ تو ویسے بھی زندگی بھر کا ساتھ نہیں نبھاتیں۔ طلاق لے کر تمام روپیہ پیسہ کی مالک بن جاتی ہیں۔"

"تو کیا تم پاکستان واپس چلے جاؤ گے؟"

"ہاں دوست، میں پاکستان چلا جاؤں گا مگر ابھی بہت وقت مجھے یہاں گزارنا ہے۔"

"یہ سب تمہارے لئے شاید ٹھیک ہو مگر میں تو شادی شدہ ہوں اور ایک شریف ڈاکٹر لڑکی میری بیوی ہے۔"

"تو کیا ہوگیا۔ تمہاری بیوی آجائے گی اور للی واپس چلی جائے گی۔ بس چند دن کمپنی دے دو اتنی سی درخواست کی ہے میں نے۔"

"تم نے مجھے مشکل میں پھنسا دیا ہے۔"

"تو پھر تم نہ آتے آج، منع کر دیتے للی کو۔" شفیع نے ناراضی سے کہا۔

"ہاں، یہ میری کمزوری ہے۔ میں اسے منع نہیں کر سکا مگر یہ دونوں ہیں کہاں؟"

"تیار ہو رہی ہیں۔"

ذرا دیر بعد دونوں باہر جانے کے لئے تیار ہو کر آگئیں۔

آج للی نے سرخ اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے سنہرے بال جو شولڈر تک آ رہے تھے بے حد خوبصورت لگ رہے تھے۔ اس کی نیلی آنکھیں کسی جھیل کا سماں پیش کر رہی تھیں۔

رافع نے اسے دیکھا تو دل کے اندر ہلچل مچ گئی مگر کچھ ظاہر نہ کیا۔

"آؤ چلیں۔" وہ سب اٹھ گئے۔

شفیع اور روزی اپنی گاڑی میں جب کہ رافع کے ساتھ للی بیٹھی اور پھر گاڑی ایک پارک کی طرف روانہ ہوگئی۔

❀ ❀ ❀

ثریا آج اپنی دوست زہرہ کے گھر دن گزارنے آئی تھی۔

"اچھا ہوا تم آ گئی۔ آج خوب باتیں کریں گے اور اب تو تمہارے جانے میں صرف تین دن ہی رہ گئے ہیں۔"

"ہاں صرف تین دن...... بالکل پتا ہی نہیں چلا وقت کس طرح گزر گیا۔"

"تمہارا قیام بھی تو مختصر تھا۔"

"بس سمجھ لو چھٹی مل ہی گئی' ورنہ مشکل ہی تھا آنا۔"

"اچھا یہ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے' رافع کے ساتھ۔ انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہو گی اب تو...... ڈیڑھ سال ہو گیا شادی کو۔"

"بس ٹھیک سمجھو' مگر میری اور رافع کی طبیعت ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔"

"یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ہر شخص ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے' مگر سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ اسی کا نام زندگی ہے۔"

"پتا نہیں زہرہ' مجھے تو خوف آتا ہے۔ پتا نہیں میرا فیصلہ درست بھی تھا یا نہیں؟"

"ارے' یہ کیسی باتیں کر رہی ہو آج' کیا تمہارا جھگڑا ہوا ہے رافع سے؟"

"ایسا کوئی خاص تو نہیں باقی چھوٹے موٹے اختلافات تو ہو ہی جاتے ہیں۔"

"دراصل تمہارے درمیان کوئی بچہ نہیں ہے ثریا...... ورنہ اختلافات کس گھر میں نہیں ہوتے۔ بچے کی ذرا سی تکلیف دیکھ کر دونوں میاں بیوی ایک منٹ میں اپنے اختلافات بھول کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اب پڑھائی ختم ہو رہی ہے' مزید دیر نہ کرنا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں بھی ایسا ہی سوچ رہی ہوں۔"

"رافع کیا کہتے ہیں؟"

"وہ تو کچھ نہیں کہتے' وہ بھی شاید اب گھر میں اضافہ چاہتے ہیں۔"

"بس پھر بے فکر ہو جاؤ۔ جونہی تم انہیں خوشخبری سناؤ گی' تم دیکھ لینا وہ کسی طرح بدلیں گے۔"

"میری چاہت کا دم تو وہ اب بھی بھرتے ہیں زہرہ' مگر میرا مزاج بہت مختلف ہے۔"

"ثریا شاید تم یقین نہ کرو۔ میں اور ثاقب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ہماری کوئی بات بھی ایک جیسی نہیں' مگر گڈو کی آمد نے ہمیں ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہے۔ اب ہم اپنے بارے میں سوچتے ہی نہیں' بس ایک گڑیا کا اضافہ اور ہو جائے تو سمجھو فیملی مکمل۔"

ثریا دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ رافع نے تو اس پر الزامات لگائے تھے' سرجن علی کا طعنہ دیا تھا اور پھر وہ فلمیں...... اسے ایک جھرجھری سی آ گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔ رافع سے بات ہوتی ہے نا' فون پر؟"

"ہاں ہوتی ہے۔ وہ خود ہی کر لیتے ہیں' عام طور پر۔"

"کیسی گزر رہی ہے؟"

"ان دنوں ان کی ملاقات اپنے ایک پرانے سکول فیلو سے ہو گئی ہے۔ چھٹی کا وقت اسی کے ساتھ گزارتے ہیں۔"

"اور سلمان بھی تو ہیں' تمہاری دوست آمنہ کے شوہر۔"

"ہاں' ان سے بھی ملاقات رہتی ہے۔"

"یہ بھی اچھا ہے' ان کا دل بہلا ہوا ہے۔ دوست ہیں قریب۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ میں بھی مطمئن ہوں اسی وجہ سے۔"

"اب دو ہفتے کے بعد جاؤ گی تو زوردار پذیرائی ہو گی تمہاری۔"

"پتا نہیں۔"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میاں بیوی کچھ دن بھی الگ رہیں تو وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے اور میں تو کہتی ہوں کہ کچھ دن الگ ضرور رہنا چاہیے۔ اس طرح محبت بڑھتی ہے۔"

"تجربہ بیان کر رہی ہو یا سنی سنائی ہانک رہی ہو؟"

"تجربہ بیان کر رہی ہوں۔ میں شادی کے چھ ماہ بعد کراچی سے چلی گئی تھی۔ اسلام آباد اپنی خالہ کے گھر...... صرف ایک ہفتہ رہی تھی' مگر اتنے ہی دنوں میں صاحب بہادر مجنوں

بن گئے تھے۔"

"تم تو خوش قسمت ہو۔ تمہارا شوہر تم سے اتنی محبت کرتا ہے۔"

"اور تم خوش قسمت نہیں ہو کیا؟"

"شاید میں بھی ہوں۔ اب یہ تو جا کر پتا چلے گا۔"

"فون ضرور کرنا۔ تم بڑی خراب ہو' کبھی فون نہیں کرتی ہو۔"

"اس کی وجہ میری حد سے بڑھی ہوئی مصروفیت ہے اور کچھ نہیں۔"

"چلو معاف کیا' مگر اب فون کرنا۔"

"ہاں بھئی' کراچی میں تو میری صرف تم ہی دوست ہو۔ دوسری آمنہ ہے۔ کچھ سہیلیاں تو شادی ہو کر کینیڈا' جرمنی چلی گئیں جن کا پتا ہے نہ فون نمبر۔"

"ایسا ہی کچھ اپنا حال ہے۔ دراصل ہم ڈاکٹر لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ شادی ہو کر کسی نہ کسی دوسرے ملک چلی جاتی ہیں۔ تم بھی تو چلی گئی ہو۔"

"تم بھی کبھی امریکہ کا پروگرام بناؤ۔ مل کر گھومیں گے خوب باتیں کریں گے۔"

"دیکھو شاید پروگرام بن بھی جائے۔ ثاقب کے بھائی کی فیملی نیوجرسی میں ہے' وہیں جہاں تم رہتی ہو' مگر چونکہ ہر سال وہ لوگ خود ہی آ جاتے ہیں' اس وجہ سے ہمارا پروگرام نہیں بن پاتا۔"

ابھی یہ باتیں کر رہی تھیں کہ ملازمہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ دونوں کھانے کی میز پر چلی گئیں۔

❀ ❀ ❀

للی اور رافع ایک پارک میں جا پہنچے۔ چھٹی کا دن تھا۔ مرد عورتیں پیئر کی صورت میں گھاس پر ادھر ادھر لیٹے تھے۔ بے حیائی اور بے غیرتی کے مناظر دیکھ کر رافع کی طبیعت مکدر ہونے لگی۔ ان کے اندر کا اچھا انسان زندہ تھا۔ ان کا ضمیر مردہ نہیں ہوا تھا۔

رافع نے دل ہی دل میں سوچا' آج کے بعد وہ للی کو لفٹ نہیں کرائیں گے اور آئندہ کبھی اس کے ساتھ تفریح کرنے نہیں آئیں گے۔

مگر آج تو غلطی ہو گئی تھی' نہ جانے کیوں وہ للی کی ایک فون کال پر بھاگے چلے آئے تھے۔

للی ان کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد للی نے کہا۔

"آؤ تھوڑی دیر سبزے پر بیٹھ جاتے ہیں۔" رافع بھی تھک گئے تھے۔ ایک درخت کے نیچے سبز ٹھنڈی گھاس پر للی لیٹ گئی۔ رافع نزدیک ہی بیٹھ گئے۔

روزی کی سکھائی ہوئی باتیں للی کے ذہن میں گونج رہی تھیں' مگر وہ ہمت نہ کر سکی۔ رافع کا رویہ محتاط تھا۔

"للی اب چلتے ہیں' لنچ کر لو پھر میں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دوں گا۔" للی اٹھ گئی۔

"اس آدمی کو قابو کرنا آسان نہیں ہے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور رافع کے ساتھ لنچ کرنے چل دی۔ لنچ کے بعد رافع نے للی کو اس کے گھر ڈراپ کیا اور کچھ خریداری کرنے لگے۔

سامنے ہی اخبار و رسائل کا ایک بک سٹال تھا۔ انہوں نے ایک اخبار خریدا اس کے بعد پاکستانی رسائل اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگے۔

ایک ماہنامہ کھولا تو سامنے ہی ارسلہ باقی عثمانی کا انٹرویو مع تصویر کے نظر آیا۔ انہوں نے فوراً ہی رسالہ خرید لیا۔

گھر آئے تو سب سے پہلا کام یہی کیا کہ ارسلہ کا انٹرویو پڑھنے بیٹھ گئے۔

زیادہ تر اس کی شاعری کے حوالے سے بات چیت تھی۔ ان دنوں وہ خوب لکھ رہی تھی اور اس کی کئی نظمیں ٹی وی کے کئی چینلز پر گلوکاروں نے گا کر شہرت حاصل کی تھی۔ کئی ڈراموں کے ٹائٹل سانگز بھی اس نے لکھے اور مشاعروں میں بھی شرکت کی۔

"آپ خود بھی تو بہت اچھا گاتی ہیں۔ آپ کی آواز بے حد خوب صورت ہے؟" سوال کیا گیا تھا۔

"بس ٹھیک ہی ہے' لوگ کہتے ہیں۔"

"اب آپ انکساری سے کام لے رہی ہیں۔"

"دراصل سکول' کالج اور یونیورسٹی میں پروگرام میں گا لیتی تھی یا گھریلو محفلوں میں گا لیتی ہوں۔ میں کوئی پروفیشنل سنگر نہیں ہوں۔"

"آپ اپنی کوئی تازہ نظم ہمیں دیں' اس انٹرویو میں شائع کر دیں گے۔"

"ایک تازہ نظم ہے‘ ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔ وہ آپ کو دے رہی ہوں‘ اس کا عنوان ہے۔ "دیپ وفا" آپ اسے شائع کرسکتی ہیں۔"

"آپ نے اکنامکس میں ماسٹرز کیا اور آپ کا رجحان شعروشاعری اور ادب کی طرف ہے۔ آپ نے اردو میں ماسٹرز کیوں نہ کیا؟"

"اب کررہی ہوں۔ میں پرائیویٹ ایم اے کررہی ہوں۔"

"اس کے علاوہ آپ کی اور کیا مصروفیات ہیں؟"

"ایک سکول سے وابستہ ہوں‘ معلمی کا پیشہ اختیار کیا ہے‘ کیونکہ میرے مرحوم والد کو یہی پسند تھا۔ دفاتر یا بینک وغیرہ کی ملازمت ان کو پسند نہ تھی۔ اس وجہ سے میں نے یہی مناسب سمجھا۔"

"کوئی مجموعۂ کلام آپ ترتیب دے رہی ہیں؟"

"جی ہاں‘ ارادہ تو ہے کہ اپنے کلام کو کتابی صورت میں لے آؤں۔"

"آپ کا کوئی استاد ہے۔ میرا مطلب ہے‘ شاعری میں کسی سے اصلاح لیتی رہی ہیں؟"

"میرا استاد زمانہ ہے۔ میں نے کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔"

"آپ کے پسندیدہ شعرا کون سے ہیں؟"

"مجھے ذاتی طور پر علامہ اقبال کی شاعری پسند ہے۔ ویسے جس شاعر کا بھی اچھا شعر ہو وہ میں اپنی ڈائری میں اتار لیتی ہوں۔"

"آپ اپنی قوم کے نام کوئی پیغام دیں گی؟"

"میرا پیغام محبت ہے‘ جہاں تک پہنچے۔"

"اب آپ سے اجازت چاہیں گے۔ یہ مختصر انٹرویو ہے‘ آئندہ آپ سے تفصیلی بات چیت ہوگی۔ آپ کا شکریہ۔"

"ضرور...... آپ کا بھی شکریہ۔"

اس کے بعد ارسلہ باقی عثمانی کی نظم "دیپ وفا" کو شائع کیا گیا تھا۔

دیپ وفا

گھنگھور گھٹا جب چھاتی ہے

جب کوئل شور مچاتی ہے
برکھا رُت برسات سجن
جب رم جھم رم جھم ہوتی ہے
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو
سکھیوں کی رسیلی باتوں میں
بے باک نشیلی گھاتوں میں
چندا کی روپہلی کرنوں میں
خاموش اکیلی راتوں میں
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو
جب مست ہوائیں چلتی ہیں
جب پھول چمن میں کھلتے ہیں
بچھڑے ہوئے دو پیارے ساتھی
آپس میں گلے جب ملتے ہیں
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو
جیون کی اکیلی راہوں میں
جب یاد تمہاری آتی ہے
دونینوں کی برسات بلم
جب دل میں آگ لگاتی ہے
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو
دو پیار کے متوالے راہی
پیپل کی ٹھنڈی چھاؤں تلے

دنیا کی نگاہوں سے بچ کر
جب چھپ کر آپس میں ملے
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو
مغرب کی تھرکتی بانہوں میں
شرمیلی ادائیں بھول گئے
خوشبو میں بسی ان راہوں میں
خاموش وفائیں بھول گئے
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو
تم خوش ہو وہاں ہم چپ ہیں یہاں
تم وعدہ کر کے بھول گئے
ہم نے تو جلایا دیپ وفا
تم لوٹ کے آنا بھول گئے
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو
اب آخری وقت ہے آن لگا
ہر سانس گلے میں رکتا ہے
چاہت کی سنہری راہوں میں
لو دیپ وفا بجھتا ہے
او بھولنے والے پردیسی
ہر گام پہ تم یاد آتے ہو

ارسلہ باقی عثمانی

ارسلہ کی نظم رافع نے کئی بار پڑھی۔ تیز بارش کی وہ دوپہر جب گھرے بادل چھائے ہوئے تھے اور وہ ارسلہ کو چھوڑنے اس کے گھر گئے تھے' سے یاد تھی۔

اس نے کتنا صحیح لکھا تھا' واقعی اپنی مشرقی روایات بھول گئے تھے اور یہاں للی جیسی فضول لڑکی کے ساتھ وقت گزار رہے تھے۔

اچانک ارسلہ انہیں یاد آنے لگی۔ ''وہ بھی مجھے یاد کرتی ہے۔ وہ بہت اچھی تھی...... مگر علی؟''

''نگی نے تو نہ جانے کتنی باتیں اس کے خلاف کہی تھیں اور میں بھی اس سے متنفر ہو گیا تھا اور اس نے بھی تو کہہ دیا تھا۔ میرے دل میں اب آپ کا کوئی خیال نہیں۔''

''کیا ارسلہ ناقابل تسخیر تھی؟ شاید ایسا نہیں تھا۔ خرابی میرے اندر تھی۔ ارسلہ فرشتہ صفت لڑکی تھی۔ خواہ کچھ بھی ہے' وہ مجھے بھول نہیں سکی۔ یہ نظم اس نے کس طرح لکھی...... کیوں لکھی؟ اسے کیسے پتا کہ میں یہاں امریکہ آ کر غلط راستوں پر چل نکلا ہوں...... نہیں ارسلہ' میں ایسا نہیں ہوں...... اب میں کبھی للی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں ثریا کو دھوکا نہیں دوں گا۔ شفیع اچھا آدمی نہیں ہے۔ خود بھی گڑھے میں گرا ہے اور مجھے بھی گرانا چاہتا ہے۔ لوگ سچ ہی کہتے ہیں' بری صحبت سے بچنا چاہیے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے دوست کیسے ہیں؟'' رافع نے اپنا محاسبہ کیا تو انہیں اپنا آپ بے حد برا لگا۔ ان دنوں رافع نے فلمیں دیکھنی بھی چھوڑ دی تھیں۔

''ثریا ٹھیک کہتی ہے' گندی فلمیں برائی کی جانب پہلا قدم ہیں اور پہلا قدم اٹھانے کے بعد دوسرا قدم اٹھانے میں دیر نہیں لگتی۔ اب میں کبھی للی سے نہیں ملوں گا۔'' انہوں نے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کر لیا۔

دوسرے دن للی کی کال آئی تو رافع نے فون بند کر دیا۔

کئی بار ایسا ہوا...... وہ فون نہیں سننا چاہتے تھے۔

مگر پھر شفیع کی کال آ گئی اور اس بار انہیں فون سننا ہی پڑ گیا۔

''آج رات ہمارے گھر ڈنر کرو۔'' شفیع نے کہا۔

''میں شاید نہ آ سکوں' مصروف ہوں۔''

''کیا تمہاری بیوی واپس آ گئی ہے؟''

''ابھی نہیں آئی' مگر آ جائے گی۔''

''تو پھر کیا کرو گے اکیلے گھر میں' آ جاؤ یار۔'' اس کے اصرار پر رافع کو راضی ہونا ہی

پڑا۔

وہ کافی دیر سے پہنچے تھے۔ وہ تینوں رافع کا انتظار کر رہے تھے۔

"اتنی دیر کر دی رافع۔" شفیع نے شکایت کی۔

"مجھے کچھ دفتر کا کام تھا۔ وہی نمٹا رہا تھا۔"

"کچھ دیر آرام بھی کیا کرو' ریلیکس رہا کرو۔ ہر وقت کام' کام اور ٹینشن' صحت برباد ہو جاتی ہے۔"

"روزی کھانا لگاؤ' بہت بھوک لگی ہے۔" روزی اور للی دونوں اٹھ گئیں۔

ذرا دیر بعد کھانا شروع ہو گیا۔ آج بہت اہتمام کیا گیا تھا۔

رافع اور للی کے درمیان کوئی خاص بات چیت نہیں ہو رہی تھی۔ للی اپنی ناکامی کی داستان روزی کو سنا چکی تھی۔ اسی لیے آج نئے سرے سے جال بچھایا گیا تھا۔

رافع کو کچھ خبر نہیں تھی' وہ بس مروت میں کھانا کھانے چلے آئے تھے۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ اب دیر ہو گئی تھی۔ اس لیے رافع نے اٹھنا چاہا تو شفیع نے روک لیا۔

"تھوڑی دیر اور رک جاؤ۔"

"خیریت...... کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں' آج للی تمہیں اپنا ڈانس دکھائے گی۔ یہ بہت اچھا ناچتی ہے۔"

"مگر میں۔"

"یہ کسی کو نہیں دکھاتی۔ کسی کے سامنے ڈانس نہیں کرتی' مگر آج کرے گی تمہاری خاطر...... رافع صرف تمہاری خاطر...... کچھ دیر رک جاؤ پھر چلے جانا۔"

رافع ایک بار پھر جال میں پھنس گئے۔ اپنے آپ سے کیے گئے تمام وعدے بھول گئے۔

للی کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ تیار ہو رہی تھی۔

یہ لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ اسی جگہ للی کو ڈانس کرنا تھا۔ للی آ گئی۔ اس نے بالکل باریک سفید لباس پہنا تھا' جو اس کے سفید چمکیلے بدن کو چھپانے کے لیے ناکافی تھا۔

پھر میوزک آن ہو گیا۔ اس کا انگ انگ ناچ رہا تھا۔ ہیجان انگیز تیز میوزک اور للی کی جوانی' اس کا تھرکتا بدن...... شفیع نے روزی کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور ناچنا شروع کر دیا۔

للی رافع کی طرف بڑھی...... رافع منع نہ کر سکے۔

رافع اور للی ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

جسم سے جسم متصادم ہوئے اور رافع کے دل میں ہلچل مچ گئی۔ کافی دیر میوزک چلتا رہا۔ ڈانس ہوتا رہا تھا۔ اچانک میوزک رک گیا۔

شفیع اور روزی پلان کے مطابق اپنے بیڈ روم میں چلے گئے' للی' رافع کی گردن میں جھولتی ہوئی ساکت کھڑی تھی۔ رافع کی نسیں کھنچنے لگیں۔ سانس تیز ہو گئی۔

کچھ بھی ہو وہ اس وقت للی سے الگ نہیں ہو سکتے تھے۔

للی' رافع کو گھسیٹ کر اپنے بیڈ روم میں لے گئی اور وہ بستر پر ڈھیر ہو گئے۔

للی ان کے ساتھ تھی اور رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

آج ثریا واپس جا رہی تھی۔ اس کے ساس سسر بھی اس کے گھر آئے ہوئے تھے۔ رات کا کھانا کھا کر سب بیٹھے تھے۔ آدھی رات کی فلائٹ تھی۔

"اتنے کم دنوں کے لیے آئیں کہ پتا ہی نہیں چلا' اب تم دونوں زیادہ دنوں کے لیے آنا۔" مسز ہمدانی نے کہا۔

"جی امی جان' رافع بھی آنا چاہ رہے تھے' مگر ان کے پاس وقت نہیں تھا۔"

"دراصل ابھی کاروبار نیا ہے۔ سیٹ کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔" رافع کے والد نے کہا۔

"جی ابو یہی بات ہے۔ ویسے کام تو ٹھیک چل رہا ہے۔" ثریا نے کہا۔

"میں گائیڈ کرتا رہتا ہوں۔ خود بھی چکر لگاتا ہوں۔" منیب صاحب نے کہا۔

"اب آپ سب لوگ ہمارے گھر آئیے گا۔"

"کیوں نہیں' پروگرام بنائیں گے۔"

"تم نے رافع کو فون تو کر دیا ہوگا۔"

"جی ہاں' بات ہو چکی ہے۔"

"اب ہم لوگ چلتے ہیں۔" ثریا کے ساس سسر نے کہا۔ "ثریا تم کو کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے' لمبی فلائٹ ہے۔" وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور ثریا کو ڈھیروں دعائیں دیتے رخصت

ہوئے۔

ثریا ایک سوٹ کیس لے کر آئی تھی‘ مگر واپسی میں اس کے پاس دو سوٹ کیس تھے۔ ماں باپ‘ ساس سسر نے بہت سی چیزیں دی تھیں اور زہرہ نے بھی گفٹ دیئے تھے۔

سامان پیک ہو چکا تھا۔

وہ کچھ دیر کے لیے آرام کرنے لیٹ گئی۔

اگرچہ وہ صرف دو ہفتے رہی تھی‘ مگر ایسے لگتا تھا وہ ایک طویل عرصے سے اپنے پیارے گھر سے جدا ہے...... اسے رافع یاد آ رہے تھے۔ اگرچہ ان کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی تھی‘ مگر یہ کوئی خاص بات نہیں تھی اور وہ جو کچھ دن رافع سے الگ رہ کر خود کو ریلیکس کرنا چاہتی تھی۔ ان سے دور رہ کر خود کو ادھورا محسوس کر رہی تھی۔

”اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں رافع کے ہر آرام کا خیال رکھوں گی۔ میری پڑھائی ختم ہو جائے گی۔ میں اور رافع ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔ ہمارا بچہ ہوگا اور یہی بچہ ہمارے درمیان مضبوط پل کا کام کرے گا۔ انشاء اللہ۔“

چند دن پہلے اس نے زہرہ کے گھر میں ایک ہفت روزہ دیکھا تھا جس میں ایک صفحے پر نئے شادی شدہ جوڑوں کی تصاویر تھیں۔

ان ہی میں اسے ایک تصویر نظر آئی تھی۔ یہ نگی کی تصویر تھی۔ وہ اپنے دولہا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کا شوہر بینک منیجر تھا۔ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ نگی کی شادی کی خبر نے اس کو بے حد مطمئن کر دیا تھا۔ اس نے یہ رسالہ اپنی دوست سے مانگ لیا تھا۔ ثریا نے اسے ہینڈ کیری میں رکھ لیا تھا۔ اگرچہ رافع کا نگی سے کوئی تعلق نہ تھا پھر بھی اس نے دخل اندازی تو کی تھی۔ ایک بے نام سا اندیشہ تھا‘ سو وہ بھی اب ختم ہوا۔

”رافع کے اندر کچھ کمزوریاں ہیں‘ وہ یقیناً دور ہو جائیں گی۔ اسی لیے کہ رافع کو مجھ سے محبت ہے۔“

ایئرپورٹ روانگی کا ٹائم ہو گیا تھا۔ ثریا اٹھ گئی۔ سب سے ایک بار پھر ملی۔ امی جان نے گھر ہی سے خدا حافظ کہہ دیا مگر ڈیڈی ایئرپورٹ ساتھ جا رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

رافع نے رات شفیع کے گھر گزاری تھی۔ اچانک ان کی آنکھ کھلی تو وہ پریشان ہو گئے۔

وہ کہاں تھے؟ رافع نے کروٹ بدل کر اپنے داہنے جانب نظر کی۔ للی بے خبر سو رہی تھی۔ رافع نے گھبرا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔

”اف خدا......! مجھے یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔ کبھی لوٹ کر نہ آنے کے لیے۔“

وہ آہستہ سے اٹھے۔ ہاتھ منہ دھو کر کپڑے درست کیے۔ جوتے پہنے اور چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ شفیع کا بیڈروم بند تھا۔ رافع نے گاڑی کی چابی چیک کی۔ موبائل پرس کوٹ کی جیب میں موجود تھا۔ انہوں نے کوٹ پہنا اور شفیع کے گھر سے باہر نکل آئے۔ ان کی گاڑی تو دروازے پر ہی موجود تھی۔ کسی سے ملے بغیر وہ جلد از جلد یہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے...... ”یہ سب شیطانی لوگ ہیں۔ گندے‘ غلیظ‘ جہنمی۔ مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوئی کہ میں ان کے جھانسے میں آ گیا‘ لیکن اللہ کا شکر ہے‘ میں کسی بڑے گناہ سے بچ گیا اور اللہ ہی ہے جو بچاتا ہے‘ ورنہ انسان بے اختیار ہے۔“ وہ تیزی سے گاڑی بھگاتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ پہنچے۔ غسل کر کے کپڑے تبدیل کیے۔ ناشتا کیا۔

آج رافع کو آفس جانا تھا اور ثریا سے بھی بات کرنی تھی۔ فلائٹ کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ وہ کس دن اور کس فلائٹ سے آ رہی ہے۔ انہیں ثریا یاد آنے لگی۔ خاموش طبع‘ سلیقہ مند ثریا۔ نماز پڑھتی ہوئی۔ دعا مانگتی ثریا۔

”یا اللہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ یہ میں کس گڑھے میں گر رہا تھا۔ اگر ثریا کو پتا چل گیا تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ میں ثریا کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ شفیع کے گھر سے آنے والا کوئی فون اٹینڈ نہیں کروں گا۔“

تھوڑی دیر بعد وہ دفتر روانہ ہو گئے۔ ان کا موبائل کئی بار بجا تھا‘ مگر رافع نے آف کر دیا۔ وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے‘ نہ للی سے اور نہ ہی شفیع سے۔

شام کو وہ گھر آئے۔ ایک بار پھر وہ ارسلہ کا انٹرویو اور اس کی تازہ نظم پڑھنے لگے۔

”اس نے ٹھیک لکھا...... میں مغرب کی آزاد فضاؤں میں مشرق کی شرمیلی ادائیں بھول گیا...... مگر صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔“

انہیں ارسلہ کی کہی ہوئی بات یاد آ رہی تھی۔

”میں نے آپ کو بہت اونچے مقام پر بٹھایا تھا‘ مگر اب میرے دل میں آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں۔“

رافع کا دل دکھ سے بھر گیا۔ انہوں نے ارسلہ کو کھو دیا تھا...... مگر اب وہ ثریا کو کھونے کی غلطی نہیں کریں گے۔

"ثریا ان کی بیوی ہے۔ ان کی پسند...... محبت کرنے والی' ایک آئیڈیل بیوی۔"

"کہیں ایسا نہ ہو' زندگی میں کوئی لمحہ ایسا آئے کہ ثریا بھی وہی کہہ بیٹھے جو کبھی ارسلہ نے مجھ سے کہا تھا...... نہیں' ثریا مجھ سے ناراض نہیں رہ سکتی۔ میں اسے منا لوں گا۔ اسے ہر خوشی دوں گا۔" وہ ثریا کے لیے دن گننے لگے اور پھر وہ دن آ ہی گیا۔

آج ثریا آ رہی تھی۔ ان دنوں وہ کئی کئی بار ثریا کو فون کرتے تھے اور للی کے فون اٹینڈ نہیں کرتے تھے۔

اگر کسی اور فون سے للی فون کرے تو "رانگ نمبر" کہہ کر فون بند کر دیتے تھے۔

اور پھر ثریا آ گئی۔ رافع کو لگا جیسے گھر میں بہار آ گئی ہو۔ گھر پھر سے آباد ہو گیا۔

"ثریا تم مجھے چھوڑ کر اب کبھی نہ جانا۔" وہ اس کی گود میں سر رکھے بچوں کی مانند کہہ رہے تھے۔

"بہت یاد کیا تھا مجھے؟"

"ہاں بہت زیادہ...... میں اکیلا ہو گیا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سے الگ رہ کر میں یوں بکھر جاؤں گا۔ ثریا مجھے کبھی بکھرنے مت دینا...... وعدہ کرو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ...... کیا ہو گیا ہے آپ کو؟"

"تمہیں اندازہ ہی نہیں' میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" ثریا نے مسکرا کر کہا۔ "مگر آپ' آپ ذرا ہٹیں' میں سوٹ کیس کھول کر چیزیں نکالتی ہوں۔"

اس نے تمام تحائف دکھائے جو لوگوں نے اسے دیئے تھے اور وہ بھی جو اس نے دوسروں کے لیے خریدے تھے۔

پھر اسے اس ہفت روزہ کا خیال آ گیا' جس میں نگی کی شادی کی تصویر نکلی تھی۔

"آپ کو ایک خبر سناؤں۔"

"کیسی خبر؟"

"نکہت آرا کی شادی ہو گئی' کسی بینک منیجر سے۔"

"تمہیں کس نے بتایا...... کیا اس نے تمہیں فون کیا تھا؟"

"نہیں' میں نے ہفت روزہ میں تصویر دیکھی تھی۔"

اس نے وہ ہفت روزہ نکالا۔

"یہ دیکھیں' اسی صفحے پر بہت سے نئے شادی شدہ جوڑوں کی تصاویر ہیں۔ یہ اتفاقاً زہرہ کے گھر میں نے دیکھا تھا۔ میں اسے لے آئی۔"

دونوں نے کھلے ذہن کے ساتھ نگی اور اس کے شوہر کی تصویر دیکھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہے نکہت۔" ثریا نے کہا۔

"ہاں اور اس کا شوہر بھی اچھا ہے۔" رافع نے کہا۔

"اچھا ہوا شادی ہو گئی۔ خوانخواہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔" ثریا نے کہا۔

"اب چھوڑو اس قصے کو...... وہ ماضی تھا' دفن ہو گیا۔ آؤ ہم اب حال کی باتیں کریں۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے...... دو ماہ بعد میں فارغ ہو جاؤں گی۔ سوچتی ہوں کچھ دن گھر بیٹھوں۔"

"یہ بھی اچھی سوچ ہے' پھر کیا ارادے ہیں؟"

"رافع اب ہمارے ہاں کسی بچے کا اضافہ ہونا چاہیے۔ بہت وقت گزر گیا ہے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" اس کے بعد ثریا پھیلا ہوا سامان سمیٹنے لگی اور رافع پاکستان فون ملانے لگے۔ ثریا کے خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع جو دینی تھی۔

❀ ❀ ❀

کتنے دن گزر گئے تھے' للی کی ملاقات رافع سے نہیں ہو سکی تھی' نہ ہی فون پر بات ہوتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ رافع کی بیوی آ چکی ہو گی' مگر اس کا یہ مطلب کہاں ہے کہ رافع مجھے فراموش کر دے۔ اس نے فون اٹینڈ کرنا چھوڑ دیا ہے...... مگر میں رافع کو نہیں چھوڑ سکتی' خواہ کچھ بھی ہو جائے' اسے میرے پاس آنا پڑے گا۔"

ایک دن آفس میں شفیع اس سے ملنے چلا آیا۔

"رافع تم نے بالکل ہی رابطہ منقطع کر لیا ہے' ایسی کیا بات ہو گئی؟" شفیع نے کہا۔

"ہاں شفیع' میں اب تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ مجھے معلوم نہیں تھا' تم اس طرح مجھے للی کے جال میں پھنسا دو گے۔ میں اپنے آپ سے شرمندہ ہوں۔"

”تمہاری بیوی آ گئی ہے' اس لیے تم ایسا سوچ رہے ہو۔“

”نہیں یہ بات نہیں' میں واقعی پچھتا رہا ہوں......“

”مگر اس میں ایسی کون سی بات ہے۔ تمہیں پتا ہے للی تمہیں کتنا یاد کرتی ہے۔ وہ بیمار ہوگئی ہے۔“

”تو میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”تم اس سے مل سکتے ہو' دل جوئی کر سکتے ہو۔“

”یہی تو میں نہیں کر سکتا۔“

”مگر اس میں حرج ہی کیا ہے رافع...... یہاں امریکہ میں سب چلتا ہے۔ بے شمار لوگ اسی طرح کی زندگی گزار رہے ہیں۔“

”مگر میں ان میں سے نہیں۔“

”تو تم شادی کر لو للی سے۔“

”کیا کہا' للی سے شادی...... کس خوشی میں؟“

”اس لیے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے اور پھر تم بھی تو اس کے ساتھ رات گزار چکے ہو۔“

”میں نے کوئی گناہ نہیں کیا' بلکہ یوں کہو اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔“

”اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ شادی کر لو اس سے' کورٹ میرج ہی تو کرنی ہوگی۔ تم امیر آدمی ہو' ایک کمرے کا فلیٹ لے کر دے دو۔ وہ اسی میں گزارہ کر لے گی۔ بے سہارا لڑکی ہے۔ تم پر مرتی ہے' خوب صورت ہے۔ وہ تمہاری پہلی بیوی سے کوئی تعلق نہیں رکھے گی۔ تم بھی کسی کسی دن اس کے پاس چلے جایا کرنا۔“

”جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ ممکن نہیں۔ پلیز شفیع مجھے تنگ مت کرو اور اس کا مطلب ہے' تم فیصلہ کر چکے ہو کہ للی سے نہیں ملو گے۔“

”ہاں میں فیصلہ کر چکا ہوں۔“

”اور اگر للی نہ مانی تو۔“

”وہ کیا کر سکتی ہے؟“

”وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔“

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔“

”نہیں' حقیقت بتا رہا ہوں۔ وہ تمہارے لیے پاگل ہو رہی ہے اور محبت میں انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔“

”یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم ہی نے للی کو میرے پیچھے لگایا۔“

”تو تم نہ آتے' نہ گزارتے اس کے ساتھ رات...... کیا میں نے تم سے کہا تھا' جاؤ للی کے ساتھ اور میرے گھر رہ جاؤ۔ نہیں رافع' تم اپنی غلطی میرے سر تھوپنے کی کوشش مت کرو اور ویسے میں تو ان باتوں کو غلط سمجھتا ہی نہیں...... میں نے صرف تمہاری بات کا جواب دیا ہے۔“

”میں نے بھی تمہاری بات کا صاف جواب دے دیا ہے۔“

”ٹھیک ہے' میں جا رہا ہوں' اب میں تمہارے بیچ کچھ نہیں بولوں گا' تم جانو اور تمہاری للی۔“ یہ کہہ کر شفیع اٹھ کر چلا گیا۔ رافع کا ذہن پراگندہ ہوگیا۔ اچانک للی سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

”کیا میں ثریا کو سب کچھ بتا دوں؟ نہیں...... ثریا کبھی برداشت نہیں کرے گی۔ میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اس معاملے کو خود ہی ہینڈل کرنے کی کوشش کروں گا۔“

کچھ دن خاموشی سے گزر گئے' نہ للی کی کال آئی اور نہ ہی شفیع کی...... رافع مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے سمجھا' بلا ٹل گئی' مگر بلا ٹلی نہیں تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔ کبھی کبھی انسان کو اپنی غلطیوں کا خمیازہ دنیا میں ہی بھگتنا پڑ جاتا ہے' مگر وہ آنے والے لمحات سے بے خبر ثریا کے ساتھ مگن تھے۔ وہ اپنی پرانی تلخیاں بھلا کر پرمسرت زندگی کا آغاز کر چکے تھے۔

ایک روز جبکہ رافع آفس میں تھے اور ثریا گھر پر تھی' فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف للی تھی۔

”آپ کون ہیں' میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟“ ثریا نے کہا۔

”میں للی ہوں۔ رافع کی دوست۔“

”لیکن رافع نے آپ کا ذکر نہیں کیا کبھی۔“

”وہ ذکر کریں گے بھی نہیں...... میں آپ کو جانتی ہوں۔ آپ ڈاکٹر ثریا ہیں' رافع کی وائف۔ آپ پاکستان گئی ہوئی تھیں' تب رافع میرے ساتھ وقت گزارتے تھے اور اب وہ بدل

گئے ہیں۔ میرے فون کا جواب بھی نہیں دیتے...... آخر ایسی کیا بات ہوگئی۔ اگر اس طرح الگ ہو جانا تھا تو انہوں نے دوستی کی ہی کیوں؟''

''میں کچھ نہیں جانتی۔ ہوسکتا ہے آپ جھوٹ بول رہی ہوں...... بلکہ یقیناً جھوٹ ہی بول رہی ہوں گی۔ اگر رافع آپ سے مل لیے ہوں گے تو اس میں کوئی خاص بات بھی نہیں۔ آخر انسان مختلف لوگوں سے ملتا ہی ہے۔''

''مگر مجھ سے ان کا قریبی تعلق تھا۔''

''کتنے عرصے پہلے کی بات ہے؟''

''ان ہی دنوں کی بات ہے جب آپ پاکستان میں تھیں۔ سنیں میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں۔ میں شفیع کے گھر رہتی ہوں۔ ان کی بیوی روزی میری دوست ہے۔ ان ہی لوگوں نے میرا تعارف رافع سے کروایا...... اس میں میرا کیا قصور ہے۔''

''میں رافع سے بات کروں گی، مگر آپ چاہتی کیا ہیں، یہ تو بتائیں؟''

''میں رافع کا ساتھ چاہتی ہوں۔''

''یہ ممکن نہیں۔''

''مگر ایسا ہو کر رہے گا کیونکہ میرا دنیا میں کوئی نہیں۔ مجھے رافع کے سہارے کی ضرورت ہے۔''

''آپ نے رافع سے بات کی؟''

''وہ میرا فون اٹینڈ نہیں کرتے۔''

''بس تو بات ختم...... وہ آپ سے کوئی تعلق رکھنا ہی نہیں چاہتے۔''

''مسز رافع میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ فی الحال رافع سے کوئی بات مت کیجئے گا۔'' ثریا تذبذب میں پڑ گئی۔ ''کیا اسے للی کو اپنے گھر بلانا چاہیے یا منع کر دینا چاہیے۔''

''آپ خاموش کیوں ہوگئیں۔ آپ ایڈریس بتا دیں اور جب بھی کہیں میں آپ سے مل لوں گی۔ صرف دس منٹ کے لیے۔''

''میں سوچ کر بتاؤں گی۔ اس وقت میرا ذہن کام نہیں کر رہا۔ آپ بعد میں فون کر لیجئے گا...... بلکہ کل فون کر لیجئے گا۔''

''او کے۔'' للی نے فون رکھ دیا۔ ثریا کا ذہن پراگندہ ہو گیا۔ ''خدا جانے للی کون ہے۔

رافع سے اس کا کیا تعلق ہے؟ رافع نے ذکر بھی نہیں کیا۔ مگر نہیں...... رافع نے مجھے بتایا تھا کہ وہ شفیع کے گھر جاتے ہیں اور یہ کہ شفیع کے ساتھ امریکن بیوی روزی رہتی ہے اور یہ للی اس روزی کی سہیلی ہے جو ابھی للی نے بتایا اور اگر رافع نے للی سے بات کر بھی لی تو کیا فرق پڑ گیا۔ بہرحال آج میں موقع دیکھ کر رافع سے بات کروں گی۔ ہاں للی کے آنے سے متعلق کوئی بات نہیں کروں گی۔'' رات کو رافع سے ثریا نے کہا۔

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے، امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔''

''ضرور کہو...... میں کیوں مائنڈ کروں گا۔''

''دراصل آج للی کا فون آیا تھا میرے پاس۔''

''لاحول ولاقوۃ...... وہ تو واہیات لڑکی ہے۔ شفیع کے ساتھ رہتی ہے۔ میرے پیچھے لگ گئی خوامخواہ۔ مجھے اکثر فون کرتی ہے، مگر میں فون بند کر دیتا ہوں۔''

''ہاں، وہ یہی کہہ رہی تھی کہ آپ اس کا فون اٹینڈ نہیں کرتے۔''

''آئندہ تم بھی اس کا فون اٹینڈ نہ کرنا۔ ہمارا اس سے کیا تعلق؟''

''میں بھی یہی سمجھتی ہوں۔ اگر آپ اس سے مل لیے، بات کر لی تو کون سی قیامت ہو گئی۔ یہاں کی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، رافع۔ مردوں کے پیچھے لگ جاتی ہیں۔''

''اللہ بچائے ان شیطان صفت لڑکیوں سے۔''

اس کے بعد بات ختم ہوگئی۔

ثریا نے دل ہی دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی سے نہیں ملے گی اور نہ ہی اس کی کوئی بات سنے گی، مگر دوسرے دن اس کا پھر فون آ گیا۔

''آپ فون مت بند کیجئے گا، مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''مگر میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ میں رافع سے بات کر چکی ہوں۔ وہ آپ سے ملنا پسند نہیں کرتے۔''

''مگر میں تو آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ اپنا ایڈریس دے دیں۔ میں زیادہ دیر رکوں گی نہیں۔ صرف چند تصاویر ہیں، وہ دوں گی آپ کو اور پھر چلی آؤں گی۔''

''تصاویر؟ کس قسم کی تصویریں۔''

''میری اور رافع کی تصویریں ہیں۔ کس قسم کی ہیں یہ تو آپ خود دیکھیں گی۔''

ثریا سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے اپنا پتا بتا دیا۔

"میں ابھی آ رہی ہوں۔"

ثریا کچھ کام کرنے جا رہی تھی مگر اب خاموش بیٹھ گئی۔ اسے للی کا انتظار تھا جو کچھ تصاویر لے کر آنے والی تھی۔

اطلاعی گھنٹی بجی تو ثریا نے دروازہ کھولا۔

ایک انتہائی خوب صورت کم عمر لڑکی کھڑی تھی۔

"میں للی ہوں۔"

"آئیں' میرا نام ثریا ہے' بیٹھ جائیں صوفے پر' آپ کو غالباً مجھ سے کوئی ضروری کام تھا۔"

"جی ہاں' میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔"

"کس لیے؟ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔"

"میں اپنے بارے میں آپ کو کچھ بتانا چاہ رہی ہوں۔"

"فرمائیں' میں سن رہی ہوں۔"

"میں دنیا میں اکیلی ہوں۔ میرے ماں' باپ نہیں ہیں۔ میں خالہ کے ساتھ نیویارک میں رہتی ہوں۔ روزی میری ملنے والی ایک دوست بھی ہے۔ اس نے مجھے اس شہر میں بلا لیا۔ اس نے مجھے مستقبل کے سہانے خواب دکھائے۔ وہ جس طرح شفیع کے ساتھ رہ رہی ہے اور اچھی زندگی گزار رہی ہے۔ اسی طرح اس نے میرے لیے بھی رافع کو تلاش کیا۔ مجھے رافع سے ملوایا۔ رافع مجھ سے ملتے رہے' جب تک آپ پاکستان میں تھیں۔ میں اور رافع پورے شہر کی خاک چھانتے رہے۔ ہوٹلوں میں' پارکوں میں...... ہر جگہ۔ پھر مجھے رافع سے محبت ہو گئی۔"

"تو آپ کو معلوم تھا کہ رافع شادی شدہ ہیں۔"

"یہ بات مجھے معلوم تھی...... لیکن شفیع نے بتایا تھا کہ مسلم کئی شادیاں کر سکتے ہیں۔ ان کا مذہب ان کو اجازت دیتا ہے۔ رافع مجھ سے شادی کر کے الگ اپارٹمنٹ لے لے گا۔ اس طرح آپ کی زندگی پر کوئی خراب اثر نہیں پڑے گا۔"

"اور رافع نے آپ سے کیا کہا تھا؟" ثریا اپنا غصہ ضبط کر کے بات کر رہی تھی۔

"رافع نے مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی' مگر وہ مجھے

پسند کرتے ہیں' بہت زیادہ...... لیکن شاید وہ آپ سے خوف زدہ ہیں۔ اس وجہ سے میری کال اٹینڈ نہیں کرتے۔ اب آپ بتائیں' میں کیا کروں؟"

"آپ غلط کہہ رہی ہیں۔ رافع سے میں نے بات کی تھی۔ آپ کا فون کا ذکر کیا تھا۔ وہ آپ کو بے حد ناپسند کرتے ہیں اور ملنا بھی نہیں چاہتے۔"

"تو پھر انہوں نے میرے ساتھ وقت کیوں گزارا...... انہوں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا ہوگا...... وہ ایک رات میرے ساتھ گزار چکے ہیں' شفیع کے گھر۔"

ثریا کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"یہ غلط ہے...... جھوٹ ہے...... الزام ہے' رافع پر وہ کبھی کسی لڑکی کے ساتھ رات نہیں گزار سکتے۔"

"اور اگر اس بات کا ثبوت میں آپ کو دے دوں تو؟"

ثریا کو لگا جیسے سامنے بیٹھی ہوئی خوب صورت لڑکی کی آواز...... کہیں دور سے آ رہی ہے۔

"کیسا ثبوت؟"

لڑکی نے اپنے پرس سے ایک لفافہ نکالا جس میں بہت سی تصاویر تھیں۔ یہ تصاویر آٹو میٹک کیمرے سے لی گئی تھیں۔ اس رات جب رافع للی کے ساتھ سوئے تھے۔

ثریا نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ تھام لیا۔

"دیکھیے ان تصاویر کو پھر میرے مستقبل کا فیصلہ کیجیے۔"

ثریا نے تصویریں نکالیں۔

باریک لباس میں للی کی ناچتی ہوئی تصویریں۔

جس میں رافع اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے تھے تو کہیں للی سینے سے لگی تھی۔

اور پھر بیڈ روم کے اندر کی تصاویر۔

بے حیائی کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے تھے۔

اچانک ثریا کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی ہو...... صدمہ اتنا شدید تھا کہ وہ رو بھی نہ سکی۔ عام حالات ہی میں آنسو بہانے والی لڑکی تھی' لیکن اس وقت آنسو خشک ہو جانے والے محاورے کا مطلب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

للی اور رافع کی تصویریں اس کے ہاتھ میں تھیں۔

اس کے دماغ کی شریانیں کھنچ رہی تھیں۔ اس کی زبان خاموش تھی۔

"ڈاکٹر صاحبہ آپ میرے ساتھ انصاف کریں۔ مجھے رافع سے کچھ نہیں چاہیے۔ بس ایک کمرا کرائے پر لے کر دے دیں۔ میں اپنا کما کر کھا لوں گی' کچھ طلب نہیں کروں گی' مگر وہ مجھے سہارا دے دیں۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں۔"

ثریا کے لب اب بھی خاموش تھے۔

"میں آپ کے گھر کبھی نہیں آؤں گی۔ آپ کو تنگ بھی نہیں کروں گی۔ بس رافع کبھی کبھار میرے پاس آ جائیں گے' میرے لیے یہی بہت ہو گا۔"

"تم اپنا فون نمبر چھوڑ جاؤ' میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔"

"ٹھیک ہے' اب میں چلتی ہوں۔" للی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ثریا نے دیکھا وہ غیر معمولی پرکشش لڑکی تھی۔ ہاں غربت نے اسے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ للی چلی گئی۔

ثریا نے تصویروں کا لفافہ اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیا۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ رافع کی بے شمار باتیں ناپسندیدہ ہونے کے باوجود میں نے درگزر کر دی تھیں اور معاف بھی کر دیا تھا' مگر ان حالات میں رافع کے ساتھ نباہ ناممکن ہے۔ میں صرف پندرہ دن باہر رہی ہوں اور اتنے دنوں ہی میں انہوں نے لڑکی ڈھونڈ کر تعلقات بھی استوار کر لیے اور وہ بھی...... ناجائز تعلقات...... میں اب رافع کو معاف نہیں کروں گی۔"

گھر کے کوئی کام کرنے کا موڈ اب نہیں تھا اور نہ ہی طاقت۔ وہ ڈاکٹر تھی اس نے اپنا بی پی چیک کیا۔ بہت بڑھا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی دوا لی اور بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا تھا۔

شام کے پانچ بجے رافع آ گئے۔

ثریا بستر پر لیٹی تھی۔

"خیریت تو ہے' دو بار فون کیا' تم نے اٹھایا ہی نہیں۔ اسی لیے بھاگا چلا آیا ہوں؟"

"میری طبیعت خراب ہے۔"

"مگر صبح تو ٹھیک تھی۔"

رافع نے ثریا کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"نہیں رافع نہیں' تم مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔"

"مگر کیوں' کیا ہوا ہے تمہیں؟"

"للی آئی تھی میرے پاس۔"

"اوہ...... تو یہ بات ہے۔ اس نے بکواس کی ہو گی اور تم نے اس کی بات پر یقین کر لیا۔ یقین کرو ثریا' میرا للی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"رافع میرا آپ کے لیے ایک مشورہ ہے' اگر آپ مان سکیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ بتاؤ کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"

"آپ للی سے نکاح کر لیں۔"

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟" رافع نے غصہ کیا۔

"دماغ ٹھیک ہو گیا ہے۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں۔" وہ کمزور آواز میں کہہ رہی تھی۔

"مگر کیوں بھئی' ہوا کیا ہے' کچھ بتاؤ تو سہی؟"

"اس لیے کہ میں نہیں چاہتی آپ ناجائز طریقے سے زندگی گزار کر اپنے لیے جہنم کی آگ خریدیں۔"

"لیکن میں نے کوئی ناجائز کام نہیں کیا۔"

"رافع آپ نے ہمیشہ مجھ سے جھوٹ بولا' دھوکا دیا۔ میں ہر بار بے وقوف بنتی رہی...... آپ مجھ سے جھوٹی محبت جتاتے رہے' میں سچ سمجھتی رہی...... آپ نے واہیات فلمیں دیکھیں' یہ بھی آپ کی مرضی تھی۔ آپ نے کہا یہ تو صرف تصویریں ہیں' میں کون سا اصلی گناہ کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کو معاف کر دیا۔ برداشت کر لیا...... آپ نے للی کے لیے کہا کہ آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں' میں نے آپ کی بات پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیا۔ لیکن آج حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی۔ للی نے مجھے تصویریں دی ہیں۔ یہ لیجیے آپ بھی دیکھیں اور پھر مجھے بتائیں' کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔" ثریا نے لفافے سے تصویریں نکال کر بستر پر پھیلا دیں۔

"اف خدا۔" شفیع کے بیڈ روم کی بے شمار تصاویر سامنے پڑی تھیں۔ گویا یہ شفیع کی سازش تھی۔ رافع کو پھنسانے کی ایک کامیاب ترکیب۔

"ثریا یہ سازش ہے۔ شفیع نے مجھے بہکایا' دھوکا دیا اور آٹومیٹک کیمرے سے تصاویر لیں

تا کہ مجھے بلیک میل کر سکے۔ یقین کرو ثریا! میں نے گناہ نہیں کیا‘ نہیں کیا وہ گناہ جو تم سمجھ رہی ہو۔“

”میں اب کچھ نہیں سمجھ رہی ہوں رافع اور نہ ہی سمجھنا چاہتی ہوں۔ بے حیائی اور بے غیرتی کی تصاویر دیکھنے کے بعد کوئی لڑکی آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔“

”ثریا مجھے معاف کر دو‘ یقین کرو میں بے قصور ہوں۔ مجھے ان سب نے جان بوجھ کر پھنسایا ہے۔“

”اور آپ پھنس گئے...... کتنے سیدھے اور شریف ہیں آپ۔“ ایک طنز بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگی۔

”ثریا میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نادم ہوں‘ شرمندہ ہوں‘ بس بہک گیا تھا مگر میں نے توبہ کر لی ہے۔ بس ایک بار معاف کر دو۔ اللہ تعالیٰ بھی تو معاف کر دیتا ہے۔ تم بھی معاف کر دو۔ آئندہ میں تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“

”اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ مالک کل ہے۔ اس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ میں ایک بے اختیار بندی ہوں اور میرے اندر گناہ کو معاف کر دینے کی طاقت ہے نہ برداشت کی ہمت۔“

”لیکن ثریا میں نے حد پار نہیں کی۔ گناہ نہیں کیا ہے میں نے...... میرا یقین کرو۔“

”آپ کون سی حد کی بات کر رہے ہیں رافع...... ایک حد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے باندھی ہے اور ایک حد وہ ہے جو ہر شخص اپنے ضمیر کے مطابق باندھتا ہے...... آپ کا ضمیر آپ کو جس چیز کی اجازت دیتا ہے‘ میرا ضمیر‘ میرا ذہن اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے لیکن آپ کیا جانیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کیا لکھا ہے...... اللہ تعالیٰ نے تو صاف کہا ہے‘ بدکار مرد اور بدکار عورتیں نیک مرد اور نیک عورتیں...... یہی سب ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں...... میرا مشورہ یہی ہے‘ آپ للی سے نکاح کر لیں۔“

”للی میری زندگی میں کبھی نہیں آئے گی اور نہ ہی اس گھر میں۔ تم نے میری اجازت کے بغیر اسے یہاں کیوں آنے دیا...... خدا کی قسم میں اسے شوٹ کر دوں گا۔“

”آپ غصہ کر کے خود کو ہلکان نہ کریں۔ پلیز رافع مجھے کسی بھی بات کے لیے مجبور نہ

کیجئے گا۔ میں اب آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔“

”زندگی کے فیصلے لمحوں میں طے نہیں ہوتے ثریا۔ تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے پھنسایا گیا ہے۔ بلیک میل کرنے کے لیے تصاویر کھینچی گئی ہیں۔ تم نہیں جانتی یہاں نوے فیصد لوگ ایسے ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر ایک کی ایک گرل فرینڈ ہوتی ہے اور جس کی نہیں ہوتی اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ پھر بھی ان کی شادیاں ہوتی ہیں‘ شریف زادیوں کے ساتھ۔ شفیع بھی کہہ رہا تھا کہ وہ چند سال یہاں رہے گا پھر روزی کو چھوڑ کر پاکستان جائے گا اور کسی نیک لڑکی سے شادی کر کے زندگی گزارے گا۔“

”یہ سب کچھ کہنے کا کیا مطلب ہے‘ میں سمجھ نہیں سکی؟“

”یہی کہ جن نوجوانوں کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوتا‘ انہیں سب شریف اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ اندر سے خراب ہوتے ہیں اور میں نے چند دن ایک لڑکی کے ساتھ گزار لیے تو میں اتنا برا ہو گیا کہ تم مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہ رہی ہو۔“

”رافع میں نہیں جانتی‘ دوسرے لوگ کیا سوچتے ہیں‘ مگر میں ایک مختلف لڑکی ہوں...... جب میں آپ سے ملی تھی تو آپ سے بہت متاثر ہوئی تھی‘ کیونکہ آپ ایک شریف اور محتاط انسان تھے۔ پڑھے لکھے تھے۔ میں نے آپ کو بہت اونچے مقام پر بٹھایا تھا‘ مگر اب...... میرے دل میں آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں...... میں اپنے آپ کو دھوکا نہیں دے پاؤں گی...... میں یہاں سے چلی جاؤں گی‘ آج یا کل...... آمنہ کے گھر کچھ ہفتے قیام کروں گی۔ پھر میری ٹریننگ مکمل ہو جائے گی۔ اس کے بعد پاکستان چلی جاؤں گی۔ اس دوران طلاق کے کاغذات تیار ہو جائیں گے‘ آپ سائن کر دیجئے گا۔“

”ثریا ایک بار پھر سوچ لو۔ یہ بہت بڑی بات ہے جو تم کہہ رہی ہو۔“

”آپ مطمئن رہیں‘ آپ کے دوست سلمان کو کچھ معلوم نہیں ہو گا۔ میں کہہ دوں گی کہ میں ہی نباہ نہ کر سکی۔ سارا الزام اپنے اوپر لے لوں گی۔“

رافع اس قدر دل گرفتہ تھے کہ انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ آنسو پھسل پھسل کر اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

”ثریا میں مر جاؤں گا۔“

”یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ پلیز آپ آرام کریں‘ اب میں بھی تھکی ہوئی ہوں۔“

"اگر تم چلی گئیں تو میں شفیع اور للی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ شوٹ کر دوں گا ان میں سے کسی نہ کسی کو...... یہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

اس کے بعد رافع نے للی کو فون ملایا اور کہا۔

"للی اگر اپنی جان کی خیریت چاہتی ہو تو فوراً یہ شہر چھوڑ دو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ شوٹ کر دوں گا۔ گھٹیا لڑکی تو نے میری زندگی میں زہر گھول دیا۔ اگر آئندہ تم نے اس گھر میں قدم رکھا یا فون کیا تو انجام کی ذمے دار تم خود ہو گی۔" اس کا جواب سنے بغیر رافع نے فون بند کر دیا۔

پھر پاؤں پٹختے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

ثریا نے وہ تمام تصاویر اٹھا کر لفافے میں رکھیں پھر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیں۔

❀ ❀ ❀

آج کی رات دونوں الگ کمروں میں سوئے۔ رافع کو ثریا کی کہی ہوئی باتیں یاد آئیں تو دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ کبھی یہی بات ارسلہ نے بھی کہی تھی۔

"تو کیا ارسلہ اور ثریا کی سوچ ایک ہی ہے؟ میں ہی بدنصیب تھا' کسی کو اپنا نہ بنا سکا۔ ثریا نہیں رُکے گی۔ وہ جو کہتی ہے کرتی بھی ہے۔ اسے روکنا اب بیکار ہو گا۔ وہ ٹھیک کہتی ہے۔ اس کے دل سے میری عزت' میرا اعتبار سب نکل گیا اور قصوروار میں ہی ہوں' مگر کیا میرا قصور اتنا بڑا ہے کہ مجھے اتنی کڑی سزا ملے؟ میں ذاتی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں' جنہوں نے کئی سال اپنی اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ زندگی گزاری۔ ناجائز بچوں کے باپ بھی بنے' مگر پاکستان جا کر اچھی سے اچھی لڑکیوں سے شادیاں کیں اور ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ برسوں سے یہی ہوتا آیا ہے اور ہو رہا ہے' مگر محرومیاں صرف میرا مقدر بنیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ شاید مقدر اسی کو کہتے ہیں۔"

دونوں اپنے اپنے کمروں میں ساری رات جاگتے رہے۔ آج انہوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ بھوک مر گئی تھی۔

صبح سویرے ثریا اٹھی اور اس نے ناشتا تیار کیا۔ وہ جانتی تھی' رافع کو بھوک لگی ہو گی اور اس وقت تو وہ بھی کچھ کھانا اور گرم چائے پینا چاہتی تھی۔

ثریا نے رافع کا دروازہ ناک کیا۔ دروازہ کھلا ہی تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر رافع سے

کہا۔

"ناشتا تیار ہے اور چائے بھی۔"

رافع چپ چاپ اٹھ گئے۔

ہاتھ منہ دھو کر رافع ناشتے کی میز پر بیٹھ گئے۔ ان کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔ شاید کچھ کہنے کے لیے تھا بھی نہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر رافع نے کہا۔

"ثریا میں جانتا ہوں تم اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرو گی' مگر میری ایک بات اگر مان سکو تو مان لو۔"

"بتائیں۔"

"تم آمنہ کے گھر نہ جاؤ۔ اس گھر میں رہ لو۔ میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارے بیڈ روم میں نہیں آؤں گا۔"

"میں نے آمنہ کو فون کر دیا تھا رات کو۔ وہ مجھے لینے آئے گی۔ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا ہے اور میرا یہ وعدہ ہے کہ میں کوئی بات نہیں بتاؤں گی۔"

"کیا تم اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتیں۔ ایک موقع اور دے دو۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ ہاں' میں نے تمہیں دکھ دیا ہے لیکن میں اس کا ازالہ کر دوں گا۔ تمہیں اتنی...... خوشیاں دوں گا کہ تم سارے غم بھول جاؤ گی۔ ثریا ابھی تو ہم نے زندگی شروع بھی نہیں کی۔ ابھی تو صرف پلان بنایا تھا اور ابھی سے ہم الگ ہو رہے ہیں۔"

"آئی ایم سوری رافع' میں آپ کی بات نہیں مانوں گی اور نہ ہی اپنا فیصلہ تبدیل کروں گی...... اور یہی تو بہترین وقت ہے۔ ایک دوسرے کی زندگی سے نکل جانے کا کیونکہ ابھی ہمارے درمیان کوئی بچہ نہیں ہے جس کی زندگی داؤ پر لگنے کا اندیشہ ہوتا۔"

"تم مجھے شاید سمجھ ہی نہیں سکیں۔" رافع نے آہستہ سے کہا۔

"پہلے نہیں سمجھی تھی مگر اب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں...... میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں آپ کو وہ راحت نہ دے سکی جس کے آپ متمنی تھے۔ میری مراد آپ کی بیڈ روم لائف سے ہے...... میں اور طرح کی لڑکی ہوں۔ آئندہ آپ جب بھی شادی کریں تو کسی کم پڑھی لکھی لڑکی سے کیجئے گا۔ کم از کم ایسی لڑکی سے بالکل نہیں جو انٹلکچوئل ہو...... ورنہ آپ خوش نہیں رہ

سکیں گے۔"

"تم میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں نہ رہو......مگر میری انسلٹ کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔"

"میں معافی چاہتی ہوں۔" ثریا نے فوراً کہا۔ "مگر یہ ایک کڑوا سچ ہے جس کا اعتراف آپ کو کرنا ہی ہوگا۔"

رافع نے کوئی جواب نہیں دیا وہ تیار ہو کر آفس چل دیئے......آج ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنا تھی۔

ثریا اپنا سامان درست کرنے لگی۔

❀ ❀ ❀
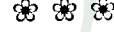
ثریا' رافع کی زندگی سے نکل چکی تھی۔ کئی سال گزار کر بھی آج وہ اسی جگہ کھڑے تھے جب کراچی سے امریکہ آئے تھے۔ ان کے پلان کیا تھے اور وہ کیا ہو گئے تھے۔ ان کا تعلیمی ریکارڈ شاندار تھا۔ رافع نے اسکالرشپ لی تھی اور وہ اپنے مضمون میں پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری لینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے والد کے بزنس کا حصہ نہیں بننا چاہتے تھے۔ رافع کا چھوٹا بھائی حسیب ایم بی اے کرنے کے بعد یہ ذمے داری احسن طریقے سے سنبھال رہا تھا لیکن امریکہ آ کر رافع نے اپنے اطوار بدل لیے۔ ان کی سوچ بدل گئی۔ انہوں نے پڑھائی چھوڑ دی اور کاروبار میں لگ گئے۔ روپے پیسے کی تو ویسے بھی کمی نہ تھی' مگر جب اپنی ذاتی کمائی سے جیب بھری تو ان کے انداز بھی بدل گئے۔ وہ برائی میں پڑ گئے۔ قسمت سے ثریا مل گئی تھی' مگر وہ اس کی قدر نہ کر سکے اور پھر جدائی ان کا مقدر بن گئی۔

ثریا ٹھیک کہتی تھی' اس نے کسی کو رافع کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا' نہ اس کے گھر والے جانتے تھے اور نہ ہی سسرال کے لوگ۔ علیحدگی کی وجہ کسی کو معلوم نہیں تھی۔ وہ واقعی ایک عظیم لڑکی تھی۔ چپ چاپ رافع کی زندگی سے نکل گئی اور اب شاہراہ حیات پر وہ تنہا کھڑے تھے۔

رافع نے شفیع سے ناتا توڑ لیا تھا۔ فضول فلموں کی سی ڈیز اٹھا کر پھینک دی تھیں۔ رافع کی ماں کو ان کی بہت فکر تھی' مگر وہ بیمار تھیں۔ ان کے پاس نہیں آ سکتی تھیں۔ رافع کے والد نے اپنے آنے کی اطلاع دی تو ان کے اندر ایک توانائی دوڑ گئی۔

عبدالمعیب صاحب آ گئے تھے۔ ان دونوں کے درمیان تفصیل سے باتیں ہوئیں۔ تب انہوں نے بیٹے سے پوچھا۔

"اب تم نے کیا سوچا ہے؟ زندگی کا کوئی پلان بناؤ اور اس پر عمل کرو۔"

"میں یہاں کا آفس بند کرنا چاہ رہا ہوں۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں...... لیکن اب تم نے کیا سوچا ہے؟"

"ابو میں دوبارہ تعلیم کا سلسلہ جوڑنا چاہ رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں' امریکہ میں رہوں اور یہاں سے ڈاکٹریٹ کروں۔"

"بیٹا جو بھی فیصلہ کرو' سوچ سمجھ کر کرو اور پھر اس پر قائم رہو۔ مجھے نہیں معلوم تمہارے اور ثریا کے درمیان کیا اختلافات تھے' مگر مجھے کہنے دو' ثریا ایک بے مثال لڑکی تھی' مگر خیر زندگی میں اس طرح کے واقعات ہو جاتے ہیں' مگر دنیا ختم نہیں ہو جاتی۔ تمہارے سامنے ایک وسیع مستقبل ہے۔ اگر تم تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہو' ضرور کرو' مگر فی الحال شادی کا خیال ذہن میں نہ لانا۔ پہلے اپنی لائف میں سیٹ ہو جاؤ پھر کسی اچھی لڑکی سے شادی کر کے گھر بساؤ۔ بچے ہوں' نسل آگے بڑھے' گھر کا سکون بیوی اور بچوں کے ساتھ ہی ملتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ابو' میں نے شاید غلط وقت پر شادی کی تھی اور اب تو میں ایسا سوچتا بھی نہیں۔ میں نے طے کرلیا ہے کہ اب میں اپنی تعلیم مکمل کروں گا۔"

"اگر تم آسکو تو پاکستان آؤ' کچھ دنوں کے لیے تمہاری امی تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔"

"ابو میں آؤں گا مگر ابھی نہیں...... ابھی میرے زخم تازہ ہیں۔ لوگ طرح طرح کے سوالات کریں گے اور میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں۔" ابو خاموش ہو گئے۔

انہوں نے یہاں آفس کلوز کیا۔ چند دوسرے کام نمٹائے اور واپس پاکستان چلے گئے۔

❀ ❀ ❀

پانچ سال بیت گئے۔ اب وہ ڈاکٹر رافع تھے۔ انہیں بینک میں اعلیٰ عہدہ ملا تھا۔ فی الحال ان کا قیام امریکہ میں تھا' مگر امی کی پرزور فرمائش پر وہ دو ماہ کے لیے کراچی جا رہے تھے۔ اس دوران وہ دو بار کراچی گئے تھے۔ ایک بار صرف ملاقات کے لیے اور دوسری بار حسیب کی شادی پر' مگر اب امی چاہتی تھیں کہ رافع بھی اپنا گھر بسا لے۔

رافع نے ابھی اپنا ذہن نہیں بنایا تھا۔ ان کا بے ربط سا ماضی اس کے سامنے تھا جسے وہ دہرانا نہیں چاہتے تھے۔ کبھی کبھی انہیں اپنے آپ پر حیرت ہوتی تھی کہ وہ کس انداز میں سوچتے آئے تھے۔

وہ سب کچھ بھول جانا چاہتے تھے' مگر ارسلہ اب بھی ان کے ذہن میں بستی تھی۔ وہ ایسی لڑکی تھی جسے وہ ذہن سے نکال نہیں سکتے تھے۔ جب سے رافع نے ایک ماہنامے میں اس کی نظم پڑھی تھی' اکثر بیشتر وہ ماہنامہ خریدنے لگے تھے اور اس کی خوبصورت نظمیں پڑھتے رہتے تھے۔

ارسلہ کی ہر نظم میں جدائی کا کرب ہوتا' ملن کی آرزو ہوتی اور محبت کا رنگ واضح ہوتا۔

ارسلہ کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ "دس سال گزر گئے ہیں اس سے جدا ہوئے......" وہ سوچتے۔ "اس عرصے میں اس کی شادی ہو چکی ہوگی اور بچے بھی ہوں گے اور اس کی شادی علی سے ہو گئی ہوگی۔ ظاہر ہے علی نے اسے کیوں چھوڑا ہوگا' مگر شاعری کا یہ کرب' یہ جدائی کا تصور اور ملن کی آرزو یہ سب کیا ہے؟ یہ شاید اس کی طبیعت کا خاصہ ہو...... ایک انداز ہو...... شاعری میں یہی سب تو ہوتا ہے' جو لوگ مطمئن اور ایک آئیڈیل زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ان کی بھی شاعری غم انگیز ہی ہوتی ہے۔ شاید ایک شاعر بہت حساس ہوتا ہے۔"

انہی دنوں پی ٹی وی گلوبل پر ایک مشاعرے کا پروگرام آ رہا تھا۔ ریپیٹ ٹیلی کاسٹ تھی۔ پڑھنے والوں میں ارسلہ بھی موجود تھی۔ اچانک اتنے عرصے بعد ارسلہ کو دیکھ کر رافع کو عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ وہ تو اب بھی اتنی ہی معصوم تھی جیسے کہ فرشتہ۔ ان دس برسوں نے اسے اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔ اب وہ اس کی شاعری سننا چاہ رہے تھے اور تب اس کا نام پکارا گیا۔

"اب آپ کے سامنے ارسلہ باقی اپنی نظم پیش کریں گی۔"

"ترنم سے...... ترنم سے۔" مجمع سے آوازیں آنے لگیں۔

کمپیئر نے سب کو خاموش کروایا۔

"آپ لوگ خاموشی اور صبر سے ارسلہ صاحبہ کا کلام سنیں۔ آپ سب کی فرمائش پر میں گزارش کروں گا' ارسلہ صاحبہ سے کہ کلام کو ترنم سے پیش کریں۔"

پھر اس کی سریلی آواز فضا میں گونجنے لگی۔

"اک واہمہ تھا دل میں
شاید کبھی ملو تم

کچھ دیر رک کے پوچھو
بیتے دنوں کا موسم
آواز میں ہو لرزش
آنکھوں میں اک تجسس
ماضی کا کوئی لمحہ
شاید اٹک گیا ہو
سب بھول کر بھی شاید
کچھ یاد رہ گیا ہو
پھر میں تمہیں بتاؤں
اپنی خوشی کی باتیں
ہر دکھ چھپا کے دل میں
آسودگی کی باتیں
وہ چاند چودھویں کا
تاروں بھری وہ راتیں
دلکش حسین شامیں
معصوم وارداتیں
وہ پیار کا تصور
اور بندگی کی باتیں
وہ روز روز مرنا
اور زندگی کی باتیں
تم دکھ سے مسکراؤ
دھیرے سے پاس آؤ
سر کو جھکا کے اپنے
چپ چاپ لوٹ جاؤ
پھر میں بھی مسکراؤں

من کے دیئے بجھاؤں
دہراؤں اپنے جی میں
اک تلخ سی حقیقت
اک خواب زندگی کا
ہاں عمر بھر جو دیکھا
یونہی رہ گیا ادھورا"

جب تک وہ پڑھتی رہی، مجمعے پر سناٹا طاری رہا اور نظم ختم ہوئی تو تالیاں ہی تالیاں تھیں۔ اس کی آواز میں جادو تھا۔ وہ اپنی آواز کے بل بوتے پر مشاعرہ لوٹ لیتی تھی۔

"کیا خبر وہ مجھے یاد کرتی ہو، مگر نہیں اس نے تو صاف کہہ دیا تھا۔" میرے دل میں اب آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں۔" مگر میں کراچی جاؤں گا تو اس سے ضرور ملوں گا۔ مجھے اس کا گھر معلوم ہے، پتا نہیں، اس کی امی کا کیا حال ہوگا؟ اور باجی...... وہ سکول میں پڑھاتی تھیں۔ ان کی بھی شادی ہوگئی ہوگی اور ارسلہ؟ شاید وہ بھی شادی کر چکی ہو، مگر میں اس کی ماں سے ملوں گا ضرور۔" ان کی سیٹ بک ہو چکی تھی۔ اگلے دن وہ کراچی کے لیے فلائی کر گئے۔

❀ ❀ ❀

کراچی پہنچنے کے بعد جونہی فرصت ملی رافع، ارسلہ کے گھر روانہ ہو گئے۔ اس کا اپارٹمنٹ اسی محلے میں تھا۔ زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا۔

اس کا دل بے چین تھا۔ آنکھیں اسے دیکھ لینے کو بے چین...... ان کے کانوں میں اس کی سریلی آواز گونج رہی تھی۔ ارسلہ کے بہت سے اشعار انہیں زبانی یاد تھے۔

وہ دوسری منزل پر رہتی تھی۔ یہ انہیں اچھی طرح یاد تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتے اس جگہ پر پہنچ گئے اور کال بیل پر انگلی رکھ دی۔

"جی فرمائیں؟"

"یہاں باقی صاحب رہتے تھے، دس سال قبل؟"

"جی، وہ لوگ تو اب یہاں نہیں رہتے۔"

"کہاں چلے گئے ہیں؟"

"یہ تو ہمیں نہیں معلوم، ہم نے یہ مکان خرید لیا ہے۔"

”کب؟“

”کئی سال ہو گئے۔“

”کیا ان لوگوں کا پتا مل سکتا ہے؟“

”نہیں جی' ہم کچھ نہیں جانتے۔“

یہ کوئی سندھی صاحب تھے جو یہ اپارٹمنٹ خرید چکے تھے۔

رافع کو شدید مایوسی ہوئی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اتنے بڑے کراچی میں اسے کہاں ڈھونڈا جا سکتا ہے؟ وہ اپنے دل کی بات کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔

رافع کی بھاوج سیما بہت اچھی تھی۔ ان کے پورے گھر کا انتظام سنبھال لیا تھا اس نے۔

امی ابو اس سے بے حد خوش تھے اور حسیب تو بے حد خوش' جب سے رافع آئے تھے' سیما ان کی شادی کا موضوع نکال کر بیٹھ جاتی تھی۔

”رافع بھائی بس اب آپ کی شادی ہو جانی چاہیے۔“

”میری شادی ہو چکی تھی' ایک بار تم جانتی ہو۔“

”وہ پرانی بات ہو چکی۔ اب اس بات کو بھول جائیں۔ میں خود آپ کے لیے اچھی سی لڑکی تلاش کروں گی۔“

”اب تو بس شاید ہی کوئی ڈھنگ کی لڑکی ملے۔“

”یہ آپ کا خیال ہے۔ جس گھر میں رشتہ لے کر جائیں گے ہم لوگ' فوراً ہی ہاں ہو جائے گی۔ آخر کیا کمی ہے آپ میں؟“

”میری ایک شادی ناکام ہو چکی ہے' یہ داغ تو لگ چکا ہے نا!“

”تو ہم کون سا چھپائیں گے یہ بات...... بتا دیں گے۔“

”بس یہی بات سن کر لوگ پیچھے ہو جاتے ہیں۔“

”نہیں ہوں گے پیچھے...... میں جو کہہ رہی ہوں۔“

”تو پھر کرو تم اپنی جیسی کوشش۔“

”آپ کی کوئی پسند ہو تو بتا دیں' رافع بھائی۔ شادی پسند ہی سے ہونی چاہیے۔“

ایک لمحے کو ارسلہ کا خیال آیا پھر نکل گیا۔ ”کیا خبر وہ شادی شدہ ہو اور پھر اس کا نہ پتا

ہے نہ نشان۔“

”نہیں بھئی' اب پسند وسند کے چکر میں مجھے نہیں پڑنا۔ ایک بار تجربہ ہو چکا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے لائن کلیئر ہے۔ ہم خود ہی ڈھونڈ لیں۔“

”ہاں اور جب ڈھونڈ لو تو اطلاع کر دینا۔“

امی بھی آ گئیں۔

”رافع اس بار تم آئے ہو تو شادی کر کے جاؤ۔ ابھی کافی وقت ہے۔ تمہارے ابو اپنے کسی ملنے والے کی بیٹی کا تذکرہ کر رہے تھے۔“

”امی آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ سیما نے کہا۔

”بھئی کل رات ہی ذکر کیا ہے انہوں نے۔“

”کون ہے' کہاں رہتی ہے؟“

”گلشن میں کوٹھی ہے۔ بھئی وہ صوبائی وزیر ہیں نا' رحمانی صاحب ان کی بیٹی ہے۔ عفت نام ہے۔ ایم اے کیا ہوا ہے اور سوشل ورک بھی کرتی ہے۔“

”تو وہ لوگ کر دیں گے' ابو سے کس نے کہا؟“ سیما نے پوچھا۔

”تمہارے ابو کے جاننے والے ہیں' بلکہ خود لڑکی والوں ہی کی خواہش ہے۔“

”مگر وہ ہے کیسی کچھ تو پتا چلے۔“ سیما نے کہا۔ ”سن رہے ہیں آپ رافع بھائی' ابو نے تو لڑکی ڈھونڈ بھی لی۔“

”سن رہا ہوں اور سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”آج تمہارے ابو آئیں تو ملاقات کا انتظام ہو' تم مل لینا۔ اگر تمہیں پسند ہو تو شادی فوراً ہی ہو جائے گی۔“ امی نے کہا۔

”امی یہ سیاسی لوگ ہیں۔ یہ کچھ اور ہی طرح کے ہوتے ہیں۔“

رافع نے خیال ظاہر کیا۔

”ہونے دو سیاسی' کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے کہا نا تم مل لو ان لوگوں سے۔“

رافع خاموش ہو گئے۔

اصولی طور پر تو وہ شادی کے لیے رضامند ہو ہی چکے تھے۔

اگلے دن لڑکی والوں نے وقت دے دیا۔

شام کے وقت رافع اور گھر کے دوسرے افراد تیار ہو کر رحمانی صاحب کے دولت کدے پر جا پہنچے۔ ان کی کوٹھی کے باہر پہرا تھا۔

مہمانوں کی آمد کی اطلاع اندر بھیجی گئی۔ سب کو عزت کے ساتھ وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ گھر خوب سجا سجایا تھا۔ نوکر چاکر کی افراط تھی۔

رحمانی صاحب اور مسز رحمانی آ کر بیٹھے۔ رافع سے بات چیت ہوتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد عفت رحمانی بھی آ گئی۔ عفت ایک پختہ عمر کی خوش شکل اور فیشن ایبل لڑکی تھی مگر بات چیت میں رکھ رکھاؤ تھا۔ بظاہر ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کی بنیاد پر اسے ریجیکٹ کیا جاتا۔

سب لوگ دیر تک بیٹھے پھر آئندہ ملاقات کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔

عفت رحمانی سے ایک بار اور بھی ملاقات ہوئی۔ آپس میں بات چیت بھی ہوئی مگر رافع کوئی حتمی رائے قائم نہ کر سکے۔

"پھر تم نے کیا سوچا رافع؟" امی کو جلدی تھی۔

"امی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"میرے خیال میں تو اچھے لوگ ہیں۔ اثر و رسوخ والے بھی ہیں۔ بیٹی کے پاس امریکہ کی نیشنلٹی بھی ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ شادی کرو اور ساتھ لے جاؤ۔"

"امی جو آپ لوگوں کی مرضی ہو وہ کریں۔ اس لیے کہ میں ایک بار اپنی مرضی کر چکا ہوں اور ناکام ہو چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہارے ابو سے ایک بار اور ڈسکس کر لوں پھر تم سے بات کروں گی۔"

اس کے بعد گھر کے سب افراد رات کو مل بیٹھے۔ حسیب اور سیما بھی موجود تھے۔ عفت رحمانی کے بارے میں سب کی رائے ایک ہی تھی کہ اچھی رہے گی۔

"اچھی لڑکی ہے، پھر سب سے بڑی بات لڑکی والے خود ہی ایسا چاہتے ہیں، ورنہ ان کے ہاں رشتوں کی کمی ہو سکتی ہے۔" یہ امی کی رائے تھی۔

"امی ہمارے بھائی جان بھی تو ہزاروں میں ایک ہیں۔" حسیب نے کہا۔ "انہیں ایسا داماد ملے گا کہاں سے، اتنا پڑھا لکھا، ہینڈسم اور پھر دنیاوی حیثیت ہماری بھی ان سے کم نہیں۔"

"میں بھی یہی کہہ رہی ہوں، برابر کا جوڑ ہے۔ میں نہیں چاہتی رافع کی شادی کسی کم گھرانے میں ہو...... خوامخواہ کی باتیں بنتی ہیں۔" امی نے کہا تو رافع کے ذہن میں اچانک ارسلہ کا سراپا گھوم گیا۔

"ارسلہ تو دنیاوی حیثیت میں ہمارے برابر نہیں تھی، مگر شاید ذہنی طور پر بہت بلند تھی۔ کاش وہ مجھے مل گئی ہوتی تو میں امی کو اس کے لیے راضی کر لیتا، لیکن کیا خبر وہ کہاں ہے اور پھر اب تک وہ کون سا ان میریڈ بیٹھی ہو گی...... میری سوچ ہی فضول ہے۔" رافع کو سوچتا دیکھ کر امی نے کہا۔

"اب کیا سوچ رہے ہو۔ کچھ فیصلہ کر دو تو ہم شادی کی تاریخ رکھیں؟"

"امی آپ فیصلہ کر چکی ہیں۔ میں کیا بول سکتا ہوں۔"

"تو ہم رحمانی صاحب کے گھر رشتہ لے کر جائیں۔"

"امی میں نے کب انکار کیا ہے۔ آپ شادی طے کر دیں۔"

پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

دوسرے ہی دن رحمانی صاحب کو اطلاع دی گئی کہ ہم لوگ باقاعدہ رشتہ لے کر آ رہے ہیں۔

وہ لوگ تو انتظار میں بیٹھے تھے۔

امی جان مٹھائی لے کر گئیں۔ ادھر سے بھی شاندار استقبال ہوا اور اسی روز شادی کی تاریخ بھی رکھ دی گئی۔

رافع دو ماہ کے لیے آئے تھے۔ دو ہفتے بعد شادی ہو گئی اور عفت رخصت ہو کر رافع کے گھر آ گئی۔

سب خوش تھے...... بظاہر کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے کوئی اندیشہ ہوتا۔ رافع کی پہلی ناکام شادی کے بارے میں پہلے ہی بتایا جا چکا تھا۔

امی اور ابو بھی مطمئن ہو گئے کہ بیٹے کا گھر بس گیا۔ ایک ماہ دعوتوں اور پارٹیوں ہی میں گزر گیا۔ بالآخر ان کی روانگی کا وقت آ گیا۔ یہ لوگ دونوں خاندانوں کی دعاؤں کے زیر سایہ امریکہ روانہ ہو گئے۔

❀ ❀ ❀

وہی گھر جہاں ثریا رہتی تھی، اب عفت کا تسلط تھا۔ ثریا کی اور عفت کی عادتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ثریا فجر کے وقت اٹھنے کی عادی تھی۔ رافع کو وہ کوئی کام نہیں کرنے دیتی۔

وقت پر ناشتا' وقت پر کھانا...... پڑھنے بھی جاتی تھی اور گھر کو بھی آراستہ رکھتی تھی۔ اس کا گھر اس کے سلیقے اور ہنرمندی کا منہ بولتا ثبوت تھا' مگر عفت اس طرح کی نہیں تھی۔ اسے صبح سویرے اٹھنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ جب سو کر اٹھتی' رافع کام پر جا چکے ہوتے۔ خود ہی ناشتا تیار کرتے اور سوتی ہوئی بیگم کو چھوڑ کر کام پر چلے جاتے۔ عفت کا گھر کا کوئی کام کرنے کا موڈ ہی نہیں ہوتا۔ وہ رافع کو فون کر دیتی' کھانا پیک کروا کر لے آنا اور رافع کو مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑتا' کئی روز اس طرح گزر گئے۔ ایک روز رافع نے کہا۔

"مجھے بازار کا کھانا پسند نہیں۔ تم گھر پر کھانا کیوں نہیں تیار کرتیں؟"

"مگر مجھے تو کھانا پکانا آتا ہی نہیں۔ ویسے بھی مجھے یہ کام اچھے نہیں لگتے۔ یہ کام نوکروں کے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہی تھا' ہمارے گھر کتنے ملازم تھے۔"

"ملازم تو ہمارے گھر بھی کئی ہیں۔ اس کے باوجود امی جان اور حسیب کی بیوی ہر کام کرتی ہیں' بلکہ دعوتوں میں وہ خود اپنے ہاتھ سے ڈشز تیار کرتی ہیں۔"

"مجھے دوسروں سے کیا لینا دینا۔ میں تو آپ کو اپنی عادت بتا رہی ہوں۔"

"تم اپنی عادت ٹھیک کرلو۔ سیکھ لو کھانا پکانا' یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔"

"رافع صاحب یہ میرے لیے مشکل ہے۔ آپ کو بازار کا کھانا پسند نہیں تو آپ خود بھی پکا سکتے ہیں۔ یہ پاکستان نہیں' امریکہ ہے۔ یہاں مرد و عورت سب کام کرتے ہیں۔"

"تو پھر تم بھی جاؤ دفتر' کما کر لاؤ۔ برابری کرنی ہے تو ہر چیز کی کرو۔"

"میں نکلوں گی...... ضرور نکلوں گی' مگر اپنی مرضی کے کام کروں گی۔ مجھے سوشل ورک پسند ہے۔ کسی نہ کسی این جی او سے وابستہ ہو جاؤں گی۔ ویسے بھی آگے مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے' یوں گھر بیٹھ کر ہانڈی چولھا کرنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتی۔" عفت کی باتیں سن کر رافع حیران رہ گئے۔

رافع کو رہ رہ کر ثریا یاد آ رہی تھی۔ "کیسی سلیقہ شعار اور کم سخن تھی۔ کسی بات کا جواب نہیں دیتی تھی اور یہ عفت...... کتنی زبان دراز عورت ہے۔ شوہر کی عزت کرنا جانتی ہی نہیں۔" روز روز کے جھگڑوں سے رافع تنگ آ گئے تھے' آخر ایک روز کہہ ہی اٹھے۔

"جب سے تم آئی ہو گھر کی حالت ہی خراب ہو گئی ہے۔ ثریا تھی تو گھر اس کے سلیقے اور محبت سے چمکتا تھا۔ دنیا تعریف کرتی تھی اس کی۔" ثریا کا نام سن کر عفت کے پتنگے لگ گئے۔

"اوہ تو پہلی بیوی یاد آ رہی ہے۔ وہ اتنی ہی اچھی تھی تو کیوں چھوڑ دیا اسے؟"

"میری قسمت اچھی نہ تھی اس لیے۔"

"میں کسی کی دھونس میں آنے والی نہیں ہوں۔ کان کھول کر سن لو رافع...... نہ میں گھر کا کام کروں گی اور نہ ہی دوسروں کی مرضی پر چلوں گی...... میرے اپنے کچھ منصوبے ہیں۔ زندگی کے پلان ہیں۔"

"کیا پلان ہیں' میں بھی تو سنوں؟"

"میں کچھ دن ہی یہاں رہوں گی' پھر پاکستان چلی جاؤں گی۔ وہاں کی زندگی شاندار ہے۔ نوکر چاکر' ہر طرح کا آرام...... یہاں کیا رکھا ہے...... نہ دھوبی' نہ ماسی' نہ خانساماں۔"

"لیکن میں تو اتنی جلدی پاکستان نہیں جا سکتا۔"

"وہ تو تمہیں جانا ہی پڑے گا اور ہاں ایک بات اور سن لو...... میں پاکستان جا کر تمہارے ماں باپ کے گھر ہرگز نہیں رہوں گی۔"

"پھر کہاں رہو گی؟"

"علیحدہ گھر میں...... ڈیڈی کے گھر کے پاس خرید لینا مکان یا کرائے پر لے لینا۔"

"اچھا ہوا تم نے اپنے خیالات مجھے بتا دیئے' اگر شادی سے قبل یہ سب باتیں پتا چل جاتیں تو زیادہ بہتر تھا۔"

"تو کیا ہوتا؟"

"میں تم سے شادی ہرگز نہیں کرتا۔"

"تو تمہیں کہاں سے مل جاتی لڑکی' سب جانتے ہیں تم ایک بیوی چھوڑ چکے ہو۔"

"ہاں ایک بار چھوڑ چکا ہوں۔ دوسری بار بھی یہی کہانی دہرائی جا سکتی ہے۔ اگر تم نے خود کو ٹھیک نہ کر لیا۔"

"یہ اتنا آسان نہیں' مسٹر رافع' میرا باپ وزیر ہے' اس کا بڑا اثر و رسوخ ہے۔ میں نے شاہ زیب کی پروا نہ کی' تم کیا چیز ہو۔"

"شاہ زیب کون؟"

"ارے...... تمہیں نہیں معلوم' شاہ زیب سے میری شادی ہوئی تھی۔ دو ماہ ہی چل سکی۔ بہت بڑا وڈیرا تھا' جاگیریں تھیں اس کی۔ چچا بھی وزیر تھے اور ایک بھائی بھی وزیر...... مگر میں

نے اس کی پروا نہ کی۔ حکم چلاتا تھا مجھ پر...... چھوڑ دیا میں نے۔" رافع نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"تم لوگوں نے دھوکا دیا ہمیں، پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"ہم نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ ہم مشہور لوگ ہیں۔ ہمارے بارے میں سب لوگ سب کچھ جانتے ہیں۔ اخباروں میں خبریں لگتی ہیں، تم لوگ بے خبر ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"یہ سراسر دھوکا دہی ہے۔"

"تم کچھ نہیں کہہ سکتے...... اگر میں شاہ زیب کو چھوڑ چکی ہوں تو کیا ہوا، تم بھی تو ثریا کو چھوڑ چکے ہو، حساب برابر ہوا۔ ڈیڈی کہہ رہے تھے کہ یہ بات تمہیں بتا دی جائے، مگر میں نے منع کر دیا کہ میں خود بتا دوں گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا رافع...... یہ دنیا ہے اس میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔" رافع کا موڈ غارت ہو گیا تھا۔

انہوں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو رہا تھا۔ خدا جانے یہ کون سی سزا تھی جو انہیں اسی دنیا میں مل رہی تھی۔ "ایسا کون سا گناہ کر دیا میں نے...... یارب میں تو ہزار بار اپنے گناہوں کی معافی مانگ چکا ہوں، مگر میری سزا ختم ہونے میں نہیں آئی۔ شاید میں نے کسی کا دل دکھایا تھا۔ اس کی بددعا لگ گئی ہے۔ ہر بار تقدیر مجھے ہی کیوں نشانہ بناتی ہے۔ اس بار تو میں نے فیصلہ ماں باپ پر چھوڑ دیا تھا اور یہ فیصلہ کتنا غلط ہے۔ کاش امی ابو کو ان باتوں کا علم ہوتا۔"

ایک روز اس نے آفس سے اپنے بھائی حسیب کو فون کیا۔

"بھائی میں بے حد پریشان ہوں۔"

"کیا ہوا رافع بھائی...... کچھ بتائیں؟"

"اب شاید بتانے کے لیے بھی میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ایک بار شادی میں ناکامی اٹھا چکا ہوں۔ دوسری بار یہ ہوا تو لوگ مجھے ہی موردالزام ٹھہرائیں گے۔ عفت اچھی عورت نہیں ہے۔ وہ ایک شوہر چھوڑ چکی ہے اور مجھ سے زبان درازی کرتی ہے۔ گھر کا کوئی کام نہیں کرتی۔ میں بازار سے کھانا خرید کر لاتا ہوں...... دن چڑھے تک سوتی رہتی ہے۔ اگر کچھ کہوں تو اپنے باپ کی دھمکی دیتی ہے۔"

"اُف اللہ، یہ میں کیا سن رہا ہوں!"

"میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ تم ابو سے بات کر لینا۔ امی کو کچھ نہ بتانا وہ بیمار رہتی ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

❀ ❀ ❀

"بھائی آپ پریشان نہ ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا...... ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ ایسی عورت نہیں ہے جو کوئی معقول بات سنے۔" کافی دیر تک رافع بھائی سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے رہے۔

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ رافع اب کسی معاملے میں نہیں بولتے تھے۔ خواہ کھانا پکے یا نہ پکے، صفائی ہو یا نہ ہو۔ انہوں نے کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔ کبھی موڈ ہوتا تو اچھے سے اچھی چیز پکا کر رافع کو حیران کر دیتی۔ وہ اس کی ذرا سی مہربانی پر خوش ہو جاتے۔

چند دن خوشی کے گزرتے پھر وہی لاتعلقی...... ان ہی دنوں رافع کے دوست سلمان اور آمنہ ان کے گھر آ گئے۔ ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ رافع نے انہیں اپنے گھر انوائٹ کیا۔

رافع کو خوشی تھی، ایک عرصے بعد وہ اپنے جگری دوست کے ساتھ کچھ وقت گزار سکیں گے۔

"سنو عفت، میرا ایک دوست اس کی بیوی اور بچہ دو دن ہمارے گھر رہیں گے۔"

"یہ خوشی کی خبر ہے...... مگر کھانے پینے کی چیزیں آپ پہلے سے خرید کر فریج میں رکھ لیجیے گا۔ مجھ سے کہاں ہو گا اتنا کام۔"

"میں خود کر لوں گا۔ تم بے فکر رہو، مجھے کھانا پکانا آتا ہے۔" رافع نے بجھے دل سے کہا اور پھر یہی کیا بھی۔ چکن قورمہ، کوفتے پکا کر فریز رکھے، کباب خرید کر رکھے۔ سلمان، آمنہ آئے تو عفت نے خوش دلی سے خیر مقدم کیا۔ ان لوگوں پر کسی طور یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی نااتفاقی ہے۔

دو دن یہ لوگ رہے، چاروں مل کر مختلف جگہوں پر گھومے پھرے، کھانے کا وقت ہوتا تو کسی ہوٹل میں کھا لیتے۔ گھر پر کھانے کی نوبت ہی نہ آئی۔

سلمان کے بچے سے گھر میں رونق تھی۔ بہت ہی پیارا بچہ تھا۔ رافع کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"کاش میری بھی اولاد ہوتی۔" مگر فی الحال عفت کے ہاں کوئی آثار نہ تھے۔ سلمان اور آمنہ یہاں سے خوش گئے۔

عفت نے اپنی چرب زبانی سے آمنہ کو اپنا قائل کر لیا تھا۔ اس نے چلتے وقت رافع سے کہا۔

"رافع بھائی آپ کی بیوی بہت اچھی ہے۔ آپ کی خوشگوار زندگی دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔"

عفت نے اپنی طرف سے بچے کو اور آمنہ کو تحائف دیئے۔ یہ دو دن اچھے گزرے۔
شروع میں تو رافع خوف زدہ تھے کہ خدا جانے عفت اس کے دوست کے ساتھ کیسا روّیہ رکھے' مگر ان کے تمام اندیشے غلط ثابت ہوئے۔
"عفت تمہارا شکریہ' تم نے سلمان وغیرہ کا خیال کیا۔"
"ظاہر ہے وہ مہمان تھے ہمارے...... مہمان کی تواضع تو کی ہی جاتی ہے۔"
زندگی اسی طرح گزر رہی تھی' کبھی خوش' کبھی ناراض کہ ایک دن عفت نے خبر سنائی۔
"میں ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔"
"کیوں...... خیریت؟"
"جی ہاں...... ایک خبر ہے آپ کے لیے۔"
"کیا کہہ رہی ہو' میں سمجھا نہیں؟"
"میں ماں بننے والی ہوں۔"
رافع کو ایسا لگا جیسے صحرا میں اچانک پھول کھل اٹھے ہوں۔ بہار آ گئی ہو' خوشی کا ایک شاک تھا۔
"سچ کہہ رہی ہو' میں باپ بن رہا ہوں۔"
"ہاں یہ سچ ہے۔" عفت بھی خوش تھی۔ اس نے ڈاکٹروں کی رپورٹ رافع کے ہاتھ میں رکھ دی۔

مارے خوشی کے رافع کے ہاتھ کانپنے لگے۔
"یا اللہ تیرا شکر ہے! میں شکرانے کے نفل ادا کروں گا۔"
"بہت خوش ہیں آپ؟"
"تو کیا تم خوش نہیں ہو؟"
"کیوں نہیں' میں ایک عورت ہوں اور دنیا کی ہر عورت ماں ضرور بننا چاہتی ہے۔"

رافع نے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ وہ عرصے سے نماز روزے کی پابندی کرنے لگے تھے۔ ثریا کے جانے کے بعد وہ یکسر تبدیل ہو گئے تھے۔ برائی تو پہلے بھی نہیں تھی' ہاں بھٹک گئے تھے' مگر پھر حالات نے انہیں سیدھے راستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ راستہ جو نیکی کا راستہ تھا۔ وہ بہت پابندی سے نماز ادا کرتے تھے اور عفت سجدہ کرنے کی روادار نہیں تھی۔ اسے عادت ہی نہیں تھی' لیکن اس معاملے میں رافع نے اس سے کبھی کچھ نہیں کہا تھا' کیونکہ یہ بندے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہوتا ہے۔ کیا عجب کہ کبھی عفت بھی نماز خود سے پڑھنے لگ جائے۔
جب سے عفت نے بچے کی خبر سنائی تھی' رافع خوش رہنے لگے تھے۔
رافع نے فوراً ہی اپنے گھر یہ خبر پہنچا دی تھی۔ عفت اپنے گھر پہلے ہی فون کر چکی تھی۔ دونوں گھرانوں میں خوشی منائی جا رہی تھی۔
رافع بھی چین کی زندگی گزار رہے تھے۔ حسیب اور سیما تو پہلے ہی ایک بیٹے کے ماں باپ بن چکے تھے۔ فکر رافع کی تھی۔ خیر سے ان کے یہاں سے بھی اچھی خبر ملی تھی۔ اس کا مطلب ہے رافع اور عفت ایک اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔
لوگ عام طور پر یہی خیال کرتے ہیں کہ اگر اولاد ہے تو میاں بیوی اچھی زندگی گزار رہے ہیں' مطمئن ہیں۔ حالانکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اولاد دو لوگوں کے بیچ زنجیر بن جاتی ہے اور زندگی گھسیٹ گھسیٹ کر گزرتی ہے۔ انسان درمیان میں لٹک کر رہ جاتا ہے۔
ماں خوش تھیں مگر منیب صاحب پریشان رہتے تھے۔ حسیب نے بہت سی باتیں اپنے والد کو بتائی تھیں۔ عفت کی پہلی شادی کی خبر بتائی تھی اور یہ کہ رافع خوش نہیں ہیں۔
منیب صاحب بے حد پچھتائے تھے کہ انہوں نے کوئی معلومات نہ کیں اور بیٹے کو ان کی آگ میں جھونک دیا۔
"رافع تو ان لوگوں سے رشتہ جوڑنے کے خلاف تھا' مگر ہم ہی لوگ نہ مانے۔"
"وہ واقعی اگراثر ورسوخ والے لوگ ہیں۔ رافع' عفت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتے تھے' مگر خدا کرے' ان لوگوں کی اچھی گزر جائے۔ ہو سکتا ہے' آنے والا بچہ دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئے۔"

حسیب نے اپنی بیوی سیما کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ اپنے طور پر شوہر کو تسلی دیتی تھی۔
"آپ فکر مند نہ ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بچہ درمیان [illegible] چھوٹے موٹے

اختلافات دور ہو جائیں گے۔"

"دعا کرو سیما' مجھے بھائی کی طرف سے بہت فکر رہتی ہے۔ خدا جانے ان کے ساتھ ایسا کیا ہوا...... سنا ہے ثریا بہت اچھی بیوی تھی۔"

"ہاں ثریا باجی بہت اچھی تھیں؟"

"پھر کیا وجہ ہوئی؟"

"یہی تو معلوم نہیں...... بس قسمت کی بات کہ دونوں میں بن نہ سکی۔"

"اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسا کریں کہ ہم لوگ امریکہ کا پروگرام بنالیں۔"

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے' مگر ان دنوں میں جب ڈلیوری قریب ہو' بھائی کو اطمینان ہو جائے گا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

ڈلیوری کے دن قریب آ رہے تھے۔ رافع' عفت کا بہت خیال رکھتے' اسے کوئی کام نہ کرنے دیتے۔ حالانکہ وہ صحت مند عورت تھی' مگر لیے دیئے رہنے کی عادی تھی' یعنی گھر کا کوئی کام کرنا اسے پسند نہ تھا۔ ویسے وہ گھر کے باہر رہنا' لوگوں سے ملنا اور دوسرے کاموں میں ہمیشہ تیز رہی تھی' مگر ان دنوں وہ پورے دنوں سے تھی۔

رافع کی امی کو ہائی بلڈ پریشر تھا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے وہ جانے کا پروگرام نہ بنا سکیں۔ البتہ سیما نے اپنی سیٹ بک کروالی۔ حسیب لمبی چھٹی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے بعد میں آنے کا پروگرام بنایا کہ جب سیما کی واپسی کا ٹائم ہو گا' تب آ کر لے جائیں گے۔ اس طرح سیما اپنے بچے کو لے کر رافع کے گھر پہنچ گئی۔

سیما کے آ جانے سے رافع کو سکون اور بے فکری ہو گئی۔ وہ ایک سلیقہ مند لڑکی تھی۔ اس نے پورے گھر کا کام سنبھال لیا تھا۔ عفت نے بھی اچھا سلوک روا رکھا۔ دونوں خوب باتیں کرتیں۔ آنے والی بچی تھی جو کہ الٹراساؤنڈ رپورٹ سے پتا چل چکا تھا۔

سیما کراچی سے بہت سی ضروری چیزیں خرید کر لے گئی تھی۔ باقی جو کچھ تھا وہ رافع کے ساتھ جا کر ایک ہی دن میں شاپنگ مکمل کر لی۔

رافع نے سیما کا کئی بار شکریہ ادا کیا کہ اس کڑے وقت میں وہ کام آ رہی ہے۔

عفت کے وزیر باپ اور دولت مند ماں کی طرف سے عملی تعاون نہیں تھا۔ وہ ان دنوں

الیکشن کے چکر میں پھنسے تھے۔ ان کے گھر کا ماحول دوسری طرح کا تھا۔ سیاسی داؤ پیچ' بیانات' ملاقاتیں...... یہی سب کچھ چل رہا تھا۔ جس کی خبریں کبھی مل جاتیں' کبھی نہ ملتیں۔

خدا خدا کر کے وقت آیا اور عفت ایک بچی کی ماں بن گئی۔ بچی بہت خوب صورت تھی۔ گول مٹول' پیاری سی۔ اس کا نام مونا رکھا گیا' جو وہ پہلے ہی سوچ چکی تھی۔ کیس نارمل تھا۔ دوسرے دن عفت گھر آ گئی۔ رافع بہت خوش تھے۔ عفت بھی خوش تھی۔ سیما کا پروگرام ایک ماہ رہنے کا تھا۔ اس سے زیادہ اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اسے ساس کی فکر تھی جو ان دنوں علیل تھیں اور پورے گھر کی ذمے داری ان پر پڑ گئی تھی' ورنہ جب سے سیما آئی تھی' اسی نے سب کام سنبھالے ہوئے تھے۔ بچی ایک ماہ کی ہوئی تو حسیب آ گئے۔ وہ بہت سارے تحائف لے کر آئے تھے جو دونوں گھرانوں کے افراد نے دیئے تھے۔

بظاہر رافع کے گھر میں خوشی تھی۔ حسیب مطمئن ہو گئے۔ سیما نے بھی اطمینان دلایا کہ سب ٹھیک ہے اور کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

حسیب ایک ہفتہ رہے پھر بیوی اور بچے کو لے کر پاکستان واپس ہوئے۔

دن گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔ بچی ایک سال کی ہو گئی۔ عفت کے وہی رنگ ڈھنگ تھے۔ وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی تھی' کیونکہ بقول اس کے یہاں ملازم نہیں تھے اور وہ کام کرنے کی عادی نہیں تھی۔ چنانچہ رافع کو پاکستان واپس جانے کا پروگرام بنانا پڑا۔ انہیں پاکستان میں ایک کمپنی میں جنرل منیجر کی پوسٹ بھی مل گئی۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ تجربہ بھی رکھتے تھے۔ رافع کی ماں کے لیے یہ خوشخبری تھی کہ بیٹا' بہو اور پوتی ان کے گھر آ رہے تھے' مگر جیسا کہ عفت پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ وہ علیحدہ گھر میں رہے گی تو رافع کو علیحدہ گھر لینا پڑا۔

والد سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا۔

"فی الحال کرائے پر لے لو پھر اپنی مرضی سے ایک اچھا گھر تعمیر کروا لینا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

رافع چاہتے تھے' ڈیفنس میں گھر کرائے پر لیں۔ اپنے گھر کے نزدیک مگر عفت اس پر بھی راضی نہ ہوئی۔ اس نے اپنی ماں کے گھر کے قریب ایک گھر پسند کیا اور یہ لوگ جلد ہی اس گھر میں شفٹ ہو گئے۔

گھر کے کام کاج کے لیے ایک عدد خانساماں اور ایک آیا بھی رکھ لی گئی۔ اب عفت

مطمئن تھی۔ اسے کوئی کام نہ تھا۔ خانساماں کھانا پکاتا' ماسی اوپر کے کام اور نئی آیا بچی کو سنبھالتی۔

اب جبکہ عفت فارغ تھی' اسے اپنے سوشل کاموں کا خیال آیا۔ وہ ایک این جی او سے وابستہ تھی۔ جہاں پر بیگمات کام کر رہی تھیں۔ ان کے بلند و بانگ دعوے تھے۔ خواتین کی امداد وغیرہ کے مگر یہ سب اندر سے کھوکھلی خواتین تھیں جو دوسری خواتین کے گھر آباد کرنے کی باتیں کرتی تھیں۔ ان کے اپنے گھر برباد تھے۔

آئے دن میٹنگیں ہوتیں...... اچھے سے لباس پہن کر یہ خواتین آتیں۔ خوب باتیں ہوتیں...... کھانے پینے کی چیزوں سے میز بجی ہوتی' امدادی فنڈ سے ملنے والی رقم بے دریغ خرچ کی جاتی۔

عفت اپنے کارنامے رافع کو سناتی۔ رافع کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے تو صرف مونا کی فکر تھی جو آیا کے رحم و کرم پر تھی۔ رافع بھی دفتر میں ہوتے اور عفت اپنے چکروں میں اور فلاحی کاموں میں وقت گزارتیں۔ مونا چڑچڑی ہو گئی تھی۔ ہر وقت روتی رہتی۔ مونا ڈیڑھ سال کی تھی۔ اسے ماں کی ضرورت تھی مگر ماں یہ بات نہیں سمجھتی تھی یا سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

کبھی مونا بیمار ہو جاتی تو اسے نانی کے پاس بھیج دیا جاتا۔ اس کی آیا بھی ساتھ جاتی۔

رافع نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ مونا کی خاطر انہیں سب کچھ سہنا تھا۔ ویسے بھی ایک بار گھر اجڑ چکا تھا۔ اب بار بار یہی کہانی نہیں وہرائی جا سکتی تھی۔ وہ اکثر ثریا کو یاد کرتے۔

اس کا سلیقہ' تمیز و تہذیب خیال...... وہ کتنی خوبیوں کی مالک تھی۔ وہ ہمیشہ مناسب لباس پہنتی تھی اور دوپٹا طریقے سے اوڑھا کرتی تھی۔ کبھی کبھار رافع اس سے کہتے۔ '' بھئی یہاں گھر میں کون ہے جو تم اتنے اہتمام سے دوپٹا اوڑھے بیٹھی ہو۔'' تو وہ ہنس دیتی۔

'' رافع شاید آپ یقین نہ کریں' اگر گھر پر کوئی نہ ہو تو بھی میں اسی طرح دوپٹا اوڑھتی ہوں۔ یہ میری عادت ہے۔ میری گھٹی میں پڑا ہوا ہے' اسی طرح رہنا اور پھر اگرچہ ہمارے پاس کوئی نہ ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ ہمیشہ موجود ہوتا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے حجاب آتا ہے۔''

اسے ثریا کی یہ بات کبھی نہیں بھولتی تھی۔ وہ جانتا تھا' ثریا کتنی حیادار تھی۔ ثریا کے ساتھ اس نے زندگی کے دو سال گزارے تھے۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا اور عفت۔

عفت کو تو شاید معلوم ہی نہیں تھا' دوپٹا ہوتی کیا چیز ہے اور قمیص کی آستین کسے کہتے

ہیں۔ وہ ہمیشہ سلیولیس بلاؤز اور شرٹس پہنتی...... ٹائٹ کپڑے اور گلے میں جھولتا ہوا ایک عدد دوپٹا جو اکثر صرف ایک جانب ہی پڑا ہوتا۔ کبھی وہ ٹوک دیتا۔

'' عفت تم دوپٹا ایک طرف کیوں ڈالتی ہو؟''

'' کیوں کیا برائی ہے اس میں' یہی فیشن ہے آج کل۔''

'' تو اس کا نام بھی تبدیل کر دو۔ ایک پٹا کہا کرو۔'' وہ ہنس دیتی جیسے مذاق اڑا رہی ہو اور رافع خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ اسے لگتا وہ اس کا نہیں مذہب کا مضحکہ اڑا رہی ہو۔ اگر وہ سلیولیس بلاؤز کی بات کرتا تو وہ برملا کہتی۔

'' یہ دقیانوسی باتیں اپنے پاس ہی رکھو۔ مجھ سے آستینوں کا بوجھ برداشت نہیں ہوتا۔ توبہ کتنی گرمی ہوتی ہے کراچی میں۔''

اور خیر اب اس نے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

جب بھی کوئی میٹنگ یا پارٹی ہوتی ایک نیا ڈریس سلوایا جاتا اور اس میں باقاعدہ کھڑکیاں بنتیں۔ آستینوں میں بھی اور پشت پر بھی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتا۔

'' اسی ماحول میں میری بیٹی پروان چڑھے گی۔ جوان ہوگی' ماں کی نقل میں وہ بھی وہی کرے گی' جو اس نے دیکھا ہوگا۔'' کبھی کبھی رافع کا دل گھبرا جاتا تو وہ اپنے پرانے دوستوں میں نکل جاتے۔ سب اچھے لوگ تھے اور بال بچوں والے تھے۔ شہر میں عالمی مشاعرہ ہو رہا تھا۔ اس مشاعرے کی خبریں اخبار اور ٹی وی پر بھی آ رہی تھیں۔ کئی ممالک سے شرکت کی غرض سے شعرا آ رہے تھے۔ پڑوسی ملک کے بھی کئی شعرا تھے۔ ایک دن شرکت کرنے والوں کے نام رافع نے ٹی وی پر پڑھے تو انہوں نے دیکھا' اس میں ارسلہ باقی کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔

اچانک انہیں سب کچھ یاد آ گیا۔ ارسلہ کی شاعری' اس کی آواز...... اب تو کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ رافع نے ارسلہ کی شاعری نہیں پڑھی تھی۔ ان کا دل چاہا وہ یہ مشاعرہ اٹینڈ کریں۔ ان کو تو ویسے بھی ادب اور شاعری سے لگاؤ تھا۔ یونیورسٹی اور کالج میں بھی وہ ہمیشہ بہت ایکٹو رہے تھے۔

رافع نے اپنے دوستوں سے تذکرہ کیا اور سب نے مل کر مشاعرہ سننے کا پروگرام بنایا۔

چونکہ مشاعرہ ہفتے کی رات کو تھا اور اگلے دن اتوار تھا۔ اس وجہ سے وہ آسانی سے یہ پروگرام اٹینڈ کر سکتے تھے۔ رافع نے عفت سے بھی کہا۔

"ہم سب دوست عالمی مشاعرہ سننے جا رہے ہیں' اگر تمہارا موڈ ہو تو تم بھی چلو۔"

"نہ بھئی یہ شاعری تو اپنے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے۔ ہاں' آپ ضرور جائیں۔ آپ کا چینج ہو جائے گا۔"

"یہی سوچ کر تو جا رہا ہوں۔ دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے کا ویسے بھی کم ہی وقت ملتا ہے۔ یہاں کراچی میں سب کی زندگی مصروف ہی ہے۔"

اچانک ارسلہ سے ملنے اس کی آواز سننے اور اس کی غزل سننے کی خواہش شدت اختیار کر گئی۔ رافع کو اس دن کا انتظار تھا جب وہ مشاعرے میں جائے گا' کسی کو بھی اس کے اندر کی خبر نہیں تھی۔

ہفتے کی رات دس بجے کے قریب یہ سب دوست جا پہنچے۔ آگے کی سیٹیں تو بھر چکی تھیں' پھر بھی انہیں درمیان میں جگہ مل گئی تھی۔ حسب روایت مشاعرہ دیر سے شروع ہوا۔

صاحب صدر نے سب سے پہلے اپنا کلام سنایا' اس کے بعد باری باری شعرا کو بلانا شروع کیا۔

نئے پڑھنے والوں کو پہلے بلایا جاتا ہے......لوگ آتے رہے' اپنا اپنا کلام سناتے رہے۔

رافع کو ارسلہ کا انتظار تھا۔ وہ انہیں سامنے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ رات کے بارہ بجے ارسلہ باقی کا نام پکارا گیا تو پورا پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔

رافع اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے' مکران کے دوست نے بتایا۔

"یہ لڑکی بہت پاپولر ہے۔ اس کے لکھے ہوئے ٹائٹل سانگز ٹی وی ڈراموں میں چلتے ہیں اور اس کی آواز بہت خوب صورت ہے۔"

رافع خاموش رہے۔ ان کے جذبات میں ہلچل مچی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ارسلہ کی آواز میں جادو ہے۔ برسوں پہلے کی سنی ہوئی آواز آج بھی ان کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔

وہ آ گئی۔ اس نے مائیک سنبھال لیا۔

"میں ایک تازہ غزل پیش کر رہی ہوں۔ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں تحت اللفظ میں غزل پیش کروں؟"

"نو......نو......" آوازیں گونج اٹھیں۔

"ترنم سے......ترنم سے۔"

اب صاحب صدر کو کہنا پڑا۔

"مس ارسلہ آپ ترنم سے سنا دیں۔ ہمارے مشاعرے کو کامیاب بنائیں پلیز۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ آپ لوگوں کو ٹھیک سے سنا سکوں' کیونکہ ان دنوں کچھ گلا خراب ہے' یہ کوئی روایتی جملہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔"

اس نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور وہ کوئی آسمانی حور لگ رہی تھی۔

اچانک ایک سریلی آواز گونج اٹھی۔

"پر سکوں تجھ کو نظر آتی ہوں ہر دم اے دوست
شور اندر سے جو اٹھتا ہے تجھے کیا معلوم
کون جانے ترے انداز بدل جائیں کہیں
ایک خدشہ سا ابھرتا ہے تجھے کیا معلوم
ہجر کی کوئی کہانی کبھی سن لیتی ہوں
کوئی ہلچل کوئی آہٹ ہے نہ کوئی آواز
ایک سناٹا اترتا ہے تجھے کیا معلوم
ضبط کی کون سی منزل سے گزر جاتا ہے
ایک آنسو جو چھلکتا ہے تجھے کیا معلوم
جب بھی گزرے ہوئے ایام کا دکھ یاد کروں
دل بے تاب مچلتا ہے تجھے کیا معلوم
اتنی بے ربط کہانی ہے دل مضطر کی
پھر بھی ہر آن سنبھلتا ہے تجھے کیا معلوم"

اس سے مزید سننے کی فرمائش کی جا رہی تھی' مگر وہ چلی گئی۔ رافع کا دل لگتا تھا' کوئی مٹھیوں سے بھینچ رہا ہے۔ اس کی آواز نے سب کو مسحور کر دیا تھا۔ ہر طرف ارسلہ کی واہ واہ ہو رہی تھی اور رافع بالکل ساکت تھے۔ گزرے زمانے کا ایک ایک پل انہیں یاد آ رہا تھا۔

وہ آج بھی تر و تازہ تھی' معصوم فرشتے کی مانند اس کی آواز میں درد تھا۔ اس کے کلام میں کشش...... یہ دکھ' یہ اندیشے...... یہ تنہائی...... یہ ویرانی اس کے پاس کہاں سے آئی۔

پرانے شعرا آتے رہے' کلام سناتے رہے' مگر رافع نے پھر کچھ نہیں سنا۔ وہ وہاں موجود

تو تھا مگر اس کا ذہن غیر حاضر رہا۔

صبح چار بجے مشاعرہ ختم ہوا تو سب اپنے گھروں کو واپس آئے۔ رافع نے ارسلہ کی غزل موبائل پر ریکارڈ کر لی تھی۔ وہ جب گھر سے نکلتے دفتر کے لیے تو موبائل آن کر لیتے ارسلہ کی غزل سننے کے لیے۔ اس کی سریلی آواز ان کی گاڑی میں گونجتی رہتی۔ جلترنگ بجاتی رہتی اور ان کے دل کے تاروں کو چھیڑتی رہتی۔

جس دن سے انہوں نے ارسلہ کو سنا تھا۔ اسے دیکھا تھا وہ بہت زیادہ یاد آنے لگی تھی۔ "اسے وہاں پر بھی ارسلہ باقی عثمانی کے نام سے بلایا گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے اس کی شادی نہیں ہوئی' مگر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ علی نے ارسلہ سے شادی کیوں نہیں کی۔ ہاں یہ بات تو مجھے معلوم ہے کہ علی نے یونیورسٹی چھوڑ دی تھی اور وہ کہیں اور چلے گئے تھے' مگر ارسلہ...... وہ کیوں اکیلی رہ گئی۔ کاش میں ارسلہ سے مل سکتا لیکن اب اس کا کیا فائدہ' ویسے بھی اس کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔"

اب اکثر وہ ٹی وی دیکھنے لگے تھے اور بہانے بہانے سے ارسلہ کے بارے میں معلومات لینے لگے تھے۔ ٹیلی ویژن پر چلنے والے اکثر ڈراموں کے ٹائٹل سانگ اس کے لکھے ہوئے ہوتے تھے اور اس کا نام لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ اس سے قبل انہوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا' مگر اب کرنے لگے تھے۔

ان دنوں عفت کی مصروفیت بڑھ گئی تھی' وہ کم ہی گھر میں نظر آتی۔

"تم کن چکروں میں ہو' کم ہی نظر آتی ہو؟" ایک دن رافع نے پوچھ لیا۔

"شکر کریں نظر آ جاتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بس ویسے ہی ایک بات کہہ دی۔ آپ مطلب پوچھنے بیٹھ گئے۔ دراصل میری کتاب کی رونمائی ہونے والی ہے۔ اسی سلسلے کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہوں۔"

"تمہاری کتاب کی رونمائی؟" رافع نے تعجب سے پوچھا۔

"تم کتابیں لکھتی ہو...... مگر کب' کس وقت میں نے تو تمہیں کبھی لکھتے پڑھتے نہیں دیکھا۔"

"میری کتاب کا نام ہے سیاست کے کھیل' یہ چھپ کر آ گئی ہے اور آرٹس کونسل میں

اس کی رونمائی کی تقریب ہونی ہے۔ بڑی بڑی شخصیات مدعو کی جا رہی ہیں۔"

"لیکن یہ کتاب تم نے کب لکھی؟"

عفت ہنسنے لگی۔

"اب آپ سے کیا پردہ...... کتاب میں نے نہیں لکھی۔ یہ میرے نام سے لکھی جا رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی سیاست دانوں میں یہی ہوتا ہے۔ لکھتا کوئی اور ہے اور چھپتی کسی اور کے نام سے ہے۔"

"یعنی پیسہ دے کر یہ کام کروایا جاتا ہے؟"

"ویری سمپل' یہ قلم کار شاعر یہ سب غریب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے پاس پیٹ بھر کر روٹی نہیں ہوتی۔ بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے یہ اپنا قلم بیچتے ہیں۔ میرا مطلب ہے تحریر...... کہیے تو آپ کے لیے بھی خرید دوں ایک عدد کتاب۔"

"جی نہیں شکریہ...... ویسے آپ کا خیال کچھ زیادہ درست نہیں۔ ہر قلم کار لکھنے والا نہیں ہوتا۔"

"ہاں کچھ ہوتے ہیں سر پھرے' مگر اکثریت بک جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر ایک کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ کسی کی کم' کسی کی زیادہ۔"

"تو تم نے کس کو خریدا ہے؟"

"پتا نہیں والد صاحب نے سب انتظام کیا۔"

"یہ کس قسم کی کتاب ہے۔"

"آپ اس کے عنوان سے سمجھ سکتے ہیں۔ سیاست کے اوپر لکھی گئی ایک طنز و مزاح سے بھرپور کتاب' جس میں تلخ حقائق کی جھلک بھی ہے اور دلچسپی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔"

"بڑی اچھی اردو بول رہی ہو۔"

"یہ میری اردو نہیں۔ ایک معروف ادیب کے الفاظ ہیں جو میری کتاب کے تبصرے میں لکھے گئے ہیں۔"

"وہ کتاب کہاں ہے' میں دیکھ سکتا ہوں۔"

"ضرور کیوں نہیں...... سب سے پہلے آپ ہی کو دکھاؤں گی، مگر اس وقت میرے پاس صرف ایک کاپی تھی جو والد صاحب کو دی ہے، میں کل آپ کو دوں گی۔"

❀ ❀ ❀

عفت کی کتاب "سیاست کے کھیل" کی تقریب رونمائی جس شان سے ہوئی وہ دیکھنے کے لائق تھی۔ پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہر کے چیدہ چیدہ اہل قلم کے علاوہ بڑی بڑی سیاسی شخصیات شریک تھیں۔

عفت رحمانی کی شخصیت اور فن پر مقالے پڑھے گئے۔ ان کے اعلیٰ ذوق کو سراہا گیا۔ ان کے قلم کی جادو بیانی کے تذکرے ہوئے اور ان کو ایک منفرد ادیبہ ہی نہیں، ابھرتی ہوئی سیاسی شخصیت بھی گردانا گیا، کیونکہ سیاست ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ ایک صوبائی وزیر کی بیٹی بھی تھیں۔ آئندہ الیکشن میں کھڑے ہونے کا ارادہ بھی رکھتی ہیں۔

اس تقریب کو رافع نے اٹینڈ کیا۔ وہ حیران ہو ہو کر اپنی بیوی کی وہ خوبیاں سن رہے تھے، جو ان کے علم میں نہیں تھیں۔ حالانکہ عفت سے شادی ہوئے دو سال سے زائد ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں کبھی بھی رافع نے عفت کے اندر وہ خوبیاں محسوس نہیں کیں جو آج بیان ہوئیں۔ پروگرام کے اختتام پر لوگوں نے عفت رحمانی سے آٹوگراف لیے اور کھانا تو اتنا شاندار تھا کہ سب واہ واہ کر رہے تھے۔ مہمانوں کی تعداد 500 کے لگ بھگ تھی۔ لاکھوں روپے اٹھ گئے تھے۔

دوسرے دن اخباروں میں عفت رحمانی کی تصویریں اور کتب کی رونمائی کی شاندار تقریب کا احوال چھپا تھا۔

"کیسی رہی تقریب؟" عفت نے رافع سے پوچھا۔

"بہت اچھی...... ظاہر ہے اچھی تو ہونی ہی تھی۔"

"آپ کو خوشی ہوئی؟"

"تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں...... مگر......"

"مگر کیا؟"

"کاش یہ کتاب تم نے لکھی ہوتی۔"

"اوہ نان سینس، میں ان بکھیڑوں میں پڑنے والی کہاں، دراصل یہ سب ابو کا پلان تھا۔

وہ چاہتے ہیں، آئندہ الیکشن میں مجھے میری پارٹی ٹکٹ دے۔"

"لیکن مجھے یہ سب پسند نہیں۔ عفت تم اس چکر میں نہ پڑنا۔"

"کیوں، کیا برائی ہے اس میں؟"

"آج کل سیاست کا جو حال ہے، تم خود بھی اچھی طرح واقف ہو۔ دشمنیاں ہو جاتی ہیں، خون خرابے ہوتے ہیں، کسی کی جان محفوظ ہے، نہ عزت...... پھر کیا فائدہ ان بکھیڑوں میں پڑنے کا؟"

"بھئی یہ سب تو ہوتا ہی ہے، اس طرح کے کاموں میں...... دراصل ان دنوں حکومت خواتین کا بہت فیور کر رہی ہے۔ سیٹیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پڑھی لکھی خواتین کے لیے سیٹ حاصل کرنا بے حد آسان ہے۔ اگر کوئی سیاسی بیک گراؤنڈ ہو تو کامیابی سو فیصد۔"

"میں جانتا ہوں، مگر کئی دفعہ صرف پچھتاوے ہی رہ جاتے ہیں اور وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔"

"آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ الیکشن تو اگلے سال ہونے ہیں۔ فی الحال تو ابو وزیر ہیں، ابھی آپ کی بیگم کو وزارت ملنے میں کافی وقت پڑا ہے۔"

"مجھے تمہاری وزارت یا سفارت سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"میں جانتی ہوں، آپ کو میرے کسی کام میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میں مونا کی طرف سے فکر مند رہتا ہوں۔"

"کیا ہوا ہے مونا کو...... اچھی بھلی تو ہے وہ؟"

"کتنی ضدی اور چڑچڑی ہو گئی ہے، اس عمر میں اسے ماں کی توجہ چاہیے۔ وہ اسے نہیں مل رہی، مگر تمہیں کب خیال ہے اس بات کا۔"

"امیر لوگوں کے بچے اسی طرح پلتے ہیں۔ غریب عورتوں کی طرح نہیں، جو ہر وقت اپنے بچے کو گود میں لیے گھٹنا ہلا ہلا کر سلا رہی ہوتی ہیں۔"

"تم اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی لاکھ کوشش کرو، مگر جو اصل بات ہے، وہ سب کو پتا ہے۔"

"کون سی کمزوریاں ہیں میری؟" وہ تیز آواز میں بولی۔ "صاف بات یہ ہے کہ آپ میری پاپولرٹی سے جل گئے...... آپ کو برا لگا کہ سارا زمانہ میری تعریف کرتا ہے۔ اخباروں

میں میری تصویریں اور خبریں لگتی ہیں۔ لوگ میرا آٹوگراف لینے کے لیے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔"

"عفت بیگم یہ سب اس لیے کہ تمہارے والد صاحب اس وقت ایک اہم کرسی پر بیٹھے ہیں جس دن یہ کرسی نہ رہی' تمہیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں آئے گا۔ یاد رکھنا میری یہ بات۔"

"آپ بددعا دے رہے ہیں' ابو جان کو؟"

"میں نے دنیا زمانے کی ایک بات کہی ہے۔ سارے لوگ چڑھتے سورج کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ویسے کون کسی کو پوچھتا ہے۔"

"ہم خاندانی لوگ ہیں' ہمارا سورج کبھی غروب نہیں ہوگا۔"

رافع خاموش رہے۔ وہ بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ بہرحال عفت ان کی بیوی تھی اور مونا کی ماں...... وہ اپنا گھر اجاڑنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھریلو حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا۔

انہی دنوں رحمانی صاحب کے گھر پر ایک زبردست پارٹی کا اہتمام ہوا۔ بہت سے سیاسی لوگ مدعو تھے اور شہر کے معروف لوگوں کے علاوہ صحافی بھی مدعو کیے گئے تھے۔

آج عفت رحمانی کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے سرخ کامدانی کی ساڑھی پہنی...... بغیر آستین کے بلاؤز کے ساتھ آدھی پیٹھ کھلی ہوئی تھی۔ کانوں میں آویزے' ہاتھوں میں سونے کے کڑے اور چمکتی دمکتی کئی کئی انگوٹھیاں۔

رافع اب ان باتوں کا عادی ہو چکا تھا مگر آج کی تقریب میں شاہ زیب بھی شریک تھا جو کہ عفت کا سابقہ شوہر تھا۔ اس کے بھائی اور والد مختلف وزارتوں پر فائز تھے۔

عفت اور شاہ زیب آپس میں اس طرح گھل مل کر بات چیت کر رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

رافع اور شاہ زیب کا تعارف کروا دیا گیا تھا۔ اگرچہ کسی نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ عفت کے سابقہ شوہر ہیں' مگر رافع جانتے تھے۔

انہیں یہ بات حد سے زیادہ ناگوار گزری...... یہ ان کی سراسر بے عزتی تھی۔ ان کی بیوی اپنے سابقہ شوہر سے گھل مل کر باتیں کرے' اس کے ساتھ قہقہے لگائے۔

رافع کا موڈ آف رہا۔ طوعاً کرہاً انہوں نے پارٹی اٹینڈ کی' مگر گھر آ کر وہ اپنا غصہ نکال

بیٹھے۔

"عفت بیگم' بے حیائی کی انتہا ہوتی ہے' تم شاہ زیب کے ساتھ...... میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آج کے دن مجھے یہ تماشا دیکھنے کو ملے گا۔ میری بے حد بے عزتی ہوئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ آپ کی بے عزتی ہوئی۔ کسی نے آپ سے کچھ کہا کیا؟"

"کسی نے کچھ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اس شخص کی طنزیہ نگاہیں مجھ پر پڑ رہی تھیں۔ میری بیوی اس سے محو کلام تھی...... ایک نامحرم سے!"

"وہ تو دوسرے لوگ کون سے محرم تھے۔"

"وہ اور بات ہے' جو شخص تمہارا شوہر رہ چکا ہے۔ اس سے تمہیں پردہ کرنا چاہیے۔"

"بڑے دقیانوسی خیالات ہیں آپ کے' کیا فرق پڑتا ہے' اس سے وہ شوہر تھا۔ اب تو نہیں ہے۔ اب تو آپ ہیں میرے شوہر۔"

"شرم آ رہی ہے' مجھے تمہارا شوہر کہتے ہوئے خود کو۔" رافع نے غصے سے کہا۔

"اور میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ لوگ آج...... کس لیے بلائے گئے تھے' جبکہ یہ تمہارے مخالف تھے۔"

"ہاں...... کبھی ایسا تھا' مگر اب نہیں ہے۔ سیاست میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو کل دشمن ہو' وہ آج دوست بن جاتا ہے۔ آج دوست ہے' وہ کل دشمن...... یہ سب سیاسی چالیں ہوتی ہیں۔ وقت پر انسان گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں اور آئندہ الیکشن میں مجھے سپورٹ کریں گے۔ ابو نے بات کرلی ہے۔"

"لیکن میں تمہیں اس شخص سے ملنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"آپ سے اجازت مانگی کس نے ہے؟"

"عفت تم بات مت بڑھاؤ' ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"کیا ہوگا ورنہ؟" وہ سینہ تان کر کھڑی ہوگئی۔

"زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ تم مجھے چھوڑ دو گے تو چھوڑ دو! تم مردوں کے پاس ہوتا ہی کیا ہے' عورت کو دینے کے لیے سوائے طلاق کے...... ایک کو پہلے بھی چھوڑ چکے ہو' دوسرا ارمان بھی پورا کرلو۔"

"ہاں تاکہ تم پھر اس خبیث سے نکاح کرلو' جسے چھوڑ کر پچھتا رہی ہو۔"

”آپ خاموش ہو جائیں رافع ...... میں اس قسم کی فضول باتیں سننے کی عادی نہیں ہوں۔“

”اور میں بھی عادی نہیں ہوں کہ تم بے حیائی کے لباس پہنو' تمہارا جسم غیر مردوں کی نظروں کی تفریح کا سامان بنے اور تم اپنے سابقہ شوہر سے دوستی کرو۔“

”اوہ یو شٹ اپ...... پتا نہیں وہ کون سی گھڑی تھی' جب میں نے تم سے شادی کے لیے ہاں کر دی۔“

”مجھے تو مونا کی فکر ہے۔ اس بچی کا کیا ہوگا۔ ورنہ یہ قصہ ہی پاک کر دیتا۔“

”مت کرو مونا کی فکر...... تم کیا جانو' سیاسی لوگوں کے رہن سہن' طور طریقے...... ہم محلوں میں رہتے ہیں۔ بڑی بڑی ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں' پہرے دار' نوکر چاکر...... ایک فون کال پر ہر کام ہو جاتا ہے۔ مونا کو کس چیز کی کمی ہے۔ تم ٹھہرے کتابوں کے کیڑے' ڈگری کیا ہوتی ہے' محض ایک کاغذ کا پرزہ...... نہیں ہے میری نظروں میں تمہاری کوئی وقعت اور نہ تمہاری ڈگری کی۔“

”عفت خاموش ہو جاؤ...... میرا موڈ خراب مت کرو۔“ قبل اس کے کہ بات اور بڑھتی مونا آ گئی۔ اس کے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی اور وہ بری طرح رو رہی تھی۔

عفت اسے اٹھانے اور دیکھنے پر مجبور ہو گئی اور پاؤں پٹختی کمرے سے چلی گئی۔

❀ ❀ ❀

عفت اپنے والد رحمانی صاحب کے ساتھ انگلینڈ کے ٹور پر گئی ہوئی تھی اور بھی کئی سیاسی لوگ ساتھ تھے۔ ظاہر ہے اس قسم کے ٹور حکومتی اخراجات پر کیے جاتے ہیں۔ پہلے تو عفت' مونا کو ساتھ لے جانے پر راضی نہ تھی' مگر رافع کے مجبور کرنے پر اسے ساتھ لے گئی' کیونکہ ان کا قیام بیس روزہ تھا اور اتنے عرصے تک بچی ماں کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ ان دنوں رافع گھر پر تنہا تھے' چنانچہ بوریت سے بچنے کے لیے دفتر سے سیدھے امی کے گھر چلے جاتے۔ یہاں آ کر انہیں عجیب طرح کا سکون ملتا۔ امی' ابو' حسیب اور سیما سب کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت ہوتی۔ گڈو کی توتلی زبان میں کی ہوئی باتیں سب کو لطف دیتیں۔ اب تنہائی میسر آئی تھی تو رافع نے بہت سی باتیں ماں سے کہہ دی تھیں۔ عفت کی عادتیں' اس کے طور طریقے' اس کے گھر کا ماحول انہیں کچھ بھی پسند نہیں تھا' مگر مجبوری تھی کہ نبھا کر رہے تھے۔ انہوں نے شاہ زیب کے بارے میں بھی بتا ڈالا۔

”امی مجھ سے یہ بے غیرتی برداشت نہیں ہوتی۔ عفت اپنے سابقہ شوہر سے ملے جلے' بے تکلفی کا مظاہرہ کرے۔“

”بیٹا اب تم کر بھی کیا سکتے ہو۔ تمہارے درمیان مونا ہے۔ بچی کی خاطر تمہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا ہوگا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ حالات بہتر ہو جائیں۔ عفت سدھر جائے۔“

”امی مجھے سب کچھ مشکل ہی نہیں' ناممکن نظر آ رہا ہے۔“

”بیٹا ہم سے غلطی ہوئی' ہم نے چھان بین کیے بغیر تمہاری شادی کروا دی' ہمیں معاف کر دو۔“

”امی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ آپ لوگوں نے تو میرے لیے بہتری کی تھی۔ میری

ہی قسمت خراب ہے' آزمائشیں لکھی ہیں...... ورنہ میرے سارے دوست اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں۔"

"بیٹا میں تم سے ایک بات کہوں' دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ ہمیں دوسروں کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ کون کن حالات میں زندگی گزار رہا ہے۔ خوش ہے یا ناخوش۔ جس پر بیت رہی ہوتی ہے' وہی جانتا ہے۔ اب تم خود اپنے آپ کو لے لو۔ تمہارے دوست احباب تمہیں خوش نصیب سمجھ رہے ہوں گے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں۔"

"پھر حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ گھر بسانے کے لیے صبر کرنا پڑتا ہے۔"

"صبر ہی تو کر رہا ہوں امی۔" رافع نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا آئیں رافع بھائی ہم لوگ لاؤنج میں چلتے ہیں۔ ڈرامے کا وقت ہو رہا ہے۔ ان دنوں بہت اچھا سا ڈراما آ رہا ہے' پتا نہیں آپ دیکھتے ہیں یا نہیں؟"

"کون سا ڈراما؟"

"اگر ملنا نہیں ہمدم۔"

"ہاں' یہ تو میں نے دیکھا ہے کئی بار۔"

"آپ کو پتا ہے یہ ڈراما کیوں ہٹ ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ اس کا ٹائٹل سونگ ہے' یہ نظم اگر ملنا نہیں ہمدم...... جو اس میں مستقل بجتی ہے' وہ ارسلہ باقی عثمانی کی لکھی ہوئی ہے اور اس ڈرامے میں اس کی اپنی آواز میں ریکارڈ کی گئی ہے۔"

"اچھا...... یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔"

"کیا آپ جانتے ہیں ارسلہ کو؟"

"ہاں...... جب میں فائنل میں پڑھتا تھا تو یہ فرسٹ ایئر میں داخل ہوئی تھی۔ تب بھی شاعرہ تھی اور اچھا گاتی تھی۔"

"مگر اب تو بہت مشہور ہو گئی ہے۔ ہر جگہ اس کے انٹرویو آ رہے ہیں۔ اس ڈرامے نے تو اس کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔"

"اچھا' کوئی انٹرویو ہو تمہارے پاس تو مجھے دینا۔"

"بھائی پرسوں اتوار کو...... ٹی وی پر ایک لائیو پروگرام میں آ رہی ہے' ایک گھنٹے کا

انٹرویو ہے۔ لائیو کالز بھی ہوں گی...... آپ بھی سنئے گا۔"

"ہاں ہاں ضرور تم یاد دلا دینا۔"

"میں سوچ رہی ہوں' میں بھی کال کروں گی۔"

"کیا کہو گی؟"

"اس کے اسی گانے کو سنانے کی فرمائش کروں گی' کیا خبر سنا ہی دے۔"

"چلو اچھا ہے' میرا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔ بور ہوتا رہتا ہوں ہر وقت...... مجھے مونا بہت یاد آتی ہے۔"

"اور بھابی۔"

"اب چھوڑو اس بات کو' میں مونا کی بات کر رہا تھا۔ میں واقعی اسے بے حد مس کرتا ہوں۔"

"وہ آپ سے بہت اٹیچ بھی تو ہے۔"

"ہاں بہت زیادہ۔"

"ابھی یہ باتیں کر رہے تھے کہ ڈراما شروع ہو گیا۔"

ٹائٹل سونگ بجنے لگا جو ارسلہ کی آواز میں تھا۔

"اگر ملنا نہیں ہمدم
تو میرے دل کے آنگن میں
تم اک تصویرِ غم بن کر
کھڑے کیوں مسکراتے ہو
مجھے کیوں آزماتے ہو۔"

"بھائی یہ پورا گیت نہیں ہے...... میں پورا سننا چاہتی ہوں جو کہ ڈرامے میں کہیں کہیں سنائی دے جاتا ہے۔"

"کتنی خوب صورت آواز ہے۔" رافع نے کہا۔

"اس کی آواز نے تو سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔ یہ ڈراما بے حد ہٹ ہو رہا ہے اور اسے بے انتہا کمرشل مل رہے ہیں۔" ایک گھنٹے کے ڈرامے میں بے شمار کمرشل تھے۔ بہر حال رافع کو بڑا مزہ آیا۔

ڈراما ختم ہوا تو کھانا لگنے کی اطلاع مل گئی۔ اب سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

رات کو سونے لیٹے تو ارسلہ کا تصور ان کے ساتھ تھا۔ ''کتنے برس گزر گئے...... اس سے ملے ہوئے' نہ جانے زندگی میں کبھی اس سے ملاقات ہوگی بھی یا نہیں۔ وہ کتنی اچھی تھی۔ آج بھی ویسی ہی ہے۔ کاش میں اس سے پوچھ سکتا کہ علی نے اس سے شادی کیوں نہ کی' نہ جانے اس نے مجھے یاد بھی رکھا ہوگا یا نہیں۔ شاید وہ مجھے بھول چکی ہو۔ کون کسے یاد رکھتا ہے اور اس کے دل میں تو ویسے بھی میرے لیے جگہ نہ تھی۔'' اب انہیں اتوار کا انتظار تھا۔ رات کے دس بجے انٹرویو آنا تھا۔

ابو ڈراما نہیں دیکھتے تھے' نہ ہی حسیب کو شوق تھا۔ ہاں امی ضرور دیکھتی تھیں اور سیما تو ہر ڈراما دیکھتی تھی اور بطور خاص اس ڈرامے کے لیے دن گنا کرتی تھی' جس میں ارسلہ کا ٹائٹل سونگ آتا تھا اور آج اسی ارسلہ کا انٹرویو آنا تھا۔

امی بھی ان لوگوں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئیں۔ سیما موبائل لے کر بیٹھ گئی تاکہ بروقت کال کر سکے۔ رافع مجسم انتظار بنے بیٹھے تھے۔ آخر کار انٹرویو شروع ہوگیا۔

کمپیئر اس کا تعارف کروا رہی تھی۔ وہ آج بھی سفید لباس میں تھی۔ سر پہ دوپٹا اوڑھے ہلکی جیولری جس میں باریک سی چین اور...... ٹاپس تھے۔ ٹی وی والے ہلکا میک اپ زبردستی کر دیتے تھے' سو وہ نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ مختلف سوالات ہو رہے تھے اور وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں جوابات دے رہی تھی۔

''آپ نے شاعری ہی کو کیوں مشغلہ چنا؟''

''مجھے یہی کام آتا ہے۔ شعر میں کہتی نہیں' خود ہی ہو جاتا ہے۔ پوری پوری نظم دس منٹ میں لکھ جاتی ہوں۔ بس موڈ کی بات ہے' ویسے بھی یہ تو اللہ کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے۔''

''پھر بھی کوئی ریزن تو ہوگا' آپ کو کیا بات انسپائر کرتی ہے؟''

کوئی بھی بات' واقعہ سوچ یا جذبہ' کبھی کوئی پرانی یاد' کوئی غم یا خوشی کا لمحہ' جب احساس پر جذبہ حاوی ہو جائے تو شعر ہو جاتا ہے۔''

''کیا آپ کی زندگی میں کوئی غم ہے؟''

''غم زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں' غم کی بھی قسمیں ہوتی ہیں۔ اس دور کا ہر انسان

کسی نہ کسی غم سے آشنا ہوتا ہے۔ بس قلم کار اسے صفحۂ قرطاس پر اتار دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میری زندگی کے غم' خوشیاں' میرے احساسات' میرے جذبے سب کچھ میں اپنی شاعری میں بیان کر ڈالتی ہوں۔ میری شاعری احساسات کی شاعری ہے۔''

''آپ نے کئی ڈراموں کے ٹائٹل سونگ لکھے جو کہ مشہور بھی ہوئے۔ آپ نے بہت شہرت پائی' لیکن ان دنوں جو سیریل چل رہی ہے 'اگر ملنا نہیں ہمدم' اس کا ٹائٹل سونگ آپ نے لکھا ہے اور آپ نے اس ایک گیت سے جس قدر شہرت حاصل کی' شاید اس سے قبل آپ کے پاس نہیں تھی۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گی؟''

''یہ سب اللہ کی مہربانی ہے اور کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''یہ آئیڈیا کس کا تھا کہ یہ گیت آپ خود گائیں؟''

''دراصل پروڈیوسر کے پرزور اصرار پر مجھے راضی ہونا پڑا' ورنہ میں نے اس سے قبل کبھی گیت نہیں گایا۔''

''کیا آپ کو پہلے علم تھا کہ آپ اس گیت سے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جائیں گی؟''

''نہیں' مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے کہا نا' پروڈیوسر کے اصرار پر ہی میں نے گیت ریکارڈ کروایا۔''

''آپ کی آواز بے حد خوب صورت ہے' آپ باقاعدہ اس پروفیشن میں کیوں نہیں آ جاتیں؟''

''نہیں...... ایسا میں نے نہیں سوچا اور نہ ہی کبھی سوچوں گی۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ...... کیا آپ گانا گانے کو اچھا نہیں سمجھتیں؟''

''ایسی بات نہیں...... میں تو کسی پروفیشن کو برا نہیں سمجھتی۔ ہر ایک کی اپنی پسند ہوتی ہے۔ میں اپنی پسند کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہوں۔''

''آپ جاب کرتی ہیں؟''

''جی ہاں' میں ایک سکول سے وابستہ ہوں۔ پرنسپل ہوں اس سکول کی' جس کی کل آمدنی ایک ٹرسٹ کو جاتی ہے۔'' اتنے میں سیما نے کال ملائی جو کہ اتفاق سے مل گئی۔

''میں سیما بات کر رہی ہوں' کراچی سے۔''

''جی فرمائیں کچھ پوچھنا ہے' مس ارسلہ سے؟''

"ایک فرمائش کرنی تھی۔"

"کیجئے پلیز۔"

"مجھے ان کی آواز میں اگر ملنا نہیں ہمدم سنوادیں پلیز۔"

"اس میں تو بہت وقت لگے گا۔" ارسلہ نے جواب دیا۔

"دیکھیں میرا پورا گھر بیٹھا ہے' ٹی وی کے سامنے......اس امید پر کہ آپ یہ پورا گیت سنائیں گی۔"

"دیکھیں وقت ہوا تو آپ کی فرمائش پوری کریں گے۔"

فون بند ہوگیا۔ لیکن کالز کا سلسلہ چل گیا۔ ای میل آنے لگیں۔ سب کی ایک ہی فرمائش تھی۔ ارسلہ کی آواز میں ٹائٹل سونگ سننے کی۔

تب پروڈیوسر نے کمپیئر سے کہا جو کہ کان میں لگے مائیک سے اس نے سنا کہ گانا سنوا دیا جائے۔

"ٹھیک ہے' آپ سب کی فرمائش پر ہم ارسلہ صاحبہ سے درخواست کرتے ہیں اور ہمارے پروڈیوسر صاحب بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ پورا گیت سنادیں۔"

اب ارسلہ مجبور ہوگئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ملک کے کون کونے سے کالز آئیں گی۔ ای میل آئیں گی۔ وہ شروع ہوگئی۔

"اگر ملنا نہیں ہمدم
تو میرے دل کے آنگن میں
تم اک تصویرِ غم بن کر
کھڑے کیوں مسکراتے ہو
مجھے کیوں آزماتے ہو
میرے ہمدم میرے ساتھی
مجھے خوابوں میں جینے دو
لگائے زخم جو تم نے
لہو بہتا ہے جن سے اب
انہیں پنہاں ہی رہنے دو

محبت کا بھرم رکھ لو
میرے ہمدم میرے ساتھی
مجھے خوابوں میں جینے دو
تمہاری یاد کے جگنو
میرے خوابوں میں بستے ہیں
انہی یادوں کے جھرمٹ میں
کوئی ٹھہرا ہوا لمحہ
مجھے جب یاد آتا ہے
تو اس لمحے کی سچائی
مجھے سیراب کرتی ہے
وہ اک ٹھہرا ہوا لمحہ
محبت کی گواہی ہے
مجھے اب کچھ نہیں لینا
مجھے اب کچھ نہیں کہنا
مگر اتنا بتا دو تم
اگر ملنا نہیں ہمدم
تو میرے دل کے آنگن میں
تم اک تصویرِ غم بن کر
کھڑے کیوں مسکراتے ہو
مجھے کیوں آزماتے ہو۔"

اس کی آواز میں درد تھا۔ وہ دل سے گا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا' وہ کسی سے بچھڑ گئی ہے' کوئی اس سے بچھڑ گیا ہے۔ سفید لباس میں وہ آسمان سے اترا ہوا فرشتہ لگ رہی تھی۔

رافع کا جی چاہا کہ وہ ارسلہ کا ہاتھ تھامیں اور دور نکل جائیں' ایسی جگہ جہاں زمین و آسمان گلے مل رہے ہوں۔

اس کے خوب صورت ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اس کا سہارا بن جائیں۔ اس

کے سارے غم سمیٹ لیں۔

اس کا دامن خوشیوں سے بھر دیں، مگر ایسا کب ممکن تھا۔

وہ اور ارسلہ علیحدہ راستوں کے مسافر تھے۔ ارسلہ کو کھو دینے کا احساس شدت اختیار کر گیا۔ ”وہ ناقابل تسخیر کیوں تھی، ایسی کیا بات تھی اس میں......؟ مگر کوئی تو خاص بات ہے نا اس میں، جو آج وہ لاکھوں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بنی ہوئی ہے۔“

”بھائی آپ تو مبہوت ہو گئے۔“ سیما نے ٹوکا۔

”ہاں بھئی، آواز اور الفاظ دونوں ہی پر اثر تھے۔“ وہ گویا ہوئے۔ ”دل چاہتا ہے ارسلہ سے ملوں۔ انٹرویو سے کچھ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ کس سکول سے وابستہ ہے، کہاں پڑھا رہی ہے۔“

”بھائی وہ پرنسل ہے، پڑھاتی نہیں ہے۔“

”ہاں ہاں...... یہ تو پتا چلا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ سکول کی لوکیشن کا علم ہے، نہ نام معلوم۔“

”ہاں، یہ تو ہے۔“

نہ جانے کب انٹرویو ختم ہوا۔ وقت کا تو پتا ہی نہیں چلا۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔

”بیٹا آج رات یہیں رک جاؤ...... اب اتنی رات کو اتنی دور کہاں جاؤ گے۔“

”نہیں امی، میرے کپڑے تو گھر پر ہی ہیں۔ صبح مجھے آفس بھی جانا ہے۔ گلشن اتنی دور نہیں اور پھر رات کے وقت ٹریفک نہیں ہوتا جلدی پہنچ جاؤں گا۔“

”تو پھر اب دیر مت کرو، فوراً چلے جاؤ۔ آج کل کراچی کے حالات ٹھیک نہیں ہیں، خوف ہی آتا ہے۔“

”امی کراچی کے حالات ہمیشہ ایک جیسے ہی رہتے ہیں۔“

”اچھا خیر اب جاؤ۔ تم جانتے ہو میں بڑی جلدی پریشان ہو جاتی ہوں۔“

رافع نے سب کو خدا حافظ کہا اور گھر جانے کے لیے نکل گئے۔ آج انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ پرانا زمانہ نظروں میں پھر رہا تھا۔ یونیورسٹی کا زمانہ یاد آ رہا تھا۔ تب ہی وہ اپنی پرانی البم نکال کر بیٹھ گئے۔ کئی بار کی دیکھی ہوئی تصویریں آج نئی لگ رہی تھیں۔ ارسلہ کی تصویریں ٹرافی لیتے ہوئے، کپ اٹھائے ہوئے، ہنستے ہوئے، گیت گاتے ہوئے، وہ ہر روپ میں سج رہی تھی۔

”کاش میں اسے دیکھ سکتا، مل سکتا۔“ انہوں نے البم بند کر دی، پھر لائٹ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگے۔

❀ ❀ ❀

آج رحمانی صاحب لندن سے واپس آ رہے تھے۔

ان کے استقبال کے لیے پارٹی ورکر ایئر پورٹ پہنچے ہوئے تھے۔ عفت اور مونا بھی ساتھ تھیں۔

رحمانی صاحب آئے تو ان کا استقبال ہوا اور وہ اپنی جھنڈا لگی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ عفت اور مونا دوسری گاڑی میں تھیں۔

ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ رحمانی صاحب کی گاڑی پر نامعلوم افراد نے فائرنگ کر دی...... ان کے گارڈز نے جوابی فائر کیے، مگر ملزم فرار ہو گئے۔

رحمانی صاحب موقع ہی پر جاں بحق ہو گئے۔ ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ افراتفری مچ گئی۔ رحمانی صاحب کا ڈرائیور بھی زخمی تھا اور ایک محافظ کو بھی گولی لگی تھی۔

عفت اور مونا چونکہ دوسری گاڑی میں تھیں اس وجہ سے محفوظ رہیں۔

آن کی آن میں خبر ہر جگہ پھیل گئی۔ ٹی وی چینلز تازہ ترین خبر دینے لگے۔ مسز رحمانی کی حالت غیر ہو گئی۔ زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ عفت کا رو رو کر برا حال تھا۔

رحمانی صاحب کے دو بیٹے اور ایک بیٹی باہر تھے۔ انہیں اطلاع دے دی گئی اور ان کی آمد تک دفن کی رسم کو مؤخر کر دیا گیا۔ رافع بھی پریشان تھے۔

پورے خاندان میں افراتفری تھی۔ یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ مارنے والے کون تھے۔

رحمانی صاحب کے بیٹے امریکہ سے آ گئے۔ بیٹی دبئی میں رہتی تھی، وہ بھی آ گئی۔ تدفین ہوئی...... سیاست دانوں کے بیانات نکلتے رہے اور وہی رٹے پٹے الفاظ دہرائے جانے لگے کہ مجرموں کو فوراً گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے گی اور آئندہ اس قسم کی حرکت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

کئی روز تک بیان بازیوں کا سلسلہ جاری رہا، مگر بے نتیجہ...... لیکن عفت رحمانی کی وہ پوزیشن نہ رہی تھی۔ سرکاری گاڑی جس پر صوبائی وزیر کا جھنڈا تھا، واپس دینی پڑ گئی۔ گارڈ بھی واپس چلے گئے اور وہ تمام مراعات جو انہیں حاصل تھیں، ختم ہو گئیں۔

مسز رحمانی عدت میں تھیں۔ باہر سے آئے ہوئے بیٹے بھی ایک ہفتہ رک کر واپس چلے گئے۔ بیٹی کچھ دن رکی رہی' بالآخر وہ بھی اپنے گھر سدھاری۔

رافع کو اس حادثے کا صدمہ تھا' مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔

جب سے رحمانی صاحب مارے گئے تھے۔ شاہ زیب کے گھرانے کی آمدورفت بڑھ گئی تھی۔ شاہ زیب بھی آ جاتے اور عفت رحمانی سے گھنٹوں ملاقات رہتی۔ خدا جانے ان دونوں کے بیچ کیا پلان بن رہا تھا۔ رافع بے خبر تھے' مگر ان حالات میں وہ کچھ بول کر کوئی نیا طوفان کھڑا کرنا نہیں چاہتے تھے۔

کوئی مرے یا جیئے' سیاست دان اپنی سیاست چمکانے سے باز نہیں آتے۔ رحمانی صاحب کی فیملی سے مراسم بڑھا کر وہ ان کے تمام ووٹ پکے کرنا چاہ رہے تھے۔ ایک دن شاہ زیب نے عفت سے کہا۔

"تم نے بہت جلدی فیصلہ کر لیا اور مجھ سے علیحدہ ہو گئیں' حالانکہ ہم دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے تھے۔ تم خواتین کی سیٹ آسانی سے حاصل کر سکتی ہو اور میں بھی اس بار کھڑا ہو رہا ہوں۔ بڑے بھیا میرے حق میں دستبردار ہو رہے ہیں۔ میری جیت یقینی ہے۔"

"یہ فیصلہ تمہارا ہی تھا' شاہ زیب...... اب مجھ پر الزام مت رکھو۔"

"میں الزام نہیں رکھ رہا عفت...... بس ایک بات دہرا رہا ہوں۔"

"بات دہرانے کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔"

"یہ ٹھیک بات کہی تم نے...... اگر تم چاہو تو اس مقصد کو سمجھ سکتی ہو۔"

"تم سمجھا دو۔"

"میں اور تم اب بھی ایک ہو سکتے ہیں۔ تم رافع سے طلاق لے لو۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے' شاہ زیب اور پھر اس طرح ہم لوگوں کی پوزیشن بھی ویک ہو گی۔ سکینڈل چھپیں گے' کہانیاں بنائی جائیں گی۔ بڑی بدنامی ہو گی...... ہمارے ووٹ بھی پٹ جائیں گے۔"

"اس کی بھی ایک ترکیب ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس بات کو ابھی صرف ذہن میں رکھو۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ ایک بار ہم لوگ کرسی

حاصل کر لیں اس کے بعد ایک ہو سکتے ہیں۔"

"ہاں...... تب سوچا جا سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' تمہیں اس سکیم پر کوئی اعتراض نہیں۔"

"میں نے صرف امکان کی بات کی ہے۔"

"اس کا مطلب تم شیور نہیں ہو۔ کیا تم رافع کو پسند کرتی ہو؟"

"قطعی نہیں' میرے اور اس کے مزاج میں بہت فرق ہے۔ اگرچہ وہ امیر باپ کا بیٹا ہے' مگر اس کی سوچ مڈل کلاس ہے۔ وہ کتابوں کا بندہ ہے اور ہم کرسی والے لوگ ہیں۔"

"لیکن لیکن تمہاری بچی مونا...... اس کا کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں ہو گا۔ اسے پالنے کے لیے اس کی دادی موجود ہیں۔"

"اور نانی؟"

"نہیں' میری ماں اس بکھیڑے میں نہیں پڑیں گی۔ میں ان کی عادت سے واقف ہوں۔"

"تو کیا تم اپنی بیٹی کو آسانی سے چھوڑ دو گی۔"

"میں ان سے ملتی رہوں گی۔ ایک ماں سے اس کی بیٹی کو کون چھڑا سکتا ہے۔"

"بہر حال ان باتوں کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔ وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہاں' ابھی الیکشن میں چھ ماہ باقی ہیں۔"

"بالکل...... سارا کام پلاننگ سے کرنا ہو گا۔"

"اب مونا چار سال کی ہو گئی ہے' بلکہ ہونے والی ہے۔ اس کا داخلہ کسی ڈھنگ کے سکول میں کروانا ہے۔"

"وہ جاتی رہی ہے کسی مونٹیسری میں۔"

"ہاں مگر میں چاہتی ہوں' کسی ایسے سکول میں چلی جائے جو اچھا بھی ہو اور میٹرک تک ہو۔ بار بار سکول تبدیل کرنا مشکل ہوتا ہے۔"

"تو کیا یہ سکول؟"

"ہاں یہاں صرف کے جی تک ہے۔ اب اسے کسی اور جگہ بھیجنا ہو گا۔"

"یہ کام رافع زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں' ان سے کہو۔"

"ہاں ان ہی سے کہوں گی...... مونا ایک جگہ سیٹ ہو جائے تو مجھے بھی اطمینان ہو جائے گا۔"

❀ ❀ ❀

مسز رحمانی کو اپنی بیٹی کا شاہ زیب سے ملنا اور اس کے ساتھ گھومنا پھرنا بالکل پسند نہ تھا۔ وہ ان لوگوں کو ناپسند کرتی تھیں۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

ایک دن انہوں نے بیٹی کو بلایا اور کہا۔

"جی امی' کہیے کیا بات ہے؟" عفت نے کہا۔

"میں تم سے شاہ زیب اور ان کے گھرانے کے بارے میں کچھ کہنا چاہ رہی ہوں۔"

"جی کہیے' میں سن رہی ہوں۔"

"تم شاہ زیب سے نہ ملا کرو۔"

"مگر کیوں امی...... میں ان سے کیوں نہ ملوں' یہ لوگ تو ابو کے دوست تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں ان لوگوں سے دوبارہ تعلقات استوار کر لیے تھے؟" مسز رحمانی ایک لمحے کو خاموش ہو گئیں پھر بولیں

"تم جانتی ہو تمہارے ابو کو کس نے قتل کروایا؟"

"یہ بات تو کسی کو معلوم نہیں۔"

"لیکن میں جانتی ہوں' تمہارے ابو کو قتل کرنے والے یہی لوگ ہیں' شاہ زیب کے آدمیوں نے انہیں مارا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے...... یہ آپ کیوں کہہ رہی ہیں۔"

"یہ سچ ہے۔ اخباروں میں ہر طرح کی خبریں لگ رہی ہیں۔ اب میڈیا آزاد ہے۔ ہر شخص کھل کر بات کر سکتا ہے۔ کوئی کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"امی یہ سچ ہے کہ میڈیا آزاد ہے' مگر یہاں جھوٹ اور سچ کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ بہت سے سچ' جھوٹ کے لفافے میں بند ہوتے ہیں اور جھوٹ کو سچ ثابت کر کے اچھالا جاتا ہے۔"

"تم ایک شادی شدہ عورت ہو۔ تمہاری ایک بیٹی بھی ہے۔ تم نے کبھی اپنی زندگی کے

بارے میں سوچا ہے' یہ کس ڈھب سے گزر رہی ہے۔"

"میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں...... سب جانتی ہوں۔"

"تم کچھ نہیں جانتیں...... تمہاری یہ سب باتیں اخباروں کی زینت بنتی ہیں۔ کیا رافع نہیں پڑھتے یا انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے...... کہیں ایسا نہ ہو' وہ تمہیں چھوڑ دیں۔"

"اس سے قبل کہ وہ مجھے چھوڑیں' میں خود ہی انہیں چھوڑ دوں گی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو عفت...... ہوش میں تو ہو۔ رافع جیسا پڑھا لکھا' سلجھا ہوا انسان اور تم اسے چھوڑ دو گی۔"

"رہنے دیں امی...... وہ ایک دقیانوسی انسان ہے۔ میرا اور اس کا مزاج بالکل نہیں ملتا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے شاہ زیب کو چھوڑ کر غلطی کی۔"

"اس کا مطلب ہے' تم رافع کو چھوڑ کر شاہ زیب سے دوبارہ شادی کا پلان بنا رہی ہو۔"

"اس میں بھی کوئی حرج نہیں' لیکن آپ اطمینان رکھیں' ابھی فوری طور پر میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ الیکشن ہو جانے دیں۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"اور مونا کا کیا ہوگا؟"

"وہ اپنی دادی کے پاس رہے گی۔"

"تمہیں اپنی بیٹی سے محبت نہیں؟"

"بیٹی سے محبت ہے' مگر میں اسے اپنے گلے کا ہار نہیں بنا سکتی اور ویسے بھی مجھے اس کی طرف سے بے فکری ہے۔ وہ ددھیال میں اچھی طرح پرورش پائے گی اور ویسے بھی وہ مجھ سے کہیں زیادہ رافع سے اٹیچ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' اخباروں میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے' وہ سچ ہے۔ تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔"

"اخبار والوں کی مرضی ہے جو چاہیں خبریں بنا دیں۔ ویسے ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔"

"رافع نے کبھی تم سے بات کی ہے' اس سلسلے میں؟"

"ہمارے درمیان بہت کم بات ہوتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، تمہارے تعلقات اپنے شوہر سے اچھے نہیں ہیں۔"

"اس میں میرا قصور نہیں، وہ بھی برابر کا ذمے دار ہے۔ ہر بات میں اعتراض...... میرا لباس، میری زندگی، رہن سہن اسے تو کوئی بات بھی پسند نہیں...... پتا نہیں کس قماش کا انسان ہے۔"

"وہ ایک شریف آدمی ہے۔ ہم نے تو بہت سوچ سمجھ کر تمہیں ایک اچھے گھرانے میں بیاہا تھا۔ افسوس، تم اس گھرانے کی بے قدری کر رہی ہو۔"

"امی میرا دماغ ان دنوں الجھا ہوا ہے۔ آپ مجھ سے کچھ نہ کہیں، میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ ابھی مجھے بہت کام نمٹانے ہیں...... روزانہ کی میٹنگیں...... ملاقاتیں...... ٹیلی فون کالز......وزٹ نہ جانے کیا کیا کچھ کرنا ہے۔ میں گھر کے بارے میں کچھ نہیں سوچتی۔"

"سیاست نے تمہارے باپ کی جان لے لی، میں بیوہ ہوگئی، کبھی سوچا تم نے۔"

"امی آپ جذباتی ہو رہی ہیں، اب چھوڑیں ان باتوں کو۔"

"میں حق بات کہہ رہی ہوں اور تمہاری بھلائی چاہتی ہوں۔ شاہ زیب سے تعلق ختم کر لو...... یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔"

"فی الحال ایسا ممکن نہیں...... امی وہ مجھے سپورٹ کر رہا ہے۔"

"جب وقت گزر جائے گا تو صرف پچھتاوے ہی پاس ہوں گے، یاد رکھنا میری بات۔"

"امی، میں جا رہی ہوں، مجھے ایک جگہ ضروری کام سے جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے جاؤ، مگر میری باتوں پر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کرنا اور دیکھو زندگی کا کوئی بھی فیصلہ کرو، سوچ سمجھ کر۔"

"امی میں سب سمجھتی ہوں، آپ میری طرف سے بے فکر رہیں۔" یہ کہہ کر عفت رحمانی وہاں سے چلی آئی۔

ابھی وہ اپنے گھر میں داخل ہی ہوئی تھی کہ شاہ زیب کا فون آ گیا۔ اس نے عفت کو بلایا تھا۔

"میں ابھی آ رہی ہوں، میرا انتظار کرو۔"

اس نے اپنا میک اپ درست کیا، پرس اٹھایا اور شاہ زیب سے ملنے روانہ ہو گئیں۔

❀ ❀ ❀

ارسلہ اپنے سجے سجائے بیڈ روم میں تنہا لیٹی تھی، گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی۔ آج اسے رافع بہت یاد آ رہے تھے۔

"کتنا چاہا، کوشش کی کہ اس شخص کی یاد کو دل سے کھرچ پھینکوں، مگر ناکام رہی۔ وہ کیوں یاد آتے ہیں۔ کیا رشتہ تھا میرا ان سے، وہ جو کبھی میرے تھے ہی نہیں...... نہ انہوں نے مجھ سے کبھی کوئی وعدہ کیا، نہ بے وفائی کی...... میں ان کو کیوں قصور وار سمجھوں، مگر میرے اور ان کے درمیان ایک ایسا تعلق تھا جس کا کوئی نام نہیں۔ ایک کہانی جس کا کوئی عنوان نہیں جو شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی...... وہ جو نگی کی باتوں میں آ کر مجھے برا بھلا کہہ بیٹھے تھے۔ نگی کے بھی نہ بن سکے۔ کاش مجھے وہ ایک بار مل جائیں تو میں ان سے پوچھوں کہ انہوں نے نگی سے شادی کیوں نہ کی اور پھر شادی کی بھی تو ایک سیاسی گھرانے میں، ایک وزیر کی فیشن ایبل بیٹی سے، اخباروں میں کتنی طرح کی خبریں لگ رہی ہیں۔ رافع ایسے تو نہ تھے۔ یہ ان کی پسند کو کیا ہوا۔ وہ تو کتابوں سے محبت کرنے والے اور ادب سے رشتہ جوڑنے والے بندے تھے۔ انہوں نے زندگی کا ساتھی چنتے وقت کس طرح کا فیصلہ کیا۔ مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم...... ہاں اتنا جانتی ہوں کہ انہوں نے پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی اور اب ان کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا اضافہ ہو چکا ہے اور یہ تو ہونا ہی تھا۔ وہ تو تھے ہی ٹاپ کرنے والے جینئس، سنا ہے ان کی ایک بیٹی بھی ہے اور اس کی ماں کو نہ بیٹی کی پروا ہے اور نہ شوہر کی...... خدا جانے یہ اخبار والے کتنا سچ لکھتے ہیں اور کتنا جھوٹ...... ہم جو کچھ اخبار میں پڑھتے ہیں، میڈیا ہمیں بتاتا ہے، ہم اس کو سچ سمجھتے ہیں۔ حقیقت کیا ہوتی ہے، یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔"

آج ارسلہ کو اپنی زندگی کے وہ ماہ و سال یاد آ رہے تھے۔ وہ دن جو گزر گئے، کبھی لوٹ کر نہ آنے کے لیے۔

عبدالباقی صاحب نے اسے گھڑی دی تھی، خوب صورت قیمتی گھڑی...... اور وقت کا احساس دلایا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک آج بھی جاری تھی اور وقت گزر رہا تھا۔

"کتنے سال بیت گئے۔ قدرت کے فیصلے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔" آج اسے سب یاد آ رہے تھے۔ وہ جو اس دنیا

سے چلے گئے اور وہ بھی' جو موجود تو تھے' مگر اس سے دور تھے۔

"ابو کے چلے جانے کے بعد باقر ماموں کی آمد سے بہت سہارا مل گیا تھا اور پھر عابد اور باجی کی شادی بھی طے ہوگئی تھی۔ باجی کی شادی کا پورا انتظام باقر ماموں نے سنبھال لیا تھا۔ ناظمہ ممانی بیمار رہتی تھیں' مگر ہماری خوشیوں میں شریک تھیں۔ خالہ جان نے منع کیا تھا اور عابد بھائی نے بھی کہ جہیز کے نام پر انہیں کچھ نہ دیا جائے...... مگر امی نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔ باقر ماموں نے باجی کو اپنی بیٹی سمجھ کر بیاہا اور وہ ہر چیز دی جو کسی بھی لڑکی کو دی جاتی ہے۔"

خالدہ بیگم کے پاس اب بھی اچھا خاصا زیور تھا جو انہوں نے دونوں بیٹیوں کو آدھا آدھا بانٹ دیا تھا' مگر ارسلہ نے زبردستی اپنے حصے کا سونا بھی سلمیٰ کو دے دیا تھا۔ سلمیٰ کو خوش دیکھ کر وہ کتنا خوش تھی۔ ان کی دلی مراد بر آئی تھی۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے' اگر اس سے شادی ہو جائے تو کیسا لگتا ہوگا۔ ان احساسات سے وہ ناواقف تھی' مگر سلمیٰ کے چہرے پر کھلے ہوئے گلاب اسے بہت کچھ سمجھا رہے تھے۔

عابد بھائی اسے بڑے بھائی کی طرح چاہتے تھے...... انہوں نے عرشیہ سے کم اسے کبھی نہیں سمجھا۔ اپنی شادی کے موقع پر عرشیہ کا جوڑا بنایا تو ارسلہ کے لیے بھی ویسا ہی جوڑا خرید کر لائے کہ میری ایک نہیں دو بہنیں ہیں۔

"عابد بھائی کراچی میں تھے تو باجی سے ملنا جلنا رہتا تھا۔ امی بھی خوش رہتی تھیں پھر عابد بھائی کو انگلینڈ کی اس یونیورسٹی میں جگہ مل گئی' جہاں سے انہوں نے ایم ایس کیا تھا۔ اس طرح جلد ہی عابد بھائی اور باجی انگلینڈ چلے گئے۔"

سلمیٰ کے چلے جانے سے خالدہ بیگم خود کو بے حد اکیلا محسوس کرتیں' بس ارسلہ تھی گھر میں' اب ارسلہ اور خالدہ بیگم ہر دم کی ساتھی تھیں۔

ارسلہ کی تعلیم ختم ہوگئی تو اس وقت تک باقر صاحب اپنا سکول قائم کر چکے تھے۔ انہوں نے گلشن کے علاقے میں ایک سکول بنایا۔ لڑکیوں کا سکول جس میں اعلیٰ معیار کی پڑھائی اور بہترین ٹیچرز تھیں۔ ان کے پاس بے شمار دولت تھی۔ اس سکول کی تمام آمدنی کے لیے ایک ٹرسٹ قائم کر دیا۔ اس میں آمدنی جاتی اور غریبوں کی امداد کی جاتی۔

انہی دنوں ناظمہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ غم باقر صاحب کے لیے بہت بڑا تھا' مگر وہ ذہنی

طور پر اس صدمے کے لیے خود کو تیار کیے ہوئے تھے' کیونکہ ناظمہ کو کینسر تھا اور کافی دنوں سے ان کی طبیعت ناساز ہی چل رہی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد اس سکول کا نام ناظمہ میموریل سکول رکھ دیا گیا...... اور اب تو اس سکول کو چلتے ہوئے بھی کئی برس گزر گئے تھے۔ اس کے نتائج شاندار تھے۔ ان کا سٹاف بہت اعلیٰ تھا اور اس سکول کی شہرت دور دور تک تھی۔

ارسلہ اس سکول کی پرنسپل تھی۔ اس کی سہیلی الماس جس نے اس کے ساتھ ایم اے کیا تھا۔ وہ بھی اسی سکول میں تھی اور وائس پرنسپل کے فرائض انجام دے رہی تھی۔

الماس کے آٹھ بھائی بہن تھے۔ ان کے مالی حالات اچھے نہیں تھے' مگر سب بھائی بہنوں نے محنت کی' اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور کسی نہ کسی پوزیشن پر پہنچ گئے۔ سب ہی کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ لیکن الماس بھی اس کی طرح غیر شادی شدہ تھی۔ اس کی سیاہ رنگت اور چھوٹا قد اس کی شادی کی راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا۔ اس کے لیے رشتے آئے' مگر میٹرک یا ایف اے پاس لڑکوں کے جو اس کی کمائی کی لالچ میں شادی کر رہے تھے۔ الماس ذہنی طور پر ان رشتوں کو قبول نہ کر سکی۔

سکول کے اوپر رہائشی کمرے بنے تھے۔ انہی میں سے ایک کمرا الماس کے پاس بھی تھا۔ ارسلہ بھی یہیں رہتی تھی۔

ناظمہ ممانی کے انتقال کے بعد ان کے محلے میں قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

جمعہ کے دن مسجد کے اندر خودکش حملہ ہوا تھا اور بے شمار نمازی شہید ہوگئے تھے۔

شہید ہونے والوں میں ننھی خالہ کے شوہر غوری صاحب اور ان کا حافظ قرآن بیٹا جسے سب گڈو کہتے تھے' وہ بھی شہید ہوگئے تھے۔

ننھی خالہ نیم پاگل ہوگئی تھیں۔ ان کو سنبھالنے والی خالدہ بیگم تھیں۔ وہ بھی ہر دکھ درد میں ہمیشہ کام آتی تھیں۔

امی نے انہیں زبردستی اپنے کمرے میں رکھ لیا تھا۔ انہیں چپ لگ گئی تھی۔ ارسلہ نے بھی ان کی بہت خدمت کی۔

وہ جو پورے محلے میں باتونی مشہور تھیں اور ان کے بہت بولنے سے سب گھبراتے تھے۔ اب چپ کا اشتہار بنی بیٹھی تھیں۔

"ننھی خالہ کوئی بات کریں۔" خالدہ بیگم کہتیں۔ "کچھ بولیں' دل کی بھڑاس نکل جائے

گی۔"

مگر ننھی خالہ کی چپ نہ ٹوٹی۔

ان کا کھانا بھی بہت کم ہو گیا تھا...... مگر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ننھی خالہ بہتر ہوتی گئیں۔ اس کے لیے کئی رشتے آئے' مگر وہ اقرار نہ کر سکی۔ اس کا دل رضامند نہ ہوتا تھا۔

خالدہ بیگم اسے سمجھاتیں' زمانے کی اونچ' نیچ بتاتیں' مگر اس کا ایک ہی جواب تھا۔

"امی میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں اسی طرح خوش ہوں' آپ شادی کے لیے مجھے مجبور نہ کریں۔"

خالدہ بیگم کے ذہن پر اتنے بوجھ تھے کہ وہ سہار نہ سکیں۔

نہ ننھی خالہ کا غم ان سے دیکھا جاتا اور نہ ارسلہ کی تنہائی...... سلمٰی بھی لندن میں بیٹھی تھی۔ شادی کے بعد صرف ایک بار آئی تھی اور اب اس کا بھی امکان نہ تھا' کیونکہ عرشیہ کی شادی کے بعد عابد کے ماں باپ بھی بیٹے کے پاس چلے گئے تھے۔

خالدہ بیگم کے دل پر بوجھ بڑھتا گیا۔ ایک دن انہیں کچھ سینے میں تکلیف ہوگئی۔ ارسلہ نے کہا کہ ڈاکٹر کو بلا لوں' مگر خالدہ بیگم نے منع کر دیا۔

"گلوکوز گھول کر دے دو۔" ارسلہ نے گلوکوز دیا۔

"بس اب ٹھیک ہے' تم جاؤ کمرے میں۔"

ارسلہ کمرے سے چلی گئی۔

ننھی خالہ' خالدہ بیگم کے پاس ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے اطمینان تھا' مگر دوسری صبح ایک بھیانک خبر لے کر طلوع ہوئی۔

خالدہ بیگم چپ چاپ ختم ہوگئیں۔ خالدہ بیگم کی موت ارسلہ کے لیے اتنا بڑا صدمہ تھی کہ وہ اسے آسانی سے برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

ایسے وقت میں ننھی خالہ کی زبان کھل گئی۔ ارسلہ کے لیے تسلی' دلاسہ' دلجوئی۔ انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سلمٰی اور عابد انگلینڈ سے آ گئے تھے' مگر سب کو ایک...... دن چلے جانا تھا۔ کچھ دن رہ کر یہ لوگ بھی واپس چلے گئے۔ عابد بھائی نے ارسلہ سے کہا۔

"تم بھی اب ہمارے ساتھ چلو' یہاں تمہارا کون ہے؟"

"یہاں ننھی خالہ ہیں۔ انہیں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتی اور پھر باقر ماموں بھی ہیں۔ انہیں

میری ضرورت ہے۔ ان کے سکول کو بھی میری ضرورت ہے۔" ارسلہ کے دلائل مضبوط تھے۔ اس لیے عابد بھائی خاموش ہو گئے' مگر ایک دن سلمٰی نے چپ چاپ ارسلہ سے پوچھا۔

"تم شادی سے انکار کیوں کرتی ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں' تمہارے دل میں آج بھی رافع کی یاد ہو اور تم!"

"نہیں باجی ایسی کوئی بات نہیں اور ہو بھی نہیں سکتی' کیونکہ رافع نے مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا' نہ ہمارے درمیان کوئی بات ہوئی تھی تو پھر میں کیوں ایسی بات سوچوں' جب کہ آپ بھی جانتی ہیں' رافع کی شادی ہو چکی ہے اور وہ ایک بچی کا باپ ہے۔"

"میں نے سوچا شاید تمہارے دل میں کسی آئیڈیل کا بسیرا ہو۔ رافع جیسا شخص اور وہ تمہیں نہ مل پایا ہو۔"

"مجھے رافع پسند تھا اور ہے' آپ خود بھی جانتی ہیں' اس میں کوئی حرج بھی نہیں...... میں نہیں سمجھتی کسی کو پسند کرنا کوئی غلط بات ہے' مگر میرا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔"

"تو پھر تم شادی کیوں نہیں کرتی ہو' یہی تو پوچھ رہی ہوں؟"

"بس باجی دل نہیں چاہتا۔ اب وقت بھی بہت گزر گیا ہے' میں اس عمر میں کسی کے ساتھ شاید ایڈجسٹمنٹ نہ کر سکوں۔"

"وقت تم ہی نے گزارا ہے ارسلہ' ورنہ تمہاری جیسی لڑکی کے لیے رشتوں کی کیا کمی۔"

"آپ کا خیال درست نہیں...... شاید مجھ جیسی لڑکی کے لیے ہی رشتے کی کمی ہوتی ہے' کیونکہ میں ذہنی طور پر کسی معمولی انسان کے ساتھ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی اور آپ جانتی ہیں' آج کے دور میں لوگ مادی تصور رکھتے ہیں۔ میری سوچ دوسری ہے' اپنے آپ کو مار کر زندہ رہنے کا تصور میرے پاس نہیں۔ باجی آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے جو پسند کیا وہ آپ کو مل بھی گیا۔ آپ کے دو بچے بھی ہیں۔ میں ہمیشہ آپ کی خوشی کی دعا کرتی ہوں۔"

"میری بہن جب تک تم اپنا گھر نہ بسا لو' میری زندگی کی خوشی ادھوری ہے۔ یہ بات تم کیوں نہیں سمجھتی ہو۔"

"میں سمجھتی ہوں' آپ کی محبت کو جانتی ہوں' مگر مجبور ہوں کیا کروں۔ یہ میرے اختیار میں نہیں۔ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں باجی' اگر میرے نصیب میں ایسا لکھا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔"

”کبھی کبھی نصیب انسان خود بھی بناتا ہے۔ کوشش کر کے اور دوسروں کی بات مان کر۔“

”میں نے کون سی بات کے لیے انکار کیا...... باجی آپ خود بتائیں' ایسا کون سا رشتہ میرے لیے آیا' جسے میں نے منع کیا ہو اور آپ کو افسوس ہو۔“

”گزارہ کرنا پڑتا ہے ارسلہ' آئیڈیل کہاں ملتے ہیں۔ لڑکی کے لیے مرد کا سہارا چاہیے ہوتا ہے۔ شادی کا سب سے بڑا فائدہ بچے ہوتے ہیں۔ بچے ہی جینے کا بہانہ بن جاتے ہیں پھر اپنے لیے کوئی نہیں سوچتا۔“

”بہرحال اب تو وقت ہی گزر چکا۔ میری عمر کا حساب لگائیں' پتا چلے گا۔ پینتیس سال کراس کر چکی ہوں۔“

”یہ عمر بھی زیادہ نہیں ہے۔ ابھی وقت ہے' ابھی تم زندگی کی ہر خوشی حاصل کر سکتی ہو۔ ہاں اگر چار پانچ سال اور گزر گئے تو پھر شاید دیر ہو جائے۔“

”باجی آپ میری فکر بالکل نہ کریں۔ میں مطمئن ہوں اور سکول کے اتنے سارے بچے...... یہ سب میرے ہی بچے ہیں' انہیں پڑھا کر سکھا کر مجھے دلی سکون ملتا ہے۔“

”ابھی بڑھاپا نہیں آیا ہے تم پر پاگل لڑکی۔ اس طرح کی باتیں کر رہی ہو...... تمہارے ساتھ الماس رہتی ہے' اسی نے تمہیں پٹی پڑھائی ہو گی۔“

”نہیں باجی' الماس کی بات ہی دوسری ہے۔ وہ تو چاہتی ہے' شادی کرنا' مگر ہو نہیں پاتی۔“

”بہرحال تمہارے لیے تو وہ سہارا بنی ہوئی ہے۔“

”ہاں' الماس میری مخلص دوست ہے۔ اگر چاہے تو وہ اپنے کسی بھی بھائی کے گھر رہ سکتی ہے' مگر صرف میری خاطر یہیں رہتی ہے۔ سکول کے رہائشی حصے میں...... ویسے ننھی خالہ کا وجود غنیمت ہے۔“

”واقعی' انہوں نے امی کی جگہ لے رکھی ہے۔“

”ہاں باجی' ان کے ہوتے ہوئے مجھے کسی بات کی فکر نہیں ہوتی۔ کھانا پکانے کے لیے عورت آتی ہے' مگر دیکھ بھال سب ننھی خالہ کرتی ہیں۔“

”بے چاری کیسا نصیب لے کر آئیں' شوہر گئے اور جوان بیٹا بھی گیا۔“

”ان کا بیٹا حافظ قرآن تھا' باجی پورے محلے کی خدمت کرتا تھا۔ وہ تو جنتی ہے جنتی۔“

اگر ملنا نہیں ہمدم 301

”اس میں کیا شک ہے۔“

”مجھے تو باقر ماموں کی تنہا زندگی کی فکر ہوتی ہے۔“ باجی نے کہا۔

”باجی ماموں بہت صبر شکر کرنے والے انسان ہیں۔ دیکھا نہیں ان کے چہرے پر کتنا نور ہے۔“

”نہ جانے کتنے عمرے کر چکے ہیں' کہتے ہیں مجھے تو تعداد بھی یاد نہیں اور بھی اتنا سب کچھ غریبوں کے لیے الگ کر دیا ہے۔“

”ہاں بھئی باقر ماموں جیسے لوگوں کے دم سے دنیا چل رہی ہے۔“

وہ سوچتے سوچتے نہ جانے کتنی دور نکل گئی تھی۔ سلمیٰ باجی ابھی کچھ دنوں پہلے ہی پاکستان کا چکر لگا کر واپس گئی تھیں۔ امی کے انتقال کے بعد ہی اپارٹمنٹ فروخت کر دیا گیا تھا۔ یہ باقر ماموں کی رائے تھی اور پیسہ اسلامک بینک میں رکھ دیا گیا۔ دونوں بیٹیوں کے نام سے۔

ارسلہ باقر ماموں کے حکم کے مطابق سکول کے اوپر بنے ہوئے رہائشی حصے میں شفٹ ہو گئی تھی اور ننھی خالہ اس کے ساتھ تھیں' بعد میں الماس بھی اس کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی اور اب زندگی ایک لگی بندھی روٹین کے مطابق گزر رہی تھی۔

اس نے گھڑی کی طرف نظر کی' رات کا ایک بج رہا تھا۔ اب پھر رافع کی تصویر اس کے ذہن کی سکرین پر ابھر رہی تھی۔ اس کی ایک وجہ تھی کہ ان دنوں اخبار عفت رحمانی کی خبروں سے بھرا ہوتا تھا۔

”آخر اس لڑکی کو کس بات کا زعم ہے' وہ ایک وزیر کی بیٹی تھی' مگر اب وزارت ختم ہو گئی ہے۔ انہیں مار دیا گیا ہے' مگر سنا ہے اب عفت رحمانی اپنے باپ کی سیٹ حاصل کرنا چاہ رہی ہے۔“

اچانک سعدیہ کا خیال آیا۔

”بہت دن ہو گئے سعدیہ سے ملے ہوئے۔ میں اسے کل فون کروں گی۔“ اس نے دل ہی دل میں کہا پھر لائٹ آف کر کے سونے لیٹ گئی۔

دوسرے دن سعدیہ کا خود ہی فون آ گیا۔ وہ آنا چاہ رہی تھی۔

”میں خود تمہیں فون کرنے والی تھی اور یہی کہہ رہی تھی کہ تم دن گزارنے آ جاؤ پلیز...... میں بہت بور ہو رہی ہوں۔“

سعدیہ اور قاسم کی شادی تب ہی ہوگئی تھی' جب سعدیہ نے بی اے کی ڈگری نکلوائی تھی۔
اس کے دو بچے تھے' ایک بیٹا اور ایک بیٹی...... دونوں بڑے ہوگئے تھے۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور والدہ ساتھ رہتی تھیں۔ زندگی پرسکون گزر رہی تھی۔ ارسلہ سے دوستی اب بھی قائم تھی۔ وہ دونوں جب مل کر بیٹھتیں' پرانی باتیں دہرائی جاتیں۔ ان سب لوگوں کا تذکرہ ہوتا جو بچھڑ چکے تھے۔ زندگی کی بھیڑ میں کہیں گم ہوگئے تھے۔

سعدیہ نے بچوں کو گھر پر چھوڑا اور خود ارسلہ کے پاس آ گئی۔

"ارسلہ کچھ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچو۔ ایسے کب تک کام چلے گا۔ ابھی وقت ہے کچھ دیر نہیں ہوئی...... اگر تم راضی ہو تو میں قاسم سے بات کروں۔ وہ کوئی راستہ نکالیں گے۔"

"نہیں سعدیہ اب دل ہی نہیں مانتا...... یقین کرو شادی کے بارے میں اب میں نہیں سوچتی۔"

"تو تم پہلے کون سا سوچتی تھیں۔ وہ شہاب احمد کتنا اچھا لڑکا تھا' ٹاپ کرنے والا...... تمہیں پسند کرتا تھا' مگر تم ہی راضی نہ ہوئیں۔"

"ہاں یہ تو ہے' بس دل نہیں مانا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے' دل نے کہیں نہ کہیں نادانی کی تھی۔ تم مجھ سے لاکھ چھپاؤ لیکن کیا میں سمجھتی نہیں ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے سعدیہ اور پھر اب تو بہت وقت گزر چکا۔"

"سچ کہو تمہیں سر رافع یاد نہیں آتے۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا۔ فرض کرو یاد آتے ہیں یا پھر نہیں آتے۔"

"ہم لوگ سمجھتے تھے' بلکہ نگی خود ہی کہتی تھی کہ اس کی شادی سر رافع سے ہوگی' مگر ایسا تو نہیں ہوا...... سر نے بیوروکریٹ گھرانے میں شادی کی اور نگی صاحبہ کی شادی ان کے باس سے ہوگئی۔"

"سارے لوگ حالات کے تابع ہوتے ہیں۔ جب شادی کا وقت آتا ہے تو فیصلہ دل کے بجائے دماغ سے کرتے ہیں۔"

"تو تم اپنا دماغ کیوں نہیں استعمال کرتیں؟"

"کہاں استعمال کروں اپنا دماغ' تم ہی مشورہ دو؟"

"میں قاسم سے بات کروں گی۔"

"کوئی فائدہ نہیں...... میں اب جس عمر میں ہوں' اس میں کوئی ڈھنگ کا آدمی مجھے نہیں ملے گا اور کسی ایسے ویسے سے میں شادی نہیں کروں گی۔"

"ارے پتا ہے' ایک بات بتانا یاد ہی نہیں رہی' مجھے شہاب احمد ملا تھا' طارق روڈ پر...... تمہارا پوچھ رہا تھا۔"

"اچھا کیا کہہ رہا تھا؟"

"یہی کہ وہ ٹی وی پر تمہارے گیت سنتا ہے' تمہارا انٹرویو بھی سنا تھا اور خصوصاً وہ گیت جو ان دنوں ہر ایک کی زبان پر ہے۔ اگر ملنا نہیں ہمدم اس کی بہت تعریف کر رہا تھا۔"

"اور خود کیا کرتے ہیں حضرت؟"

"جلدی میں کوئی خاص بات نہیں ہو سکی۔ میرے ساتھ میرے دونوں بچے تھے اور اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں۔ ان ہی کی شاپنگ کر رہا تھا۔ ویسے یہاں کسی بینک میں بڑی پوسٹ پر ہے۔ اس نے مجھ سے فون نمبر مانگا تھا' میں نے دے دیا۔"

"تو تم نے اس کا نمبر کیوں نہیں لیا۔ اپنا اٹھا کر دے دیا۔"

"کہا نا میں جلدی میں تھی۔ واقعی مجھے اس کا فون نمبر لینا چاہیے تھا۔ تفصیل سے بات ہوتی۔"

"سب ایک جیسے ہوتے ہیں سعدیہ۔" ارسلہ نے کہا۔ "اب اسی کو دیکھ لو' شہاب احمد میرا دیوانہ بنتا تھا' مگر اب تم کہہ رہی ہو' اس کی دو بچیاں ہیں۔"

"معاف کرنا ارسلہ' تم نے اسے منع کر دیا تھا۔ کیا پھر بھی وہ اکیلا رہتا تمام عمر۔"

"میں نے ایک بات کہی ہے۔ ویسے بھی یہ بہت پرانی باتیں ہیں' انہیں دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"سر رافع سے ملنے کا بہت دل چاہتا ہے' مگر بظاہر یہ ممکن نہیں۔" سعیدہ کی بات کے جواب میں ارسلہ خاموش رہی۔

رافع اس کے دل میں بستا تھا۔ ہاں وہ اس کا نام اپنی زبان پر لانا نہیں چاہتی تھی۔ جب اس کی شادی کی عمر تھی تو وہ کسی کے لیے ہاں نہ کر سکی۔ شہاب احمد کو بھی منع کر دیا۔ وہ کیا کرتی۔

وہ کچھ اور سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی' مگر اب وقت گزر گیا تھا۔ سب اپنی اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ سر رافع بھی ایک بچی کے باپ تھے اور وہ شہاب بھی دو بچیوں کا باپ' یا ہوسکتا ہے اور بھی بچے ہوں...... سعدیہ بھی اپنے گھر میں پرسکون زندگی گزار رہی تھی۔ ایک وہی تھی...... جو آج بھی پہلی سیڑھی پر کھڑی تھی۔ اس کے دکھ کو سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے درد بھرے گیت عام لوگوں کی زبان پر تھے' مگر اس کا درد کوئی نہیں سمجھتا تھا۔

کبھی کبھی وہ سوچتی اس نے خوامخواہ ایک ایسے انسان کے لیے زندگی کے قیمتی سال برباد کیے جس کے دل میں اس کا کوئی خیال تھا ہی نہیں' مگر یہ دل کے معاملے ہوتے ہیں جو کوئی دلیل ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ یاد کرنے کا اپنا لطف ہوتا ہے۔ یادوں ہی سے دل کی دنیا آباد ہوتی ہے۔ اگر یادیں نہ ہوں تو دل خالی مکان بن جائے۔ زندگی گزارنے کے لیے کسی نہ کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یادیں بھی ساتھی بن جاتی ہیں۔

ارسلہ کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ سے سعدیہ بھی ناواقف تھی۔ وہ اس کو نہیں سمجھتی تھی۔ بظاہر وہ ایک مصروف اور پرسکون زندگی گزار رہی تھی۔

جس دن سعدیہ کے ساتھ دن گزرتا وہ اندر سے ہلکی ہو جاتی۔ پرانی باتیں' بیتے ہوئے دن دہرانا اچھا لگتا۔ الماس تو اس کی ہر دم کی ساتھی تھی' مگر وہ ارسلہ کے دکھ سے ناواقف تھی۔

ننھی خالہ ہر دم اس کی شادی کی دعائیں کرتیں۔ اس کے ڈھیروں کام کرتیں۔ انہوں نے خالدہ بیگم کی کمی پوری کر دی تھی۔ ننھی خالہ نے اپنا اپارٹمنٹ فروخت نہیں کیا' بلکہ کرائے پر اٹھا دیا تھا اور وصیت کر دی تھی کہ ان کی موت کے بعد اسے بیچ کر اسی ٹرسٹ میں پیسہ دے دیا جائے۔ فی الحال وہ اپنا خرچہ خود اٹھاتی تھیں اور کسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتی تھیں۔

نیا سال شروع ہوا تو سکول میں داخلے شروع ہو گئے۔

باقر صاحب پابندی سے سکول آتے تھے اور مکمل نگرانی کرتے تھے۔ ان ہی کے ساتھ رہ رہ کر ارسلہ سب کچھ سیکھ گئی تھی اور اب بہت کامیابی سے سکول چلا رہی تھی۔ سکول مونٹیسری سے لے کر میٹرک تک تھا اور صرف لڑکیوں کے لیے تھا۔

ایک دن صبح ہی صبح جبکہ وہ اپنے پرنسپل روم میں بیٹھی تھی۔ چپراسی نے آ کر کہا۔

''میڈم ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ بچی ان کے ساتھ ہے۔''

''اچھا تو انہیں اندر بھیج دو۔'' وہ رجسٹر پر جھک گئی۔ بہت سے معاملات کی چیکنگ کرنی

تھی۔ اتنے میں دروازہ کھلا۔

اس نے نظریں اٹھائیں اور پھر جیسے وہ ساکت ہو گئی۔ رافع سامنے کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بچی تھی۔ رافع کو بھی علم نہیں تھا کہ اسی سکول کی پرنسپل ارسلہ ہو گی۔

''ارے ارسلہ آپ؟''

اسے ایسا لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ پھر وہ خواب و خیال کی دنیا سے نکل آئی اور کہا۔

''سر آپ آئیں' بیٹھیں۔''

رافع سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ آپ یہاں کی پرنسپل ہیں۔''

ارسلہ ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ذرا بھی نہ بدلے تھے۔ اتنے ہی ہینڈسم' جاذب نظر' وہی انداز تکلم' وہی مسکراہٹ۔

''یہ آپ کی بچی ہے غالباً؟'' ارسلہ نے کہا۔

''جی ہاں' یہ مونا ہے میری بچی۔ میں اس کے ایڈمیشن کے لیے آیا تھا۔ میں نے فارم بھر دیا ہے۔ باقر صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں آپ سے مل لوں۔''

ارسلہ نے ان کے ہاتھ سے فارم لے لیا۔ بظاہر وہ فارم پڑھ رہی تھی' مگر اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کی کتنی زبردست خواہش تھی کہ وہ رافع سے ملے۔ صرف ایک بار اور آج اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ رافع اس کے سامنے تھے۔ بالکل قریب...... اس نے سوچا تھا' اگر کبھی زندگی میں رافع ملے تو وہ ان سے ایک سوال کرے گی کہ انہوں نے نگی سے شادی کیوں نہیں کی' مگر یہ وقت اس قسم کی باتوں کا نہ تھا۔ وہ اپنی بچی کا داخلہ کروانے آئے تھے اور وہ پرنسپل کی کرسی پر بیٹھی تھی۔

وہ اتنی خاموش تھی کہ رافع کو وحشت ہونے لگی۔

''پھر میں کیا امید رکھوں' بچی کا داخلہ ہو جائے گا؟''

ارسلہ چونک گئی۔

''جی ہاں' کیوں نہیں۔ فارم تو آپ نے بھر ہی دیا ہے۔ بچی چار سال کی ہے' ہم اسے کے جی میں داخل کر لیں گے۔ دو سال کا کورس ہے۔ اس کے بعد 6 سال کی عمر میں پہلی کلاس

میں چلی جائے گی۔ آپ فیس جمع کرا دیجئے گا۔" اب بات ختم ہو چکی تھی' مگر رافع اٹھے نہیں تھے۔

"بہت عرصے بعد آج آپ کو دیکھا' مجھے یقین نہیں تھا' کبھی آپ سے ملاقات ہوگی۔"

"جی ہاں بہت عرصہ گزر گیا' یہ تو ہے۔" وہ بلاوجہ میز پر ٹیڑھی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی۔

"آپ اپنا کارڈ دیں گی؟"

اس نے دراز سے اپنا کارڈ نکال کر رافع کو دے دیا۔

جواب میں بن مانگے ہی رافع نے اپنا کارڈ نکال کر اسے دے دیا۔ اس نے کارڈ لے کر اپنے پرس میں رکھ لیا۔

"اب میں چلتا ہوں۔"

"او کے...... کلاسز تو دو ہفتے بعد شروع ہوں گی۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے کہا پھر بولا۔

"میں نے آپ کا انٹرویو دیکھا تھا' جس میں آپ نے اپنی نظم سنائی تھی' اگر ملنا نہیں ہمدم۔"

"پھر کیسی لگی وہ نظم؟"

"بہت اچھی...... آپ کی شاعری بہترین ہوتی ہے۔"

"تھینک یو۔"

"آپ کی آواز میں جادو ہے۔"

"تھینک یو ونس اگین۔" اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا' وہ رافع سے کیا بات کرے۔ وہ اب تک اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ شخص اس کے سامنے کھڑا تھا جو پوری دنیا میں اسے سب سے زیادہ پیارا تھا۔ اس کے دل کی عجیب حالت تھی۔ رافع اس کے قریب کھڑے تھے۔ میز پر ان کا ہاتھ تھا۔ اچانک اس کا جی چاہا' وہ اس ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لے۔ بہت زور سے اور پھر اتنا روئے کہ ہر طرف جل تھل ہو جائے' مگر وہ اپنے جذبات کو قابو کیے ساکت بیٹھی تھی۔

شاید رافع اس سے بات کرنا چاہتے تھے مگر پھر کچھ نہ کہا۔

"ٹھیک ہے میڈم میں چلتا ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔"

وہ احتراماً کھڑی ہو گئی۔

"آپ بیٹھے پلیز۔" وہ دروازہ کھول کر نکل گئے۔

وہ روکنا چاہ رہی تھی' روک نہ سکی۔ اس کا حلق خشک تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آج یوں اچانک ان سے ملاقات ہو جائے گی اور انہوں نے آئندہ بھی ملاقات کی بات کی تھی۔

"مگر کیوں؟ ان کے دل میں تمہارا خیال کبھی تھا ہی نہیں تو پھر تم ارسلہ باقی عثمانی کس سراب کے پیچھے بھاگتی رہیں اور اب کیوں ان کے لیے سوچتی ہو۔ وہ ایک شادی شدہ شخص ہیں۔ ایک بچی کے باپ اور تم ان کے بارے میں سوچتی رہیں۔ ہاں یہ سب ٹھیک نہیں۔" ذہن تو یہی کہتا تھا' مگر دل کچھ ماننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ دل جو ہمیشہ اس شخص کے لیے دھڑکتا رہا۔ اب کیسے وہ لمحہ بھر میں سب کچھ نکال پھینکے۔

اور پھر بہت سی باتیں انسان کے اختیار میں بھی نہیں ہوتیں۔

وہ چلے گئے تھے' مگر ان کے وجود کی خوشبو وہاں موجود تھی۔ اس روز وہ پورا وقت بے چین رہی۔ کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ پھر باقر ماموں سے کہہ کر اس نے چھٹی کر لی۔

رافع سے ملاقات کا ذکر وہ کسی سے نہیں کر سکتی تھی۔ سعدیہ سے بھی نہیں...... کئی دن بے چینی میں گزر گئے۔

داخلے مکمل ہو چکے تھے اور اب اسی سلسلے کا کوئی کام نہ تھا۔ وہ دوپہر کے وقت اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی کہ ایک بار پھر رافع آ گئے' انہیں دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

اس کا دل چاہا وہ کہہ دے

مگر وہ بہت محتاط لڑکی تھی۔

"آئیے بیٹھیں۔"

وہ سامنے بیٹھ گئے۔

"میں ادھر سے گزر رہا تھا' سوچا آپ سے بھی مل لوں۔"

"یہ تو اچھا ہوا' میں بھی فارغ ہی تھی۔"

’’آپ ٹھنڈا پیئیں گے یا کافی؟‘‘

’’کافی پلیز۔‘‘

اس نے چپراسی سے کافی لانے کو کہا۔

کچھ دوسری بات چیت کے بعد وہ سوال آخر اس کی زبان پر آ ہی گیا جو وہ ہر حال میں پوچھنا چاہتی تھی۔

’’میں آپ سے ایک سوال کروں' جواب دیں گے؟‘‘

’’شیور۔‘‘

’’تو پھر بتائیں' آپ نے نگی سے شادی کیوں نہیں کی؟‘‘ یہ سوال اچانک اور غیر متوقع تھا۔ پھر بھی وہ سنبھل کر بولے۔

’’اس لیے کہ ایسا میں نے نہیں سوچا تھا۔‘‘

’’لیکن وہ تو یہی کہتی تھی اور لوگ بھی یہی کہتے تھے۔‘‘

’’یہ اس کی سوچ ہو سکتی ہے' لوگوں کی اپنی سوچ...... مگر یہ میری سوچ نہیں تھی۔‘‘

’’اس کی کوئی خاص وجہ تھی؟‘‘

’’ہاں' میں کسی اور لڑکی کو پسند کرتا تھا۔‘‘

انہوں نے نظریں جھکا کر کہا۔

’’کون تھی وہ لڑکی؟‘‘

ارسلہ کا جی چاہا وہ اس کے جواب میں کوئی ایسا جملہ کہیں جو اس کے لیے امرت ثابت ہو۔

’’بس تھی کوئی۔‘‘

’’تو پھر آپ نے اس سے شادی کیوں نہیں کی۔‘‘

’’اس لیے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔‘‘

’’اوہ' یہ بات تھی۔‘‘

اور پھر رافع کی زبان پر وہ بات آ ہی گئی جو وہ ارسلہ سے کہنا چاہ رہے تھے۔

’’وہ کیسے ہیں آپ کے کزن علی؟‘‘

’’بالکل ٹھیک ٹھاک۔‘‘

’’وہ یونیورسٹی میں تو نہیں ہیں۔‘‘

’’جی ہاں شادی کے بعد وہ انگلینڈ چلے گئے تھے۔ انہیں اسی یونیورسٹی میں جاب مل گئی تھی' جہاں سے انہوں نے ایم ایس کیا تھا۔‘‘ وہ مزید بتانے لگی۔

’’میری باجی اور عابد بھائی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ وہ ان کے منگیتر بھی تھے لیکن پھر کچھ حالات بدلے تو ان کی منگنی کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا...... خوش قسمتی سے عابد بھائی کا تبادلہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ہو گیا تو میں نے دل میں تہیہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو' میں عابد بھائی اور باجی کو ایک کر کے رہوں گی۔ آخر کو عابد بھائی کو مجھ سے پیار بھی بہت تھا اور ہے۔ پھر میرا کوئی بھائی تھا بھی نہیں...... ابو کی وفات کے بعد ہمارے حالات وہ نہیں رہے تھے' مگر پھر سب ٹھیک ہو گیا۔ باجی کی شادی عابد بھائی سے ہو گئی پھر وہ لوگ انگلینڈ چلے گئے۔ اب ان کے دو بچے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں آئے تھے' ماشاء اللہ بہت خوش ہیں۔‘‘ ارسلہ ان کی طرف دیکھے بغیر بول رہی تھی اور وہ یوں سن رہے تھے جیسے کوئی عجیب سی بات سن رہے ہوں۔ ان کا ذہن ماؤف ہو گیا۔ وہ خود ہی دوبارہ بولی۔

’’آپ کو پتا ہے' میری امی کا بھی انتقال ہو گیا۔‘‘

’’ارے نہیں...... آئی ایم سوری۔‘‘ وہ اچانک بولے۔ ’’پھر اب آپ کس کے ساتھ ہیں؟‘‘

’’یہ سکول میرے ماموں نے کھولا ہے۔ یہ باقر صاحب جو ہیں' یہی میری امی کے کزن ہیں۔ ممانی کا انتقال ہو گیا۔ انہیں کینسر تھا۔ ان کے نام پر ناظمہ میموریل سکول کھولا۔ اپنا سارا سرمایہ انہوں نے اس پر لگا کر ایک ٹرسٹ قائم کر دیا ہے۔ اس کی کل آمدنی اسی ٹرسٹ کو جاتی ہے جس سے غریبوں کی امداد کی جاتی ہے۔ اسی سکول کے اوپر رہائشی کمرے ہیں۔ میرے ساتھ ننھی خالہ ہیں' یہ میری پرانی پڑوسن ہیں۔ یہ بھی میری طرح اکیلی ہیں' میں نے انہیں اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ میرا بہت خیال کرتی ہیں۔ بہت سہارا ہے ان کا۔‘‘

’’مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں تھا؟‘‘

’’اور آپ بتائیں کچھ اپنے بارے میں۔‘‘

’’میرے پاس بتانے کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ عفت رحمانی میری وائف ہیں اور مونا میری بچی۔ بس یہی کہانی ہے۔‘‘

باقی کہانی تو وہ جانتی تھی۔ عفت رحمانی کے بارے میں اخبارات بہت کچھ شائع کر چکے تھے۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ رافع کے تعلقات اپنی بیوی سے کشیدہ ہیں۔

چپراسی کافی لے آیا تھا۔ کافی پی کر وہ اٹھ گئے۔ جاتے ہوئے وہ چپ سے تھے جس کی وجہ وہ جان نہ سکی۔

❀ ❀ ❀

جب سے رافع اس سے مل کر گئے تھے۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا تھا...... ایک ناقابل یقین سی کیفیت...... ایک بے چینی...... بے قراری...... اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا' وہ کیا کرے۔

"رافع نے تو کبھی مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اب بھی وہ خاموش رہے۔ میرے لیے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں۔" سوچتے سوچتے وہ پریشان ہوگئی۔

اس کے دل پر دباؤ بڑھتا گیا۔

اور ایک دن اس کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو اسے ہسپتال داخل کرنا پڑا۔ اس کے ٹیسٹ وغیرہ ہوئے۔ ایک ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

باقر ماموں پریشان تھے۔ منھی خالہ دعائیں مانگ کر اس کی صحت کی سلامتی کی دعائیں کر رہی تھیں اور اب وہ بہتر ہو رہی تھی...... مگر گم صم رہتی۔ اسے چپ سی لگ گئی تھی۔

الماس الگ پریشان...... باقر ماموں پوچھ کر تھک گئے' مگر وہ کوئی بات نہ بتا سکی اور بتاتی بھی کیا...... بس ایک بوجھ تھا دل پر جو اتارے نہ اترتا تھا۔

❀ ❀ ❀
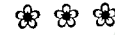
محبت بڑی ظالم ہوتی ہے۔ کیسے کیسے امتحان لیتی ہے۔ وہ جن ڈاکٹر کے زیر علاج تھی ان کا نام ڈاکٹر جبیں تھا۔ ڈاکٹر جبیں کو جب پتا چلا کہ یہ ارسلہ باقی عثمانی ہے تو وہ پوری تندہی سے اس کے علاج میں مصروف ہوگئیں۔ ڈاکٹر جبیں کی ڈیوٹی ہو یا نہ ہو۔ وہ چکر لگانے ضرور آتیں۔ اب ارسلہ بہتر ہو رہی تھی۔ اس وقت اس کے کمرے میں صرف ڈاکٹر جبیں تھیں۔

"اب کیسی ہیں آپ ارسلہ؟"

"بہت ٹھیک ہوں۔"

"مجھے آپ سے ملنے کی بڑی ہی تمنا تھی۔" ڈاکٹر جبیں نے ارسلہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"کیوں، آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟"

"مجھے آپ کی شاعری اچھی لگتی ہے اور آپ بھی بس اسی لیے۔"

"آپ تو ڈاکٹر ہیں اور ایک ڈاکٹر کو شعر و شاعری سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"کیا ڈاکٹر انسان نہیں ہوتا۔ اس کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔"

"ضرور ہوتا ہے۔" ارسلہ ہنس دی۔ "ڈاکٹر جبیں آپ بہت اچھی ہیں۔"

"بس تو پھر آپ مجھ سے دوستی کر لیجیے۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔ ڈاکٹر جبیں! آپ اتنی پیاری سی ہیں۔ ہنس مکھ اور آپ کے چہرے پر فرشتوں جیسی پاکیزگی ہے۔ ایسے چہرے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔"

"آپ نے میری بہت زیادہ تعریف کر دی۔"

"نہیں ابھی تو میں نے زیادہ کچھ کہا بھی نہیں۔ آپ کے اوپر تو غزل لکھی جا سکتی ہے یا پھر کوئی پیارا سا گیت۔"

"نہیں، آپ مجھ پر کوئی گیت نہ لکھیے گا۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ دکھ بھرے گیت لکھتی ہیں اور دکھ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

"نہیں میں آپ کے لئے ایک خوب صورت گیت لکھوں گی۔ ملن کا گیت۔"

"اچھا ارسلہ اب اجازت...... میں شام کو چکر لگاؤں گی۔"

"تھینک یو ڈاکٹر۔"

"دوستوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا ہے۔"

"شکریہ تو ہر ایک کا ادا کرنا چاہیے۔ دوستوں کا بھی۔"

"اچھا اپنا خیال رکھنا اور کوئی ٹینشن مت لینا۔ کچھ عرصے کے لئے شعرو شاعری بند......یہی پرہیز ہے۔"

"اور اگر بد پرہیزی ہو گئی تو؟"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا...... پلیز اپنا خیال رکھیں۔" ڈاکٹر جبیں چلی گئیں۔

ارسلہ ان کے بارے میں سوچتی رہ گئی۔

رافع نے سکول فون کیا تو پتہ چلا کہ ارسلہ ہسپتال میں داخل ہے اور اسے ہارٹ اٹیک ہوا تھا...... گو کہ اٹیک معمولی سا تھا تاہم ابھی وہ ہسپتال میں آرام کر رہی ہے۔

رافع پریشان ہو گئے۔ وہ وارڈ وغیرہ پوچھ کر ہسپتال پہنچے۔ شام کا وقت تھا اور ملاقاتیوں کا مخصوص وقت ختم ہو چکا تھا۔ رافع اجازت لے کر ارسلہ کے کمرے میں پہنچے۔

اس وقت ارسلہ کے کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ آنکھیں موندے سکون سے لیٹی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کیا ایسا ممکن ہے کہ رافع آ جائیں بالکل اچانک۔

اور پھر اس نے آنکھیں کھول دیں تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔ رافع پریشان حال اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کو جاگتا دیکھ کر رافع اس کے نزدیک آ گئے اور کہا۔

"سنو ارسلہ تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ وہ کون سے لڑکی تھی جسے میں پسند کرتا تھا؟"

"ہاں، میں نے پوچھا تھا مگر آپ نے بتایا نہیں تھا۔"

"وہ لڑکی تم تھیں ارسلہ...... تم...... میں تمہیں پسند کرتا تھا۔" یہ کہہ کر رافع نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ جانتے تھے ارسلہ کتنی پاکیزہ ہستی ہے اسے چھوا نہیں جا سکتا۔ بس انہوں نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ اسے احساس دلانے کے لئے۔ اپنی

پسند کا، اپنی چاہت کا، ارسلہ کو ایسا لگا جیسے وہ کوئی خوب صورت خواب دیکھ رہی ہے۔ ایک باغ میں کھڑی ہے جس میں رنگ برنگے پھول کھلے ہیں، خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی روح سرشار ہو گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ وہ آنکھیں کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ کہیں یہ سپنا نہ ہو۔

یہی تو وہ جملہ تھا جسے سننے کے لئے وہ زندہ تھی۔

اس نے برسوں کا بن باس لیا تھا۔ اس کی روح جو ہمیشہ سے تشنہ تھی آج سیراب ہو گئی۔ دور تک ٹھنڈک اتر گئی تھی۔ اسے پتا بھی نہ چلا رافع کب وہاں سے چلے گئے۔ بس اُن کا احساس باقی تھا اور جب اس نے آنکھ کھولی تو اس کے سامنے ڈاکٹر جبیں کھڑی تھیں۔

"آپ کب آئیں؟"

"ابھی آئی ہوں۔"

"شاید تم کوئی خوب صورت خواب دیکھ رہی تھیں۔"

"ہاں شاید وہ خواب ہی تھا۔"

"لیکن میں نے ابھی تمہارے کمرے سے ایک خوب صورت مرد کو جاتے دیکھا ہے...... کہیں وہ خواب وہی شخص تو نہیں۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔" وہ بھی کہیں کھو گئی۔

"ارسلہ اب تم جلد سے اچھی ہو جاؤ اور گھر شفٹ ہونے کی تیاری کرو۔"

"اب میں اچھی ہو جاؤں گی۔"

"یہ اچھی خبر ہے۔"

اتنے میں نرس آ گئی۔ وہ روٹین کے کام کرنے لگی یعنی ٹمپریچر، بلڈ پریشر وغیرہ اور ڈاکٹر جبیں اس کے دل کی دھڑکن دیکھ رہی تھی۔ اس کا ای سی جی بھی نکالا گیا جو کہ بالکل ٹھیک تھا۔

"بھئی ارسلہ تمہاری رپورٹ بالکل صحیح ہے اس لئے آپ کل یہاں سے رخصت ہو جائیے گا۔"

"آپ مجھ سے ملنے میرے گھر آئیے گا۔"

"ضرور...... میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔"

"ابھی تو آپ نے مجھے زیادہ باتیں کرنے سے منع کیا تھا مگر اب جب بھی آپ آئیں گی، میں آپ سے آپ کی زندگی کی کہانی ضرور سنوں گی۔"

"میری زندگی کی کوئی خاص کہانی نہیں ہے۔ دو جملوں کی کہانی ہے لو ابھی بتا دیتی ہوں۔ جن دنوں پڑھ رہی تھی، شادی ہوگئی۔ شوہر سے بن نہ سکی، میں علیحدہ ہوگئی اور تب سے تنہا زندگی گزار رہی ہوں۔ غریبوں کی خدمت کرنا اور ان کا مفت علاج کرنا میرا سائیڈ پروگرام ہے جسے میں ہفتے میں دو دن ایک کلینک میں کرتی ہوں۔"

"میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی تم سے بہت سی باتیں کروں گی۔" ڈاکٹر جبیں نے کہا اور پھر اس کے پاس سے دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

❀ ❀ ❀

ارسلہ گھر آ گئی تھی مگر ابھی ریسٹ کر رہی تھی۔ سکول جانا بند تھا، الماس نے سب کام سنبھال رکھا تھا۔ منھی خالہ اس کا بہت خیال کرتی تھیں۔

سعدیہ بھی دیکھنے آتی تھی۔ سلمیٰ باجی اور عابد بھائی سے فون پر بات ہوتی، اس کی خیریت وہ روز معلوم کرتے تھے۔ جب سے رافع نے اپنی پسندیدگی کا اعتراف کیا تھا وہ بہت خوش رہنے لگی تھی۔ اسے لگتا تھا نئی زندگی مل گئی ہے اور اب دونوں میں اکثر فون پر بات ہوتی۔

رافع نے بتایا تھا کہ وہ عفت رحمانی کو چھوڑ چکے ہیں اور اس کی بیٹی دادا، دادی کے پاس رہتی ہے۔ عفت رحمانی اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ گھومتی تھی اور یہ بات رافع برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ علیحدگی ہوگئی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو بھی ساتھ رکھنے کی روادار نہیں تھی۔

ارسلہ کو تعجب ہوتا کیسی ماں ہے جسے اپنی بیٹی سے بھی پیار نہیں۔ ارسلہ اور رافع میں نہ جانے کتنی باتیں ہوتیں کہ وقت کا پتا ہی نہ چلتا اسے حیرانی تھی کہ رافع اتنی باتیں کس طرح کر لیتے ہیں پہلے تو کم کم بولا کرتے تھے۔

سٹوڈنٹ لائف کے بے شمار قصے سنائے جاتے، پرانی باتیں دہرائی جاتیں، کبھی رافع فرمائش کرتے۔

"ارسلہ کوئی تازہ نظم سنا دیں۔"

"فی الحال تو کچھ نہیں لکھ رہی۔"

"چلیں، پہلے کی لکھی ہوئی سنا دیں۔" وہ سنانے لگتی۔

"پلیز ترنم سے۔" وہ تحت اللفظ میں سناتی تو رافع کہہ اٹھتے۔

"فون پر اچھا نہیں لگتا پھر آواز کمرے سے باہر جائے گی۔ منھی بوا کیا کہیں گی۔"

"کچھ نہیں کہیں گی۔"

"نہیں رافع، آپ مجھے مجبور نہ کریں۔"

"اچھا کسی دن تمہارے گھر آؤں گا تم مجھے گا کر سنانا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"سب ممکن ہے اگر تم چاہو تو۔"

"اب بہت وقت گزر چکا رافع۔"

"وقت نہیں گزرا...... ہم دونوں مل کر وقت کی لگام تھام لیں گے۔"

"آپ اتنی عجیب باتیں کرتے ہیں۔"

"اس میں کوئی بات بھی عجیب نہیں۔"

"میں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔"

"جھوٹ مت بولو ارسلہ...... سچ بتاؤ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔"

"کوئی ملا ہی نہیں، میرے جیسی معمولی لڑکی سے بھلا کون شادی کرتا۔"

"فضول مت بولو۔"

"سچ کہہ رہی ہوں۔"

"تم کیسی ہو یہ مجھ سے پوچھو۔"

"اچھا آپ بتائیں کچھ اپنی زندگی کے بارے میں۔"

"کیا بتاؤں؟"

"ماہ و سال کا حساب دیں مجھے۔"

"کوئی خاص حساب نہیں ہے...... پڑھ لکھ کر پاکستان آ گیا۔ پہلے کاروبار شروع کیا تھا مگر بعد میں تعلیم کا سلسلہ دوبارہ جوڑا۔ پی ایچ ڈی کر کے سروس شروع کر دی۔ میرا چھوٹا بھائی والد کے ساتھ بزنس سنبھالتا ہے۔ شادی امی اور ابو کی پسند سے ہوئی اور جیسی ہوئی وہ تم جانتی ہو۔"

"آپ نے اپنی پسند سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"کوئی پسند ہی نہیں آئی کس سے کرتا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے، زندگی میں کوئی لڑکی آپ کو ملی ہی نہ ہو۔"

"بس نہیں ملی کیا کریں۔ ایک ملی تھی ارسلہ نام کی لڑکی تو اس نے گھاس ہی نہیں ڈالی۔"

"آپ غلط بیانی کرر ہے ہیں۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں، تم نے کہا تھا میرے دل میں اب آپ کے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"کوئی وجہ ہوگی تو کہا ہوگا۔"

"ہاں، ہوگی کوئی وجہ...... اب مجھے یاد نہیں۔"

"آپ کو صرف اپنے مطلب کی بات یاد رہتی ہے۔"

"ابھی تک ناراض ہو؟"

"نہیں، میں ناراض نہیں ہوں۔"

"ویسے اگر تمہارے دل میں کوئی بات ہے تو پلیز مجھے معاف کر دو۔"

"میں آپ کو معاف کر چکی ہوں۔"

"یو آر گریٹ۔"

"مکھن مت لگائیں۔ میں بہت خراب ہوں، غصہ آ جاتا ہے مجھے۔"

"نہیں بھئی، غصہ مت کرنا، صحت خراب ہوتی ہے اور پھر تم ویسے بھی ابھی ہسپتال سے آئی ہو۔"

"ہسپتال تک پہنچانے والے بھی تو آپ ہی تھے۔"

"میں...... میں نے کیا کیا؟؟"

"تو پھر کس نے کیا۔ آپ ہی جڑ ہیں ہر مصیبت کی۔"

"ایسا مت کہو...... میں تو ویسے ہی ٹوٹا ہوا انسان ہوں۔"

"یہ ڈائیلاگ بولنا کب سے سیکھ لیا؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"مجھے آپ کی کسی بات کا یقین نہیں۔"

"مت کرو یقین، میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"اچھا اب فون بند کریں، بہت دیر ہوگئی۔"

"کل تم فون کرنا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" پھر فون بند ہو گیا۔

نہ جانے کب تک وہ رافع کی آواز اور باتوں میں کھوئی رہی۔ اسے لگتا تھا وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔ یہ سب کیا ہو گیا تھا؟

"یہ رافع کیسے اچانک میری زندگی میں داخل ہو گئے مگر یہ سب مجھے عجیب سا لگ رہا ہے۔ رافع میرا ساتھ چاہتے ہیں مگر میں اتنی جلدی کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ کتنا وقت گزر چکا ہے مگر رافع کو احساس ہی نہیں۔"

دوسرے دن اس نے رافع کو فون کیا۔

"میں تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔"

"میں نے آج ہی ایک نظم لکھی ہے آپ کے لئے...... سنیں گے؟"

"ضرور...... ضرور سناؤ۔"

پھر اس نے سنانی شروع کی۔

"میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ
مری بند آنکھوں میں سپنے سجاؤ
وہ اِک سازِ الفت جو چھیڑا ہے تم نے
اسی ساز پر کوئی نغمہ سناؤ
تمہاری محبت نے لوٹا ہے مجھ کو
بس ایک بار آؤ ذرا مسکراؤ
یہی آرزو ہے یہی التجا ہے
میرے ہاتھ تھامو گلے سے لگاؤ
تمہاری کہانی ہے میری کہانی
تم اپنی زبانی مجھے بھی سناؤ
اگر کہہ سکو تم نہ اپنی زباں سے
تو آنکھوں سے اپنی کہانی سناؤ
مرے پیار پر بدگماں ہونے والے

مرے پاس آؤ مجھے آزماؤ
تمہاری محبت مری زندگی ہے
مری زندگی بن کے جیون بتاؤ
مرے پاس آؤ مرے پاس آؤ
مری بند آنکھوں میں سپنے سجاؤ''

''واہ، خوب...... کیسے لکھ لیتی ہو یہ سب کچھ۔''

''کوئی خاص تو نہیں۔ بس تک بندی ہے۔''

''نہیں، تم سچ مچ بہت اچھا لکھتی ہو اور پڑھتی تو اس سے بھی اچھا ہو اور آواز...... اس پر تو پورا ملک فدا ہے۔''

''اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔''

''میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

''اچھا اب کوئی اچھی سی بات بتائیں۔''

''میرے پاس تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ہاں سنو، مجھے علی کا فون نمبر دو۔''

''کیا کریں گے؟''

''بات کروں گا بھئی، برسوں گزر گئے ہیں بات نہیں ہوئی۔''

''اب چھوڑیں...... اب تک بات نہیں کی تو اب کیا ضرورت ہے۔''

''میں تم سے مشورہ نہیں، فون نمبر مانگ رہاں ہوں۔''

''حکم چلا رہے ہیں۔''

''یونہی سمجھ لو۔''

''اچھا ابھی دیتی ہوں۔''

پھر اس نے علی کا فون نمبر لکھوا دیا۔

ننھی بوا اس کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھیں اس لئے اس نے فون بند کر دیا۔ اب یہ روزانہ کا معمول تھا۔ رات کے وقت وہ دونوں اپنے اپنے کمروں میں اکیلے ہوتے اور ایک ایک گھنٹہ فون پر باتیں کرتے۔ انہی دنوں سلمیٰ باجی کا فون آیا کہ رافع نے عابد بھائی سے بات کی ہے اور وہ ارسلہ کو اپنانا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو وہ جانتی تھی کہ رافع، عابد بھائی سے یہ بات کریں

گے۔

''باجی میں جانتی ہوں وہ کیا چاہتے ہیں مگر ابھی میں جلد میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی۔''

''سوچ لو ارسلہ، یہ اچھا چانس ہے۔ کبھی تم رافع کو پسند کرتی تھیں۔''

''میں آپ سے بعد میں بات کروں گی۔''

''ارسلہ رافع تمہارے بارے میں سیریس ہے۔ تم بھی سیریسلی سوچو، ہاں ایک بات ذہن میں رکھو، وہ ایک بچی کا باپ ہے اور اسے اپنی بیٹی سے بے انتہا پیار ہے۔'' عابد بھائی نے اس سے بات کی۔

''میں جانتی ہوں عابد بھائی...... میں نے باجی سے بھی کہا ہے کہ میں جلدی میں کوئی فیصلہ کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی...... ویسے رافع اچھا آدمی ہے۔''

''کبھی کبھی میں کنفیوژ ہو جاتی ہوں عابد بھائی اس لئے میرے لئے فیصلہ کرنا دشوار ہے۔''

''ٹھیک ہے، دو ماہ بعد ہم لوگ پاکستان آئینگے تب ہی کوئی مناسب فیصلہ ہو جائے گا۔''

''جی اتنا وقت تو دیں مجھے۔'' ارسلہ نے فون رکھ دیا۔

❀ ❀ ❀

سعدیہ اور قاسم تیار ہو رہے تھے۔ ان کا پروگرام تھا کہ آج چھٹی ہے کیوں نہ ارسلہ سے مل لیا جائے۔ تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

دوسری طرف شہاب احمد تھا۔

''کیسے ہیں آپ شہاب؟ میں نے آپ کا فون نمبر نہیں لیا تھا۔ قاسم سے میں نے آپ کا ذکر کیا تھا۔''

''سعدیہ میں آپ لوگوں سے ملنا چاہ رہا ہوں۔''

''ضرور ملیں۔''

''آپ لوگ اگر کہیں جانہ رہے ہوں تو میں اس وقت آ جاؤں۔''

''آپ آ جائیں...... ہم بس یونہی نکل رہے تھے تھوڑی دیر کے لئے مگر اب رک

جائینگے۔"

"آپ پتا سمجھا دیجیے۔"

"میں قاسم کو فون دے رہی ہوں۔ وہ آپ کو پتا سمجھا دیں گے۔"

سعدیہ، شہاب احمد کا ذکر تفصیل سے کر چکی تھی۔ اس لئے قاسم کے لئے شہاب اجنبی نہ تھا۔

قاسم نے پتا سمجھایا اور کہا۔

"آپ آجائیں ہم لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" ایک گھنٹے بعد شہاب احمد آ گیا۔ قاسم بہت گرم جوشی سے ملے۔

"سعدیہ نے آپ کا تعارف کروا دیا تھا۔ آپ لوگ کلاس فیلو تھے۔"

"جی ہاں...... ہم نے دو سال ساتھ پڑھا پھر سعدیہ بہن نے ڈگری نکلوالی اس کی شادی ہو گئی اور میں نے بھی ڈگری نکلوالی تھی۔ میں انگلینڈ چلا گیا تھا۔ میرے چچا کی فیملی وہیں پر تھی اور میرے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ میری چھوٹی بہن کی شادی میرے چچا زاد بھائی سے طے تھی اس وجہ سے ہم وہیں شفٹ ہو گئے۔"

شہاب اور قاسم بے تکلفی سے بات چیت کر رہے تھے اور سعدیہ چائے کا انتظام کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد شہاب نے سعدیہ سے کہا۔

"آج میں ایک خاص کام سے آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں اور اس سلسلے میں مجھے آپ دونوں کا تعاون اور مدد درکار ہے۔"

"جی فرمائیں، ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟ قاسم نے کہا۔

"دراصل بات تو مجھے سعدیہ بہن ہی سے کرنی ہے۔"

"جی بھائی کریں بات۔" سعدیہ نے کہا۔

"دراصل میں ارسلہ کے سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔"

"ارسلہ کے سلسلے میں......؟ میں سمجھی نہیں۔"

"ارسلہ آپ کی قریبی دوست ہے اور اس نے ابھی تک شادی نہیں کی، میں چاہتا ہوں کہ وہ میری ہم سفر بن جائے۔ سعدیہ شاید آپ کو معلوم ہو میری یہ پرانی خواہش تھی اور آج بھی ہے لیکن مجھے نہیں معلوم ارسلہ میرے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے۔"

"مگر آپ کی تو شادی ہو چکی۔" سعدیہ نے کہا۔

"یہ کس نے کہا آپ سے؟"

"وہ بچیاں آپ کی نہیں تھی جو بازار میں ملی تھیں؟"

"وہ میری چھوٹی بہن کی بچیاں ہیں، میری امی کے پاس رہتی ہیں کیونکہ میری بہن کا انتقال ہو گیا اور میرے چچا زاد یعنی میرے بہنوئی نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس لئے امی ان بچیوں کو یہاں لے آئیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کی پرورش انگلینڈ میں ہو۔ بڑی ہو جائیں گی تو چلی جائیں گی۔"

"اور آپ کی شادی؟"

"میں نے شادی نہیں کی۔"

"کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آپ دونوں کے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ارسلہ کو پسند کیا تھا، لیکن وہ مجھے پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس سے کہا بھی تھا۔ مگر اس نے میری بات کا کبھی مثبت جواب نہیں دیا۔ سعدیہ بہن کیا آپ ارسلہ سے پوچھ سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اب اس کے خیالات میں تبدیلی آ چکی ہو۔"

"یہ تو بہت اچھی بات بتائی آپ نے شہاب بھائی ...... میں آج ہی ارسلہ سے بات کروں گی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر ایسا ہو جائے۔"

"صرف بات نہیں کرنی ...... اسے راضی کرنا ہے۔"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو میں ہمیشہ آپ لوگوں کا احسان مند رہوں گا۔"

شہاب احمد خاصی دیر بیٹھا اور چلا گیا۔

"یہ تو بہت پڑھا لکھا اور اچھی پوزیشن پر فائز ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ارسلہ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض ہونا چاہئے۔ جبکہ اس شخص نے محض ارسلہ کی خاطر اب تک شادی نہیں کی۔"

"میں خود حیران ہو رہی ہوں اور خوش بھی ...... یہ بہت ڈیسنٹ اور فرسٹ آنے والا لڑکا تھا۔ خدا جانے ارسلہ نے کیوں منع کیا۔ مگر خیر وہ کم عمری کا دور تھا۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ اب ارسلہ انکار نہیں کرے گی۔"

اسے اقرار کرنا ہی ہوگا۔"

"ظاہر ہے، انکار کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں۔" قاسم نے کہا۔

"اب آج تو دیر ہوگئی ہے۔ میں کل جاؤں گی ارسلہ کے پاس...... میرے خیال میں، میں اکیلی ہی جا کر بات کروں۔ آپ کے سامنے وہ کھل کر کچھ کہہ نہ سکے گی۔"

"جیسی تمہاری مرضی، ویسے مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔" قاسم نے کہا۔

"میں آپ سے زیادہ خوش ہوں...... کاش ایسا ہو جائے۔ ارسلہ بے چاری بالکل اکیلی ہے۔ خدا کرے اس کا گھر بس جائے۔"

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ سعدیہ کی امی بھی آئیں۔ اب ان لوگوں نے انہیں بھی پوری بات سے آگاہ کیا۔ وہ بھی شروع ہی سے ارسلہ سے واقف تھیں اور اسے پسند کرتی تھیں۔

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ نیک کام میں دیر کیوں...... تم آج نہیں تو کل ضرور بات کرلو ارسلہ سے۔"

"جی امی، یہی سوچا ہے۔ پھر میں اس کی باجی اور عابد بھائی سے بھی بات کروں گی۔"

"امی میں اب تک یہ سمجھ رہی تھی کہ شہاب کی شادی ہوگئی اور وہ دو بچیوں کا باپ ہے لیکن اب پتا چلا کہ وہ اس کی بھانجیاں ہیں اور شہاب کی تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی۔"

"جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ کیا خبر اللہ ان دونوں کا نصیب ایک کر دے۔" امی نے کہا۔

"امی مجھے تو بڑی بے چینی ہو رہی ہے۔ دل چاہ رہا ہے اڑ کر پہنچ جاؤں۔" سعدیہ نے کہا۔

"بس بیٹی تم اسے سمجھانا اور راضی کرنے کی کوشش کرنا۔" امی نے کہا۔

سعدیہ نے فون کر دیا تھا کہ اسے ایک ضروری بات کرنی ہے چنانچہ ارسلہ اس کے انتظار میں تھی۔

سعدیہ آئی تو ارسلہ نے کہا۔

"تمہارا فون کل آیا تھا اور تم نے کچھ بتایا بھی نہیں کہ بات کیا ہے اور میں کل سے بے چین ہو رہی ہوں، ایسا کیا ضروری کام یا بات ہے جو تم بتانا چاہ رہی ہو۔"

"صبر کرو ابھی بتاتی ہوں...... ویسے ایک اچھی خبر ہے تمہارے لئے۔"

"اب بتا بھی چکو۔"

"کل شہاب آیا تھا ہمارے گھر۔"

"تو یہ کون سی خاص بات ہے؟"

"یہی تو خاص خبر ہے اور اس نے تمہارے لئے رشتے کی بات کی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو سعدیہ...... وہ تو شادی شدہ اور دو لڑکیوں کا باپ ہے۔"

"نہیں...... وہ اس کی بھانجیاں ہیں۔ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی۔" سعدیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور پتا ہے اس نے صرف تمہاری خاطر اب تک شادی نہیں کی۔ وہ آج بھی تمہارا منتظر ہے، وہ ہمیشہ سے تمہارے لئے سیریس تھا اور ہے اور اسی نے مجھ سے اور قاسم سے ریکویسٹ کی ہے کہ میں تمہیں راضی کروں۔

میں اسی لئے تمہارے پاس آئی ہوں۔"

ارسلہ نے جواب میں کچھ نہ کہا۔

"ارے تم خاموش ہو...... اتنی بڑی خبر سن کر بھی۔ کچھ تو بولو...... میں تو خوشی سے پاگل ہو رہی ہوں۔"

"مجھے تو سب کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"کیا تم شہاب کو ناپسند کرتی ہو؟"

"یہ بات نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"میں نے کبھی اس کے لئے اپنے دل میں کوئی جذبہ محسوس ہی نہیں کیا۔ ابھی تم نے بقول تمہارے اتنی بڑی خبر سنائی مگر میرے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچی۔"

"ارسلہ اب تم ٹین ایجر نہیں ہو جو اس طرح کی باتیں کرو۔ تم عمر کے جس حصے میں ہو تمہیں حقیقت پسندی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہئے۔"

"مجھے بھی تم سے ایک بات کرنی تھی بلکہ کچھ بتانا تھا بلکہ مشورہ لینا تھا۔"

"ہاں...... ہاں کہو، کیا بات ہے؟"

"وہ رافع ہیں نا...... وہ مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

”ارے سر رافع، وہ تم سے کب ملے اور انہوں نے کیا کہا؟“

”وہ اپنی بچی کا ایڈمیشن کروانے آئے تھے۔ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ میں پرنسپل ہوں۔ بہر حال ملاقات ہوئی اور ان کے حالات یہ ہیں کہ عفت رحمانی کو انہوں نے طلاق دے دی ہے کیونکہ وہ اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ شادی کرنا چاہ رہی ہے جبکہ ان کی بچی مونا، دادی کے پاس ہے۔“

”پھر اب وہ کیا چاہ رہے ہیں؟“

”وہ مجھ سے شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”کوئی غلط فہمی تھی۔ سعدیہ انہوں نے اپنی محبت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ روزانہ مجھ سے فون پر بات کرتے ہیں، وہ میرے لئے بہت سیریس ہیں مگر میں نے ابھی تک انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ سعدیہ میں ایک دوراہے پر کھڑی ہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“

”یہ تو تم نے ایک نئی کہانی سنا دی...... تو کیا تم اب بھی سر رافع کو پسند کرتی ہو؟“

”ہاں سعدیہ...... میں آج تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ تم نے ابھی شہاب کی بات کی تو میرے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچی مگر رافع کا نام سن کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ میں کیا کروں۔ سعدیہ میری کچھ سمجھ نہیں آتا۔ زندگی کے اس موڑ پر کہیں میں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھوں۔“

”سوچ لو ارسلہ...... مجھے رافع کی بات پر زیادہ یقین نہیں ہے۔ انہوں نے اب تمہاری طرف قدم بڑھایا مگر اب تک خاموش رہے۔ وہ ایک بچی کے باپ ہیں، کیا تم اس صورت حال میں ان کے ساتھ مطمئن زندگی گزار سکو گی؟“

”اگر محبت ہو تو ہر طرح کے حالات میں سمجھوتا کر لیا جاتا ہے۔“

”لیکن تم خود بے یقینی کا شکار ہو...... اگر تمہیں اتنا ہی یقین ہوتا تو پھر یہ تذبذب چہ معنی دارد۔“

”میں خوف زدہ ہوں...... پتا نہیں یہ سب سچ ہے یا جھوٹ' کبھی نگی کی باتیں یاد آتی ہیں اور رافع کا پرانا رویہ مگر اب وہ واقعی سچ بول رہے ہیں۔ انہوں نے عابد بھائی سے بھی بات کر لی ہے۔“

”کیا عابد بھائی نے تم سے بات کی؟“

”ہاں باجی اور عابد بھائی نے مجھ سے بات کی تھی۔“

”وہ کیا کہہ رہے تھے؟“

”وہ بھی یہی کہہ رہے تھے جو تم کہہ رہی ہو۔“

”پھر تمہارا کیا فیصلہ ہے؟“

”میں نے وقت مانگا ہے۔ رافع سے بھی یہی کہا ہے اور باجی سے بھی کہ میں جلدی میں کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی۔ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے...... عابد بھائی اور باجی دو ماہ بعد پاکستان آئیںگے۔ اس وقت تک کچھ نہ کچھ سوچ لوں گی۔“

”مگر شہاب کو میں کیا کہوں؟“

”تم رافع کے بارے میں شہاب سے کچھ مت کہنا...... اس کے لئے بھی یہی جواب ہے میرا کہ سوچنے کے لئے کم از کم دو ماہ چاہئیں جب تک عابد بھائی نہ آئیں۔“

”ٹھیک ہے، میں یہ تو کہہ دوں گی...... ویسے مجھے شہاب کی نیک نیتی پر کوئی شک نہیں اور قاسم نے بھی شہاب کو بے حد پسند کیا ہے۔“

”میں سمجھتی ہوں، اس کے جذبات کی قدر کرتی ہوں مگر سعدیہ یہ دل کے معاملے بڑے عجیب ہوتے ہیں تم اس تجربے سے نہیں گزری ہو اس لئے ناواقف ہو۔“

”میں کسی بات سے ناواقف نہیں ہوں، نہ ہی بچی ہوں اور تم بھی اپنی سوچ کر تبدیل کرو۔ یہ شعر و شاعری لکھنے کی حد تک ٹھیک ہے مگر اصلی زندگی پر اس کا اطلاق مت کرنا پلیز۔“

”ٹھیک ہے، میں سوچوں گی اور تم کو مشورے میں شامل بھی کروں گی۔“

”جھوٹ بول رہی ہو۔ اتنے دنوں سے رافع سے رابطہ تھا ملاقاتیں، رشتے تک کی بات ہوگئی مگر تم نے مجھے نہیں بتایا۔ اگر دوست سمجھتیں تو......“

”تم ناراض مت ہو سعدیہ...... یقین جانو تمہارے سوا میری کوئی اور دوست ہے ہی نہیں جس سے میں اپنی پرسنل باتیں شیئر کروں۔ اسی لئے تو آج تمہیں سب کچھ بتا دیا۔“

”مجھے بھی تم سر علی کا نمبر دو۔ میں بھی ان کو بتاؤں گی کہ شہاب کسی غرض سے ہم لوگوں کے پاس آیا تھا۔

سر علی کا وہ شاگرد رہ چکا ہے۔ وہ اسے اچھی طرح سے جانتے ہیں۔“

”ہاں، عابد بھائی اسے پسند کرتے تھے اور جانتے بھی ہیں۔“

"اس کے علاوہ بھی ایک بات ہے۔"

"وہ کیا؟"

"عابد بھائی انگلینڈ میں رہتے ہیں اور شہاب بھی وہیں تھا بلکہ فیملی وہاں ہے۔ وہ اس کے بارے میں ہر طرح کی تسلی کر سکتے ہیں جبکہ رافع کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ وہ امریکہ میں رہے، کینیڈا میں رہے، ان کا ماضی کون جانتا ہے۔"

"اتنی گہرائی میں، میں نے نہیں سوچا تھا۔"

"اس لئے کہ تم پر جذبات کی پٹی بندھی ہے۔ تم کسی زمانے میں انہیں پسند کرتی تھیں اور اب جب اچانک انہوں نے اپنی پسند ظاہر کی تو تم خوش ہوگئیں اور ان کے لئے سوچنے لگیں حقائق جانے بغیر ...... ارسلہ دیکھو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا، تمہاری زندگی میں ویسے ہی بہت پیچ وخم آچکے ہیں۔ اب کسی نئی آزمائش میں نہ پڑ جانا۔"

"مجھے یقین ہے وقت خود ہی فیصلہ کر دے گا۔ اسی لئے میں نے سوچنے کے لئے وقت مانگا ہے۔"

"مگر اس دوران رافع فون کر کر کے تمہیں اپنی جانب مائل کرتے رہیں گے جبکہ شہاب نے تم سے کوئی بات نہیں کی۔ ہم سے بات کی ہے اور تمہاری مرضی معلوم کر کے اپنی والدہ کے ذریعہ بات کرے گا۔"

"میں بھی تو مجبور ہوں۔ اکیلی ہوں، اب رافع کا فون آتا ہے تو میں بھی اچھا محسوس کرتی ہوں۔"

"اور تم خود بھی فون کرتی ہوگی؟"

"ہاں...... میں بھی فون کرتی ہوں۔ مجھے رافع سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔"

"ارسلہ یہ سب نہ کرو...... رافع سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں اگر رشتہ ہو جائے تو باتیں کرنا رات دن مگر ابھی نہیں۔"

ارسلہ جواب میں خاموش رہی۔ اس نے دل میں سوچا۔ "رافع سے میرا کوئی رشتہ ہو نہ ہو مگر ایک رشتہ ہوتا ہے دل کا رشتہ...... جذبوں کا رشتہ...... وہ تھا اور ہے...... یہ بات کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ محبت اندھی ہوتی ہے گونگی، بہری ہوتی ہے۔ نہ وقت دیکھتی ہے نہ عمر یہی حال ان دنوں میرا ہے۔ میں جذباتی ہو رہی ہوں۔ مجھے ہر وقت رافع کا خیال رہتا ہے۔ گزرے دنوں

کی ایک ایک بات یاد آتی ہے اور دل کو تڑپاتی ہے، میں کیا کروں؟"

"اب تم کن سوچوں میں گم ہوگئیں؟" سعدیہ نے ٹوک دیا۔

"کچھ نہیں ایسے ہی کچھ پچھلی باتیں یاد آگئی تھیں۔"

"اچھا اب تم مجھے اجازت دو۔ تم سے پھر بات ہوگی اور میں شہاب سے بات کر لوں گی۔"

"مگر دیکھو رافع کی کوئی بات سے نہ کرنا بلکہ قاسم بھائی سے بھی نہیں۔ سعدیہ وعدہ کرو تم کبھی رافع کا نام میرے حوالے سے زبان پر نہیں لاؤ گی۔ میں نے خود بھی نہ کسی سے کچھ کہا نہ ذکر کیا۔"

"تم اطمینان رکھو اگر ذکر ہوگا بھی تو مناسب طریقے سے۔" اس کے بعد سعدیہ رخصت ہوگئی۔

شہاب اپنی امی کو لے کر سعدیہ کے گھر آگیا۔ دونوں بچیاں بھی ساتھ آئی تھیں۔ شہاب کی امی نے کہا۔

"جن دنوں یہ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ جا رہا تھا تب ہی اس نے مجھ سے اور اپنی بہن سے ارسلہ کا ذکر کیا تھا اور ہم نے سوچا تھا کہ ہم اس کی شادی طے کر دیں گے پھر یہ تعلیم ختم کر کے آئے گا تو شادی ہو جائے گی۔ مگر ارسلہ راضی نہ ہوئی تو یہ مایوس ہوگیا۔ مگر اس وقت کم عمری کا دور تھا پھر چھوٹی بہن کی بھی فکر تھی۔ نادرہ تھی میری بیٹی۔ اس کی شادی میرے دیور کے لڑکے سے طے تھی اس لئے اس کی فکر نہیں تھی۔ میں نے بھی سوچا تھا کہ بعد میں شاید معاملہ ٹھیک ہو جائے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ نادرہ کی شادی کے بعد میں نے چاہا کہ شہاب کی شادی کر دوں مگر اس نے ہمیشہ انکار کر دیا۔ کتنا زمانہ بیت گیا۔ نادرہ کی شادی ہوگئی ایک بچی کے بعد دوسری بچی کی پیدائش پر نادرہ ختم ہوگئی۔ میرے داماد کی دوسری شادی ہوگئی۔ بچیاں میں اپنے ساتھ لے آئی ہوں تاکہ ابتدائی تربیت پاکستان میں ہو...... بعد میں یہ انگلینڈ چلی جائینگی مگر میرا گھر بیٹے کے حوالے سے سونا ہی رہا۔ شہاب نے کسی لڑکی کے لئے ہاں نہیں کی۔ اسے ارسلہ پسند تھی اور آج بھی وہی پسند ہے۔ اس نے جب بھی ارسلہ سے بات کی اسے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ اب اس لئے اس نے اس بار آپ لوگوں کا سہارا لیا ہے پھر ارسلہ نے بھی تو شادی نہیں کی۔ شاید اب وہ راضی ہو جائے کیونکہ اب وہ اکیلی ہے۔ اس کی ماں بھی ختم ہو

چکیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ پہلے کسی وجہ سے ارسلہ انکار کر رہی ہو گی مگر اب اس کے حالات دوسرے ہیں...... وہ بالکل اکیلی ہے۔" سعدیہ کی ماں نے کہا۔

"مجھے ذرا بھی آسرا ہو تو میں خود جانے کو تیار ہوں۔ ارسلہ کی بہن اور بہنوئی سے بات کرنے کو تیار ہوں۔"

"اور ارسلہ کے ماموں بھی ہیں باقر ماموں وہ تو یہیں ہیں جن کا اسکول ہے یہ۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک کہتی ہیں آپ۔ ان ہی کے اسکول کو تو چلا رہی ہے وہ۔"

"ارسلہ سے سعدیہ نے بات کی تھی تو اس نے کیا کہا؟"

"وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی مگر ہم لوگ اسے راضی کر لیں گے۔"

"آپ سعدیہ کو بلائیں میں اس سے پوچھوں گی۔" امی نے سعدیہ کو پکارا۔

"تم سب ادھر ہی آ جاؤ ضروری بات کرنی ہے۔" چنانچہ شہاب، قاسم اور سعدیہ ان لوگوں کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"سعدیہ بیٹی تم بتاؤ ارسلہ سے کیا بات ہوئی؟"

"آنٹی آپ بے فکر رہیں، میں اسے راضی کر لوں گی۔"

"مگر وہ کہتی کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، وہ فیصلہ کرتے ڈرتی ہے بلکہ یہ کہتی ہے کہ اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ سال گزر گئے ہیں وغیرہ۔"

"شہاب کے بارے میں کیا کہتی ہے؟"

"شہاب کی وہ بہت عزت کرتی ہے۔" سعدیہ نے پھر شہاب سے کہا۔

"شہاب بھائی! ارسلہ آپ کی بے حد عزت کرتی ہے۔ قدر کرتی ہے۔ بس شادی میں اتنی دیر ہو چکی ہے کہ ایک جھجک سی مانع ہے۔ دوسری یہ بات کہ دو ماہ بعد اس کی بہن اور بہنوئی آنے والے ہیں تب فیصلہ ہو جائے گا۔"

"ان کے آنے سے قبل ان سے بات کر لینی چاہئے۔" شہاب نے کہا۔

"آپ کی یہ بات درست ہے۔ میں سر علی کا فون نمبر لے آئی ہوں۔ میں خود بات کروں گی۔"

"اور جو بھی بات ہو پلیز مجھے ضرور بتایئے گا۔"

"کیوں نہیں، ہم سب کی یہی خواہش ہے کہ آپ اور ارسلہ ایک ہو جائیں۔"

کچھ دیر بیٹھ کر یہ لوگ اپنے گھر واپس گئے۔

❀ ❀ ❀

رافع اپنی امی کے گھر آئے ہوئے تھے۔ مونا بھی تو یہیں رہتی تھی۔ وہ بھی اپنے پاپا کی منتظر رہتی تھی۔ رافع کو اپنی مونا سے بے حد پیار تھا۔ وہ تو مما کو بھی یاد کرتی مگر مما نے اسے بھلا دیا تھا۔ رافع جب بھی آتے مونا کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور لے کر آتے۔ وہ ابھی بچی تھی کھلونوں سے بہل جاتی تھی اور دادی، دادا کا پیار بھی ملا ہوا تھا پھر چچا اور چچی بھی بے حد خیال کرتے تھے۔

آج رافع نے سوچا کہ سیما سے ارسلہ کی بابت بات کریں گے اپنا ارادہ ظاہر کریں گے۔ ابھی تک اپنے گھر میں یہ بات انہوں نے کسی کو نہیں بتائی تھی۔

"سیما مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" رافع نے کہا۔

"جی بھائی بتائیں، کوئی اہم بات ہے؟"

"بس ایک خوش خبری سمجھ لو۔"

"پھر جلدی سے بتائیں۔"

"میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"واقعی...... مگر کس سے؟"

"تم سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔"

"میں جانتی ہوں اس لڑکی کو۔"

"تم ہی کیا بہت لوگ جانتے ہیں اسے۔"

"پلیز بھائی کسی ایسی لڑکی سے شادی نہ کریں جسے بہت لوگ جانتے ہوں۔ بس وہ پڑھی لکھی، گھریلو لڑکی ہو جو اس گھر کی محبتوں کو جوڑ کر رکھ سکے اور پھر مونا کے لئے بھی ایک اچھی ماں ثابت ہو۔"

"وہ ایسی ہی ہے۔"

"مگر آپ تو کہہ رہے ہیں کہ......"

''وہ بھی ٹھیک ہے۔''

''اب سسپنس کیوں پھیلا رہے ہیں۔ بتا بھی چکیں۔''

''میں نے ارسلہ سے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔''

''کیا کہا؟ ارسلہ سے...... وہ جو شاعرہ ہے اور ٹی وی پر بھی آتی ہے اور جس کا گیت اگر ملنا نہیں ہمدم ہٹ ہوا تھا۔'' رافع مسکرانے لگے۔

''ہاں وہی ارسلہ!''

''مگر بھائی وہ آپ کو کہاں ملی اور آپ اسے کس طرح سے جانتے ہیں۔'' سیما نے تعجب اور خوشی سے پوچھا۔

''وہ یونیورسٹی میں میرے ساتھ تھی۔ میں جب فائنل میں تھا تو وہ فرسٹ ایئر میں داخل ہوئی تھی، میں ڈیپارٹمنٹ کا وی پی اور وہ جی ایس تھی۔ ہم نے مل کر ایک ساتھ کام کیا ہے پھر کچھ دن اسے پڑھایا بھی' اس کے بعد میں باہر چلا گیا تو رابطہ ختم ہو گیا تھا۔''

''آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے۔''

''پہلے وہ مجھے ملی کب تھی۔ بہرحال مختصر یہ کہ اب وہ مجھے اتفاقیہ طور پر مل گئی ہے اور میں نے اس سے بات بھی کر لی ہے۔''

''یعنی سب کچھ طے ہو چکا ہے۔''

''نہیں، ففٹی پرسنٹ معاملہ طے ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''یہی کہ میں راضی ہو گیا ہوں اور اس کا راضی ہونا ابھی باقی ہے۔'' سیما ہنسنے لگی۔

''مذاق مت کریں، سیریسلی بتائیں کیا ہوا، کیسے ہوا؟''

''دراصل وہ مجھے اتفاقاً ملی۔ وہ مونا کے اسکول کی پرنسپل ہے۔ میں مونا کو داخلہ کروانے گیا تھا تب ہی پتا چلا۔ اس کے خالہ زاد بھائی عابد علی سر بھی ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں پڑھاتے تھے اور مجھ سے ان کی اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ وہ ارسلہ کے بہنوئی بھی ہیں۔ لندن میں رہتے ہیں۔ دسمبر کی چھٹیوں میں وہ لوگ کراچی آئیں گے۔ میری اس سلسلے میں ان سے بات بھی ہو چکی ہے اور علی اس بات سے خوش ہیں۔ ان کے خیال میں میری اور ارسلہ کی شادی ہو جانی چاہئے۔''

''یہ تو بہت زبردست خبر ہے۔'' پلیز آپ مجھے ارسلہ سے ملوائیں۔''

''نہیں ابھی نہیں۔ اس طرح تو کچھ عجیب سا لگے گا۔''

''میں ابھی سب کو بتاتی ہوں امی، ابو اور حسیب کو۔''

''نہیں، اس وقت مت بتاؤ میرے جانے کے بعد بتا دینا۔ میں نے اس لئے تم کو بتایا ہے کیونکہ تم بھی ارسلہ کو پسند کرتی ہو۔''

''آپ نے لفظ 'بھی' اچھا بولا ہے۔''

''اب ظاہر ہے میں تو اسے پسند کرتا ہی ہوں۔ وہ ہے ہی اچھی۔''

''مگر بھائی وہ آپ کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے نا؟''

''عفت رحمانی اور مونا کے بارے میں وہ جانتی ہے۔''

''اور اس سے پہلے کی بات۔ ثریا بھابی کے بارے میں بتایا آپ نے؟''

''نہیں، وہ سب کچھ نہیں جانتی۔''

''بھائی آپ کو پوری بات بتا دینی چاہئے۔ ماضی چھپانا نہیں چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ......''

''نہیں سیما...... میں اسے ثریا کی بات بتانا نہیں چاہتا، وہ بد دل ہو جائے گی۔ میرے بارے میں اس کی رائے تبدیل ہو جائے گی۔''

''اور اگر بعد میں معلوم ہوا تو...... اور معلوم تو ہو ہی جاتا ہے۔''

''پھر کچھ نہیں ہوگا۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ اسے اتنا سکھ دوں گا کہ وہ میرے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچے گی۔''

''بھائی سوچ لیجیے...... کہیں کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے آپ کے ساتھ پہلے ہی بہت کچھ ہو چکا ہے۔''

''یہ سب تقدیر کے کھیل تھے سیما۔ ڈاکٹر ثریا بے حد اچھی تھی میں مانتا ہوں۔ بس کوتاہی میری ہی تھی مگر ایسی نہ تھی کہ ثریا مجھے معاف نہ کرتی۔ پھر غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے میں کوئی فرشتہ نہ تھا مگر ثریا نے علیحدگی کا فیصلہ کیا پھر میں بھی یکسر تبدیل ہو گیا۔ میں نے دوبارہ پڑھائی کی اور پھر یہاں واپس آ گیا۔ تم جانتی ہو سب کچھ۔ میں نے ماں باپ کی پسند پر سر جھکا دیا اور عفت رحمانی سے شادی کر لی۔ میں نے پانچ سال تک نباہ کرنے کی کوشش کی۔ ہر معاملے پر خاموش ہی رہا مگر کب تک اب سب کچھ ناقابل برداشت ہو گیا [illegible] اس لئے اسے اس کی

خواہش کے مطابق چھوڑنا ہی پڑ گیا۔ تم سب جانتی ہو۔“

”میں ایک بار پھر کہوں گی ارسلہ کو سب کچھ معلوم ہونا چاہئے۔“

”نہیں سیما...... ابھی نہیں ...... میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ میں نے صرف تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں تا کہ تم امی ابو اور حسیب کو سب کچھ اپنے طور پر بتا سکو۔ ظاہر جب علی آئیں گے تو بات تو بڑوں ہی کو کرنی ہوگی۔“

”ایک بات بتائیں گے بھائی سچ سچ؟“

”ہاں پوچھو۔“

”کیا ارسلہ آپ کو پسند کرتی تھی؟“

”شاید ایسا ہی ہو۔“

”اور آپ؟“

”میں بھی اسے پسند کرتا تھا مگر ان دنوں میں ایک جذباتی لڑکا تھا تا ہم ہمارے درمیان کوئی اس قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ میں امریکہ گیا تو ثریا مجھے اچھی لگی پھر میں سب کچھ بھول گیا تھا۔“

”اور اب آپ کو اپنی پرانی محبت یاد آ رہی ہے؟“

”اب تم جو کچھ بھی کہو...... مگر یہ بتاؤ کہ یہ فیصلہ کیا ہے؟“

”بہت اچھا فیصلہ ہے اگر وہ راضی ہو جائے تو۔“

”وہ راضی ہو جائے گی، ہم لوگ اکثر فون پر بات کرتے رہتے ہیں۔“ اتنے میں مونا آ گئی۔ وہ اپنی گڑیا پاپا کو دکھانے لائی تھی۔ اس طرح یہ موضوع تبدیل ہو گیا۔

❀ ❀ ❀

رافع اور ارسلہ کی بات فون پر ہوتی رہتی تھی اور جوں جوں وقت گزر رہا تھا ارسلہ، رافع کو اپنے دل سے قریب پاتی تھی۔

اسے وہ لمحہ نہیں بھولتا تھا جب وہ ہسپتال میں بیڈ پر لیٹی تھی اور کسی معجزے کی منتظر تھی کہ کہیں سے اچانک رافع آئیں اور پھر یہ معجزہ رونما ہو گیا تھا۔ رافع سچ مچ آ گئے تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

”وہ لڑکی تم تھیں ارسلہ جسے میں پسند کرتا تھا۔“ اور پھر اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ وہ

یہ لمحہ، یہ کیفیت جذب کر لینا چاہتی تھی۔ یہی تو وہ جملہ تھا جسے سننے کی وہ متمنی تھی اور آج بھی اس جملے کی بازگشت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اسے اب بھی لگتا جیسے وہ کوئی سہانا خواب دیکھ رہی ہے اور آنکھ کھلتے ہی سب کچھ ختم ہو جائے گا مگر یہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی۔ رافع اس سے محبت کرتے تھے۔ ان کے فون آتے تھے۔ وہ اس کی نظمیں سنتے، اس کی شاعری اس کی آواز کی تعریف کرتے۔ اسے سراہتے، وہ تو ان کے دل میں بستی تھی۔ اس کا مطلب ہے اس کا انتظار سود مند رہا۔ آخر وہ شخص اسے مل ہی گیا جس کے بارے میں اس نے برسوں سوچا اور اب اسے انتظار تھا باجی اور عابد بھائی کی آمد کا تا کہ تمام معاملات طے ہو سکیں اور پھر عابد بھائی کا فون آیا تھا۔

”ارسلہ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“

”جی بھائی بتائیں۔“

”دراصل تمہارے لئے شہاب احمد کا پرپوزل آیا ہے۔ مجھ سے سعدیہ نے بات کی تھی۔ شہاب غیر شادی شدہ بہت پڑھا لکھا اور مہذب لڑکا ہے۔ اس نے اب تک اس لئے شادی نہیں کہ وہ تمہیں پسند کرتا تھا۔ اس بات سے تم بھی واقف ہو، میں خود بھی اسے جانتا ہوں۔ سعدیہ کے فون کے بعد میں اس کے چچا کے گھر گیا۔ بے حد اچھی فیملی ہے۔ سب لوگ اچھے اور ویل آف ہیں۔ میرے خیال میں رافع کے مقابلے میں یہ رشتہ بہت زیادہ مناسب ہے۔“

”مگر عابد بھائی میں نے شہاب کے لئے کبھی نہیں سوچا۔“

”بے وقوف ہو تم، نہیں سوچا تو اب سوچ لو۔ رافع ایک بچی کا باپ ہے۔ تمہاری زندگی میں مسائل آ سکتے ہیں۔“

”مجھے کچھ نہیں معلوم ...... عابد بھائی میں بے حد کنفیوژڈ ہوں۔ سعدیہ میرے پاس آئی تھی۔ اس نے مجھ سے بھی بات کی تھی۔ آپ کا فون نمبر مجھ سے لے کر گئی تھی۔“

”پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“

”آپ لوگ آ جائیں پھر کوئی فیصلہ ہوگا۔“

”اصولی طور پر بھی تو ایک فیصلہ کیا جاتا ہے ارسلہ۔ ہم لوگ زیادہ عرصے کے لئے نہیں آئیں گے اس وقت تو شادی کی تقریب ہوگی اور بس۔“

”پھر میں کیا کروں؟“

''وہی جو عقل کہتی ہے، دنیا کہتی ہے، میں کہہ رہا ہوں۔''

''مگر میرا دل...... عابد بھائی، دل تو کچھ اور کہتا ہے۔''

''میں یہ بات پہلے سے سمجھتا ہوں۔ سلمٰی نے بھی ذکر کیا تھا مگر تب کی بات اور تھی۔ اب حالات دوسرے ہیں ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو اور پھر فیصلہ کرو۔''

''عابد بھائی میں فیصلہ کر چکی ہوں۔''

''فیصلہ کر چکی ہو؟''

''جی ہاں...... بھائی میں اپنے دل کو نہیں سمجھا سکتی۔ میں رافع کو پسند کرتی ہوں اور پھر وہ بھی تو یہی چاہتے ہیں۔ شہاب اور رافع میں کیا فرق ہے؟ دونوں مجھ سے شادی کے خواہش مند ہیں۔ رافع کے اندر صرف یہ خرابی ہے کہ ان کی شادی غلط جگہ ہو گئی جس کا علم سب کو ہے اور وہ ایک بچی کے باپ بن گئے۔ اس میں ان کا کیا قصور ہے، انہیں اس بات کی سزا کیوں ملے۔''

''میں تم سے پھر بات کروں گا۔ اس وقت تم جذباتی ہو رہی ہو اور زندگی کے فیصلے جذبات میں نہیں کئے جاتے۔''

''میں حقیقت کی نظر سے دیکھ رہی ہوں۔ عابد بھائی، کوئی مجھے بتا دے رافع کا قصور تو میں انہیں چھوڑ کر شہاب احمد کا ہاتھ تھامنے کو تیار ہوں۔'' یہ کہہ کر ارسلہ نے فون بند کر دیا۔

عابد اور سلمٰی اپنے گھر میں دیر تک ارسلہ کے مسئلے پر بات چیت کرتے رہے۔

❀ ❀ ❀
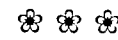
ڈاکٹر جبیں کا فون آیا تھا۔ ارسلہ خوش ہو گئیں۔

''کہاں تھیں آپ...... میں نے کئی بار ٹرائی کیا آپ کا موبائل بند تھا؟''

''میں ملک سے باہر گئی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے تم سے بات نہ ہو سکی اب آ گئی ہوں اور تمہیں فون کر رہی ہوں۔''

''میں آپ کو بہت یاد کر رہی ہوں۔''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں ہے تو خاص بات...... آپ اندازہ لگائیں۔''

''ہو سکتا ہے تم نے زندگی کا کوئی اہم فیصلہ کر لیا ہو اور اس فیصلے کا تعلق اس شخص سے ہو

جو ہسپتال میں تم سے ملنے آیا تھا۔''

''آپ تو ولی ہو گئی ہیں۔ کیسے جان گئیں یہ بات؟''

''اور اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''بہت اچھی...... میں بہت خوش رہتی ہوں۔''

''کیا تمہاری بات اس شخص سے طے ہو گئی ہے۔''

''نہیں ابھی تو نہیں...... مگر ہو جائے گی۔''

''میں تم سے ملنا چاہ رہی ہوں۔ بولو کب آؤں؟''

''آپ جب بتائیں میں مل لوں گی۔ میں تو عام طور پر گھر پر ہی ہوتی ہوں۔''

''تو پھر میں آج ہی آؤں گی، رات کے آٹھ بجے۔''

''میں آپ کا انتظار کروں گی۔ آپ کھانا میرے ساتھ ہی کھائیے گا۔''

''ضرور...... ہم دیر تک باتیں کریں گے۔'' اس کے بعد فون رکھ دیا گیا۔

ارسلہ بہت خوش تھی۔ ہسپتال سے آنے کے بعد کئی بار ڈاکٹر جبیں سے فون پر بات ہوتی تھی مگر وہ اب تک ارسلہ کے پاس آ نہیں سکی تھی۔ پھر اب انہوں نے بتایا کہ وہ باہر گئی ہوئی تھیں۔ بہر حال آج وہ آ رہی تھیں۔

''آج میں ڈاکٹر جبیں کو سب کچھ بتا دوں گی۔ کتنی اچھی ہیں وہ اور پھر میری معالج بھی تو ہیں۔ کئی بار فون پر وہ مجھ سے اچھی باتیں کر چکی ہیں۔ مجھے حوصلہ دلاتی ہی ہیں۔ میں ان سے بھی مشورہ لوں گی۔ وہ ضرور بہتر مشورہ دے سکیں گی۔''

اور پھر ڈاکٹر جبیں آ گئیں۔ وہی معصوم شکل، مسکراتا چہرہ اور دل موہ لینے والی شخصیت۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔

''ماشاء اللہ اچھی صحت ہو گئی ہے تمہاری۔'' ڈاکٹر جبیں نے کہا۔

''جی ہاں...... خوشی ملے تو صحت اچھی ہو ہی جاتی ہے۔''

''اسی کی تفصیل تو سننے آئی ہوں۔''

''میں خود بھی آپ کو بتانا چاہ رہی ہوں اور مشورہ بھی لینا چاہ رہی ہوں۔''

''یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم میرا مشورہ چاہتی ہو۔''

''میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ مجھے آپ نے اپنی دوست بنایا ہے۔''

"تم ہو ہی اتنی پیاری سی ......تم سے تو سب ہی پیار کرتے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے ڈاکٹر جبیں۔ ہمیں کیا پتا ہوتا ہے دوسرے کے دل کا حال ...... یہ گیت اور شاعری یہ سب وقتی چیزیں ہوتی ہیں، لوگ پسند بھی کرتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں...... مگر دوست اپنے ہوتے ہیں، مخلص ہوتے ہیں اور ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے مگر اب بات بتاؤ۔"

"آپ نے جس شخص کو میرے روم سے نکلتے دیکھا تھا ان کا نام رافع ہے۔ ڈاکٹر رافع۔"

"تم کس طرح جانتی ہو اُن کو؟"

❀ ❀ ❀

"جب میں آنرز کے پہلے سال میں داخل ہوئی تو رافع فائنل میں تھے۔ ان کے پاس وی پی کی پوسٹ تھی اور میں جی ایس سلیکٹ ہوئی تھی۔ ہم نے ایک سال تک ایک ساتھ کام کیا، مجھے یہ تب ہی سے پسند تھے۔"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد چند ماہ انہوں نے مجھے پڑھایا بھی پھر امریکہ چلے گئے اعلیٰ تعلیم کے لئے اور مجھ سے کبھی نہیں ملے۔ میں ان کے بارے میں لاعلم رہی۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ تب ایک عرصے کے بعد اخباروں سے پتا چلا کہ ان کی شادی عفت رحمانی سے ہوگئی جو کہ ایک وزیر کی بیٹی ہیں مگر ان سے رافع کی نہ بن سکی۔ شاید آپ کو بھی علم نہ ہو ان کی ایک بیٹی ہے مونا...... اس عورت نے اپنی بیٹی کو بھی چھوڑ دیا ہے جو اپنی دادی کے پاس رہ رہی ہے۔"

"پھر تم سے رافع دوبارہ کس طرح ملے؟"

"یہ محض اتفاق تھا...... وہ اپنی بچی کا داخلہ کروانے آئے تھے میرے سکول میں ...... تب ایک طویل عرصے کے بعد ہم آپس میں ملے۔"

"اور پھر انہوں نے تمہیں پروپوز کیا ہوگا اور اپنی محبت کا یقین دلایا ہوگا اور تم ان کی محبت کے آگے ہار گئی ہوگی اور تم نے شادی کا فیصلہ کرلیا ہوگا۔"

"آپ ٹھیک سمجھیں ...... دراصل میں رافع کو پسند کرتی تھی۔ مگر ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی مگر اب مجھے پتا چلا کہ وہ بھی مجھے پسند کرتے تھے۔"

"تم رافع کو کتنا جانتی ہو؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"یہی کہ اُن کا ماضی کیا تھا۔ وہ کہاں کہاں رہے، کیسے وقت گزارا؟"

”وہ پڑھنے گئے تھے واپس آ کر شادی ہوئی جو ناکام ہوگئی۔ ابھی میں نے آپ کو بتایا تو ہے۔“

”ارسلہ تم ابھی فیصلہ کرنے میں جلدی مت کرنا۔“

”مگر کیوں؟“

”پہلے پوری معلومات کرلو۔ اُن سے پوچھو سب کچھ۔“

”میں نے رافع سے پوچھا تھا۔“

”پھر انہوں نے کیا کہا؟“

”وہی جو میں نے آپ کو بتایا ہے۔ ان کی زندگی میں صرف میں تھی اور کوئی نہیں مگر ان کی شادی ماں باپ کی مرضی سے عفت رحمانی سے ہوگئی۔ اگر یہ شادی کامیاب رہتی تو وہ مجھ تک کبھی نہیں آتے۔ مگر اب جبکہ وہ اکیلے ہیں اور ان کی بچی بھی بن ماں کے پل رہی ہے اور قسمت نے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے ملوا دیا تو وہ بھی میرا ساتھ چاہتے ہیں۔“

”اور اگر انہوں نے تم سے جھوٹ بولا ہو پھر؟“

”یہ آپ کیوں کہہ رہی ہیں؟“

”میں صرف فرض کر رہی ہوں کہ اگر انہوں نے تم سے جھوٹ بولا ہو کہ ان کی زندگی میں صرف تم تھیں تو؟“

”لیکن وہ کیوں جھوٹ بولیں گے ڈاکٹر جبیں، میں آپ کو ایک بات بتاؤں ...... ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ایک لڑکی تھی نگہت آراء' جسے سب نگی کہتے تھے وہ رافع کو پسند کرتی تھی اور اس نے میرے خلاف رافع سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ میری رافع سے ناراضی ہوگئی تھی اور رافع اور نگی کا اسکینڈل مشہور ہوگیا تھا جس کو شہرت دینے میں خود نگی کا ہاتھ تھا مگر میرے دل میں ایک پھانس تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر زندگی میں کبھی رافع ملے تو میں ان سے یہ سوال ضرور کروں گی کہ انہوں نے نگی سے شادی کیوں نہیں کی۔“

”پھر تم نے یہ سوال کیا ان سے؟“

”ہاں، میں نے ان سے پوچھا تھا۔“

”پھر انہوں نے تم سے کیا کہا؟“

”انہوں نے کہا کہ میں دراصل نگی کو پسند نہیں کرتا تھا بلکہ کوئی اور لڑکی تھی' جسے میں پسند

کرتا تھا۔“

”پھر انہوں نے اس لڑکی کا نام بتایا؟“

”میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ لڑکی کون تھی جو آپ کو پسند تھی ...... اس وقت انہوں نے نہیں بتایا تھا۔ مگر جب انہیں میرے ہارٹ اٹیک کی اطلاع ملی اور یہ کہ میں ہسپتال میں ہوں تو وہ میرے پاس آئے تھے اور اس روز انہوں نے مجھ سے کہا تھا...... ”سنو ارسلہ وہ لڑکی تم تھیں۔“ یہ وہی دن تھا جب آپ نے ان کو ہسپتال میں دیکھا تھا۔“

”ارسلہ تم مجھے سب کچھ تفصیل سے بتاؤ۔“

”بس پھر میرے اور ان کے درمیان فون پر بات ہونے لگی۔ میں جو ہمیشہ سے ان کے لئے ایک نرم گوشہ رکھتی تھی اور جب مجھے یہ پتا چلا کہ اس شخص کے دل میں، میں بستی تھی تو آپ میرے ری ایکشن کو سمجھ سکتی ہیں۔“

”تمہیں یقین ہے کہ نگی کو چھوڑ دینے کی یہی وجہ تھی کہ وہ تم سے محبت کرتے تھے؟“

ارسلہ نے ڈاکٹر جبیں کے چہرے کو غور سے دیکھا جس پر فکرمندی کے آثار تھے۔

”آپ شاید کچھ کہنا چاہتی ہیں...... کچھ بتانا چاہتی ہیں۔“

”ہاں ارسلہ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ رافع نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ وہ لڑکی تم نہیں تھیں، کوئی اور تھی۔“

”کیا مطلب ...... آپ کس طرح جانتی ہیں رافع کو؟“

”رافع جب امریکہ گئے تو اُن کی ملاقات میری دوست ڈاکٹر ثریا سے ہوئی اور پھر رافع نے نگی کو بھلا دیا اور ثریا پر فریفتہ ہوگئے اور پھر ان کی شادی ہوگئی۔“

”کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کیا رافع نے امریکہ میں شادی کی تھی۔ مگر پھر کیا ہوئی وہ بیوی؟“

”ثریا نے انہیں چھوڑ دیا...... دو سال وہ ساتھ رہے تھے۔ ہاں ان کی اولاد نہیں تھی۔“

”کیا آپ مجھے ڈاکٹر ثریا سے ملوا سکتی ہیں؟“

”کیوں نہیں ...... جب کہو اور علیحدگی کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہوجائے گی۔“

”تو پھر فوراً سے بیشتر ملوا دیجیے۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ ان کی زبانی ان کی کہانی سننا چاہتی ہوں تاکہ رافع سے بات کرنے میں مجھے کوئی جھجک نہ ہو۔“

"تو پھر سن لو ارسلہ...... میں ہی ہوں ڈاکٹر ثریا...... میرا نام ہے ڈاکٹر ثریا جبیں...... اس روز میں نے رافع کو تمہارے کمرے سے نکلتے دیکھا تو تمہاری بیماری اور ہارٹ اٹیک کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔ ہاں رافع نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ میں تمہیں پہلے سے جانتی تھی...... میں نگی سے بھی واقف تھی اور تم سے ملنے کی تمنا تھی مجھے...... پھر تم مجھے مل گئیں۔"

"اُف خدایا، یہ میں کیا سن رہی ہوں۔" ارسلہ نے اپنا سر تھام لیا۔

"تم اتنی اچھی ہو ارسلہ کہ میں ہر حال میں تمہیں بچانا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ جس عذاب سے میں گزری ہوں تم بھی دوچار ہو۔"

"آپ نگی کو کس طرح جانتی ہیں؟"

"ہماری شادی پاکستان آ کر ہوئی تھی اور شادی کے صرف دس دن کے بعد ہم دونوں شاپنگ کرنے نکلے تھے تو نگی اچانک ہمیں مل گئی تھی اور اس کی گفتگو سے مجھے پتا چل گیا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی دوستی تھی۔"

"پھر......؟"

"رافع نے مجھے تسلی دی تھی اور کہا تھا یہ لڑکی جھوٹ بولتی ہے...... لیکن بعد میں نگی کا فون آیا تھا جو میں نے ہی ریسیو کیا تھا ظاہر ہے رافع کے گھر کا فون نمبر تو اس کے پاس تھا۔"

"پھر آپ سے کیا بات ہوئی؟"

"اس نے تمہارا بھی ذکر کیا تھا۔"

"میرے بارے میں اس نے کیا کہا تھا؟"

"اس نے کہا تھا کہ رافع کبھی میرے تھے پھر ہمارے درمیان ارسلہ آ گئی۔ رافع اور ارسلہ کا ساتھ ایک سال رہا اس کے بعد ارسلہ نے رافع سے ناتا توڑ کر سرعلی سے دوستی کر لی تو پھر رافع میری طرف لوٹ آئے لیکن باہر جاتے ہی حالات تبدیل ہو گئے اور انہوں نے آپ سے شادی کر لی۔"

"بکواس کی تھی اس نے۔" ارسلہ نے کہا۔ "یہ جن سرعلی کی اس نے بات کی وہ میرے خالہ زاد بھائی ہی نہیں میرے بہنوئی بھی ہیں۔ میری بہن کی محبت...... ہاں نگی کے کہنے پر رافع نے مجھے علی بھائی کا طعنہ ضرور دیا تھا جسے میں معاف نہ کر سکی اور رافع میرے دل سے نکل گئے تھے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو ارسلہ...... رافع ایسے ہی شکی مزاج انسان ہیں۔ انہوں نے مجھ سے بھی سرجن علی کے ساتھ مل بیٹھنے پر...... الزام لگایا تھا۔"

"تو کیا آپ سے اختلافات کی یہی وجہ تھی؟"

"نہیں...... اس طرح کے اختلافات تو چلتے رہتے ہیں مگر رافع نے ایک ایسی حرکت کی کہ جو میرے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ میرے لئے کیا کوئی بھی شریف بیوی ان حالات کو قبول نہ کرتی اس لئے میں نے رافع سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔"

"وہ کیا حالات تھے؟"

"اب مجھے کچھ ریسٹ کر لینے دو۔ پلیز ایک کپ چائے پلوا دو۔ کھانا بعد میں کھائیں گے۔ میرا دل خراب ہو رہا ہے۔ میں اب بھی ان تلخ واقعات کو سوچ کر ڈسٹرب ہو جاتی ہوں۔"

چائے پینے کے بعد ڈاکٹر ثریا نے کہا۔

"قبل اس کے کہ میں علیحدگی کی اصل وجہ بتاؤں، میں تمہیں ان دنوں کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہی ہوں جو بظاہر ہمارے اچھے دن تھے۔ مگر ان دنوں میں بھی میں جس کرب سے گزر رہی تھی وہ صرف میں ہی جان سکتی ہوں۔"

"آپ بتائیں...... میرے لئے تو ہر بات ایک نیا انکشاف ہے۔"

"ارسلہ، میں وہ باتیں تمہیں شاید نہ بتا سکوں اور شاید تم سمجھ بھی نہ سکو کیونکہ تم غیر شادی شدہ لڑکی ہو بس یوں سمجھ لو کہ ہم دونوں اخلاقی طور پر ایک دوسرے کے لئے فٹ نہیں تھے۔ میں مانتی ہوں کہ رافع کو جس جنسی تسکین کی ضرورت تھی میں وہ انہیں نہیں دے سکتی تھی۔ میں ایک مختلف مزاج رکھتی تھی۔ پھر بھی میں خاموشی سے سمجھوتا کر رہی تھی مگر میں ذہنی طور پر اتنی پریشان تھی کہ اپنے آپ کو بہلانے کے لئے پندرہ دن کے لئے کراچی چلی آئی۔ میں نے رافع کے بارے میں ایک حرف کسی سے نہ کہا۔ یہی ظاہر کیا کہ میں بہت خوش ہوں مگر پندرہ دنوں میں وہ کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رافع ایک للی نامی لڑکی میں انوالو ہو گئے۔ وہ کم عمر اور خوب صورت تھی اور غیر معمولی جسمانی دلکشی رکھتی تھی۔ رافع کو ایک ہی لڑکی چاہیے تھے ارسلہ...... اسی لئے......" اتنا کہہ کر ثریا رک گئیں۔ ان کی آواز رندھ گئی۔

"جی کہیے پھر کیا ہوا؟"

"اسی لئے انہوں نے ایک رات للی کے ساتھ گزاری۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ رافع اس حد تک نہیں گر سکتے۔"

"ایسا ہی ہوا تھا۔"

"آپ کو یہ سب کیسے پتا چلا؟"

"للی میرے پاس آئی تھی اور اس نے بتایا تھا۔"

"ہو سکتا ہے اس نے جھوٹ بولا ہو۔"

"میں بھی یہی سمجھ رہی تھی مگر......"

"مگر کیا؟"

"اس نے مجھے تصویروں کا ایک لفافہ لا کر دیا اور فریاد کی کہ رافع اس سے شادی کر لیں وہ ایک غریب لڑکی ہے اس کا کہیں ٹھکانا نہیں۔"

"میرے پاس وہ تصویریں موجود ہیں اگر کہو تو میں تمہیں دکھا دوں، تمہاری تسلی کی خاطر میں لے کر آئی ہوں۔"

ارسلہ ساکت بیٹھی تھی جیسے وہ کچھ نہ سن رہی ہو اور نہ سمجھ رہی ہو۔ ثریا نے لفافہ نکال کر ارسلہ کے ہاتھ میں دیا اور کہا۔

"یقین جانو ارسلہ میں نے کبھی اس بات کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا نہ اپنے گھر میں اور نہ ہی رافع کے گھر میں...... یہی کہا کہ بس ہماری بن نہیں سکی۔ یہ فیصلہ غلط تھا مگر تمہیں ڈوبتا ہو انہیں دیکھ سکتی تھی اس لئے تمہیں بتانے پر مجبور ہو گئی ہوں۔"

ارسلہ نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ کھولا۔ منٹ بھر میں تصویریں پھسل کر بستر پر بکھر گئیں۔

"اُف خدا۔" اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"پلیز ان تصویروں کو ہٹا لیں ثریا مجھے کچھ ہو جائے گا۔" اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ایک بار رو لو اور ہمیشہ شاد رہو۔" ارسلہ دل بھر کر روئی۔ اس کی حالت اس وقت اس بچے جیسی تھی جس کا کوئی قیمتی کھلونا ٹوٹ گیا ہو۔

"کاش...... مجھے رافع کبھی نہ ملے ہوتے یا میں اُن کے ماضی سے بے خبر رہتی۔"

"ارسلہ تم اگر ان سے شادی کرنے نہ جا رہی ہوتیں تو میں کبھی تم کو کچھ نہ بتاتی۔"

"اچھا ہوا مجھے حقیقت پتا چل گئی۔"

"تم یہ سوچو ارسلہ...... انہوں نے تم سے اتنی بڑی بات چھپائی، مجھے تو للی سے بھی ہمدردی ہے۔ وہ بھی تو آخر لڑکی تھی کسی گھر کی عزت...... اس نے بھی کچھ خواب دیکھے ہوں گے۔ رافع کو اپنا سمجھ کر مگر وہ اسے بھول کر میری طرف پھر للی اور اب تم۔"

"اور یہ سلسلہ دراز بھی ہو سکتا ہے۔"

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ ہو سکتا ہے وہ تمہارے لئے مخلص ہوں۔"

"ہو سکتا ہے اب انہیں میں پسند آ گئی ہوں لیکن وہ اب میرے دل میں نہیں بس سکتے۔"

"اب تم رافع سے کیا کہو گی؟"

"میں ان پر ان کی حقیقت واضح کر دوں گی۔"

"بہر حال میں نے پوری کہانی تمہیں بتا دی ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اپنے لئے کون سا راستہ چنتی ہو۔"

"وہ راستہ جو سیدھا ہے وہی اختیار کروں گی۔ میرے بہنوئی بھی اس رشتے پر راضی نہیں تھے۔"

"انہوں نے کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ رافع ایک بچی کے باپ ہیں اور پھر اگر وہ مجھے پسند کرتے تھے تو انہیں اب یہ خیال کیوں آیا...... پہلے انہوں نے کیوں نہیں سوچا۔"

"اس کا جواب میں تمہیں دے سکتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"اب انہیں اپنی بچی کے لئے ایک ایسی اسٹیپ مدر کی ضرورت ہے جو اسے سچی ماں کا پیار دے سکے اور تم سے بہتر اور کون ہو سکتی ہے جو انہیں چاہے اور ان کی بچی کو بھی۔"

"مگر اب یہ ممکن نہیں رہا۔ یہ چیپٹر کلوز ہو گیا ہے۔"

اتنے میں ننھی خالہ نے آ کر کہا۔ "آؤ بچیو کھانا لگ گیا ہے۔" وہ دونوں اٹھ گئیں۔

❀ ❀ ❀

کتنے دن ہو گئے تھے ارسلہ سے فون پر بات نہیں ہوئی تھی نہ اس نے فون کیا تھا اور اگر وہ فون کرتے تو فون آف ملتا، رافع بے حد بے چین تھے۔ ان کے ذہن پر دل پر ارسلہ کا قبضہ تھا۔

"خدا جانے ارسلہ فون کیوں نہیں کر رہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ پھر بیمار ہو گئی ہو۔" وہ پریشان ہو گئے۔

پھر ایک روز ہمت کر کے شام کو اس کے گھر جا پہنچے۔ اس سے قبل وہ اس کے گھر نہیں آئے تھے۔

"بیگم صاحبہ کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" ماسی نے آ کر کہا۔

"انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔" وہ جانتی تھی کہ آنے والا شخص رافع کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا، وہ ذہنی طور پر خود کو تیار کر چکی تھی۔ اس نے اپنے دل کے دروازے بند کر لئے تھے۔ وہ سب کچھ بھول جانا چاہتی تھی۔ ایک بھیانک خواب سمجھ کر۔

"اور آج میں رافع کو سب کچھ بتا دوں گی۔ آج میں ان کی زندگی سے نکل جاؤں گی ہمیشہ کے لئے۔" وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے رافع کے پاس آئی۔

"ارسلہ کیسی ہو؟ کئی دن ہو گئے تم سے بات ہی نہیں ہوئی۔" رافع اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ بیٹھے، میں ٹھیک ہوں۔"

"مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔ شاید بیمار رہی ہو۔"

"آپ کا خیال درست نہیں، میں ٹھیک ہوں۔"

"کیا بات ہے، ناراض ہو مجھ سے۔" رافع کو اس کا لہجہ اجنبی لگا۔

"نہیں...... میں ناراض نہیں ہوں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"ہاں کوئی بات ہے...... جو شاید آپ سن نہ سکیں۔" رافع کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

"میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں، تم کیا کہہ رہی ہو یا کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"

"ابھی سب کچھ سمجھ جائیں گے۔ میں پہلے وہ الفاظ جمع کر لوں، جو مجھے آپ کے سامنے بولنے ہیں۔"

ارسلہ نے رافع کی طرف دیکھا۔ وہی معصوم چہرہ، پرکشش شخصیت، کوئی انہیں دیکھ کر یہ

نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دہری شخصیت کے مالک ہیں۔"

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟"

"یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا شخص دو چہرے رکھ سکتا ہے، ایک وہ جو سامنے نظر آ رہا ہو۔ فرشتوں جیسا معصوم چہرہ ایک اندر کا غلیظ چہرہ...... کیا وہ شخص جس کو دل میں بسایا جائے، آنکھ بند کر کے اعتبار کیا جائے وہ بے اعتبار ہو سکتا ہے؟ جھوٹ بول سکتا ہے؟ بتائیں رافع آپ نے ایسا کیا؟ کیوں بولا مجھ سے جھوٹ؟ آپ نے میری محبت کی توہین کی۔ میرے سچے جذبوں کا مذاق اڑایا۔ کیوں کیا ایسا؟" نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔

"تم کیا کہہ رہی ہو ارسلہ اور کیوں کہہ رہی ہو، صاف صاف کہو۔"

"مجھے ڈاکٹر ثریا نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے رافع کی آنکھوں میں دیکھا۔ رافع نے نظریں جھکا لیں۔ ان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ خود ہی بولی۔

"ڈاکٹر ثریا میری دوست بھی ہیں اور معالج بھی۔ جس روز آپ میرے پاس ہسپتال آئے تھے۔ انہوں نے آپ کو میرے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ اس دن رافع آپ نے زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ وہ لڑکی تم تھیں جسے میں پسند کرتا تھا...... اور میں سچ سمجھ گئی تھی۔ رافع! مجھے پتا ہی نہ تھا جھوٹ کیسا ہوتا ہے۔ دھوکا کس طرح کھایا جاتا ہے۔ ایک لڑکی کو لوگ کس کس طرح جذباتی طور پر بلیک میل کرتے ہیں۔ رافع آپ نے نگی کو چھوڑا...... آپ امریکہ گئے تو آپ کو ثریا مل گئیں۔ آپ نگی کو بھول گئے اور ثریا کراچی آئیں تو آپ کو لتی مل گئی۔ کاش میں نے وہ تصاویر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوتیں۔ رافع آپ اگر مجھے کبھی نہ ملتے تو میں ہمیشہ آپ کی یاد کو دل سے لگا کر جی لیتی یا پھر وہ ایک جملہ جو آپ نے اسپتال میں مجھ سے کہا تھا وہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتے تو بھی میں اس جملے کی خوبصورتی کو اپنے ذہن کے دریچے میں ہمیشہ سجائے رکھتی اور تمام زندگی آپ کا انتظار کرتی۔ مگر اب سب کچھ ختم ہو گیا رافع...... آپ نے جھوٹ بولا، میرے جذبوں کا مذاق اڑایا۔ مجھے کھلونا سمجھا۔ صرف اپنی غرض کی خاطر...... بولیے کیوں کیا آپ نے ایسا...... کیوں کیا؟" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لڑیوں کے مانند۔

"ارسلہ میں شاید اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کہہ سکوں۔ کیونکہ اگر کہوں گا تو یقین نہیں کرو گی اور میں شاید تمہیں مطمئن نہ کر سکوں۔ میں ثریا کو بھی مطمئن نہ کر سکا۔ وہ تو میری بیوی

تھی۔ اسی نے مجھے چھوڑ دیا تو تم کیوں میرا ساتھ دو گی۔ تم سے تو میرا کوئی دنیاوی رشتہ بھی نہیں۔"

"آپ صرف دنیاوی رشتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ ایک رشتہ اور بھی ہوتا ہے۔ روحانی رشتہ...... اعتبار کا رشتہ...... پیار کا رشتہ...... ہاں وہ بھی شاید ہمارے بیچ نہ تھا۔ تب ہی تو آپ نے مجھے دھوکا دیا۔ بے وقوف بنایا۔"

"تم یہ سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے محبت نہیں۔"

"محبت؟" وہ طنزیہ ہنسی۔ "وہ کیا چیز ہوتی ہے...... اپنی غرض کو آپ محبت کا نام دے رہے ہیں اگر آپ کو مجھ سے محبت ہوتی کبھی بھی زندگی کی کسی اسٹیج پر تو آپ مجھے پا سکتے تھے، مگر نہیں ایسا نہیں کیا آپ نے اور اب جبکہ آپ کی زندگی سے اتنی عورتیں نکل چکی ہیں اور آپ کو اپنی بچی مونا کے لئے ایک اسٹیپ مدر کی ضرورت ہے' جو اسے ماں کا پیار دے سکے تو آپ کو میں یاد آ گئی۔ میں ہی رہ گئی تھی دھوکا دینے کے لئے، اس لئے کہ میں اکیلی ہوں۔ میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ مگر نہیں میں اکیلی نہیں ہوں، میری بہن اور بہنوئی ہیں جو جلد آنے والے ہیں۔ باقر ماموں ہیں میرے سرپرست...... ڈاکٹر ثریا ہیں' جنہوں نے مجھے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔ میری بہت سی مخلص دوستیں ہیں...... سٹاف ہے...... بے شمار لوگ جو میری بھلائی چاہتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو کیوں اکیلا سمجھوں اور بے سہارا...... مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ رافع آپ جا سکتے ہیں، میں آپ کی زندگی سے نکل گئی ہوں۔ نہیں...... میں تھی ہی کب آپ کی زندگی میں جو نکلتی...... یا آپ میری زندگی سے نکل گئے۔"

رافع کی آنکھوں سے بھی آنسو نکلے جو انہوں نے آہستہ سے صاف کر لیے۔

"آپ پریشان مت ہوں رافع میں انکار کی وجہ کسی کو نہیں بتاؤں گی، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ ڈاکٹر ثریا نے بھی آپ سے وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے بھی آپ کے اور اپنے گھر والوں کو علیحدگی کی وجہ نہیں بتائی تھی۔ میں بھی نہیں بتاؤں گی۔"

"ارسلہ میں چلا جاؤں گا مگر تمہیں میری ایک بات سننی پڑے گی۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"میں جانتا ہوں پھر بھی کہوں گا ضرور۔"

"کہیے اب رہ ہی کیا گیا ہے کہنے کے لئے۔"

"اس وقت میں تم سے جو کچھ کہوں گا بالکل سچ کہوں گا۔ پھر ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس سے چلا جاؤں گا۔" وہ ذرا سی دیر کو رک کے پھر کہا۔

"یونیورسٹی میں جب تم میرے ساتھ تھیں تو میں تمہیں پسند کرتا تھا، عزت کرتا تھا تمہاری...... ہاں، میرے دل میں کوئی اس طرح کا جذبہ نہیں تھا جسے عرف عام میں محبت کہا جاتا ہے اورنگی نے خود مجھ سے دوستی کی تھی۔ میں اس کی باتوں میں آ گیا تھا۔ اس نے تمہارے خلاف باتیں کی تھیں۔ سر علی کے حوالے سے اور تب میں نے صرف تمہیں جلانے کے لئے نگی سے دوستی کی مگر پھر خود بھی انوالو ہو گیا تھا۔ لیکن امریکہ جانے کے بعد وہ میرے دل سے نکل گئی آہستہ آہستہ کیونکہ مجھے ڈاکٹر ثریا مل گئی۔ وہ ایک بے مثال لڑکی تھی، بہترین بیوی تھی، بے شمار خوبیوں کی مالک، میں اسے بے حد چاہتا تھا، بہت محبت کرتا تھا مگر بدنصیب تھا، میری قسمت میں پسپائی لکھی تھی۔ میں نے رات کو فلمیں دیکھنی شروع کر دیں۔ تم جانتی ہو وہاں کس طرح کی فلمیں ہوتی ہیں۔ ثریا کو یہ سب پسند نہیں تھا۔ ثریا کراچی آئی تو مجھے میرا ایک سکول فیلو مل گیا۔ میں نہیں جانتا تھا وہ امریکہ میں کس قسم کی زندگی گزار رہا ہے۔ بس اس نے مجھے ٹریپ کیا۔ وہ ایک امریکن لڑکی کے ساتھ رہتا تھا۔ بغیر نکاح کئے ہوئے۔ روزی کے ساتھ...... للی اس کی دوست تھی۔ انہوں نے للی کو میرے پیچھے لگا دیا۔ میں بھی وقت گزاری کرنے لگا۔ وہ تصویریں آٹومیٹک کیمرے سے مجھے بلیک میل کرنے کے لئے کھینچی گئیں۔

"ارسلہ شاید تم یقین نہ کرو، پاکستان سے جانے والے بیشتر نوجوان اس طرح کی زندگی گزارتے ہیں اور گزار رہے ہیں جس کی اجازت ہمارا مذہب دیتا ہے اور نہ معاشرہ مگر وہاں یہ عام بات ہے جس کی گرل فرینڈ نہ ہو اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ ارسلہ میں لڑکھڑا گیا تھا مگر یقین کرو گرا نہیں تھا۔ میں نے وہ گناہ نہیں کیا جس پر سنگسار کیا جاتا ہے مگر ثریا یقین نہ کر سکی اور شاید تم بھی یقین نہ کرو، ثریا نے مجھ سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا اور تب میں نے بھی سب کچھ چھوڑ دیا۔ امریکہ بھی چھوڑ دیا، میں کینیڈا آ گیا اور دوبارہ اپنی تعلیم کا سلسلہ جوڑا...... پی ایچ ڈی کر کے کراچی چلا آیا۔ اس کے بعد کے واقعات تم جانتی ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑا گناہ معاف کر دیتا ہے مگر بندہ چھوٹا گناہ بھی معاف نہیں کرتا اور پھر وہ لوگ جن کے گناہوں پر پردہ پڑا رہتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی عرصے گناہ آلود زندگی گزاریں انہیں کوئی برا نہیں سمجھتا، انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔ میں وہ بدنصیب انسان ہوں' جس کا ایک چھوٹا سا گناہ منظر عام پر

آ گیا اور میں سنگسار کر دیا گیا۔ بے موت مر گیا۔ ارسلہ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا، میں تمہیں چاہتا ہوں، محبت کرتا ہوں۔ تم سے ہاں پہلے نہیں کرتا تھا مگر اب کرتا ہوں اس لیے نہیں کہ تم مونا کو پالو پوسو پرورش کرو بلکہ اس لیے کہ تم میری زندگی ہو اب میں جا رہا ہوں، ہاں اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا پھر وہ رکے نہیں فوراً چلے گئے اور وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

ڈاکٹر ثریا نے جب رافع کا ماضی اس کے سامنے رکھا تھا تو وہ دل بھر کر روئی تھی۔ اس قدر روئی کہ اس کے آنسوؤں کا ذخیرہ لگتا تھا ختم ہو گیا ہے۔ پھر تین دن گزر گئے تھے اور اس نے رافع سے بات نہیں کی تھی۔ مگر آج تین دن بعد جب رافع سے بات ہوئی اور وہ چلے گئے تو اسے لگا وہ خالی ہاتھ رہ گئی ہے۔ اس کی زندگی اس سے چھن گئی۔ وہ شخص جو پوری دنیا میں اسے سب سے زیادہ پیارا تھا وہ اب اس سے کبھی نہیں ملے گی۔ اس کی زندگی سے وہ نکل گیا تھا۔ یہ بات اس نے رافع سے کہی تھی مگر اسے لگا جیسے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اس سے بھی اور اپنے آپ سے بھی۔

کیا رافع کبھی میری زندگی سے نکل سکیں گے میں نے زندگی کے اٹھارہ برس ان کی یاد کو دل میں بسا کر زندگی کی سیڑھیاں ایک ایک کر کے طے کیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرے نہیں تھے۔ انہوں نے کبھی بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ کوئی وعدہ نہ کوئی دلاسہ کوئی فون نہ خط کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ میرے دل میں بستے تھے۔ وہ ایسے ہی تھے انہیں چھپا لینے کو جی چاہتا تھا، ان کیلئے کچھ کر گزرنے کی دل تمنا کرتا تھا۔ میں نے رافع سے سچی محبت کی تھی۔ بے غرض محبت، وہ محبت جو خراج نہیں مانگتی۔ وہ جیسے بھی تھے مجھے پیارے تھے۔ میرے من میں بستے تھے مگر آج میں یوں اچانک ان کی دنیا سے نکل آئی جیسے یہ کوئی بہت آسان بات ہو محبت بے غرض ہوتی ہے جس سے سچی محبت کی جاتی ہے ان کی تمام کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے معاف کر دیا جاتا ہے ٹوٹے ہوئے انسان کو تھام لیا جاتا ہے اس کے اندر سے کہیں سے آواز آئی تھی۔

ارسلہ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس بار وہ سچ بول رہے تھے۔ انہوں نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر ثریا کی تعریف کی تھی۔ اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کیا تھا اور پھر کہا تھا میں پہلے نہیں کرتا تھا۔ مگر اب تم سے محبت کرتا ہوں اس لیے نہیں کہ تم مونا کی پرورش کرو بلکہ اس لیے کہ تم میری زندگی ہو۔ آنسو اک بار پھر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ بہتے ہی رہے۔

”ڈاکٹر رافع میں آپ سے محبت کرتی تھی کرتی ہوں، کرتی رہوں گی، مگر آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔“

”تم میری زندگی ہو۔“ رافع کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

”تم میری زندگی ہو۔“

”آہ یہ انہوں نے کیا کہہ دیا۔ کیا اپنی زندگی کو کوئی اس طرح دھوکا دیتا ہے یوں اندھیرے میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔“ اس کے اندر شور اٹھ رہا تھا۔ رافع کی ٹوٹی ہوئی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

”جن لوگوں کے گناہوں پر پردہ پڑا رہے خواہ وہ کتنا ہی عرصے گناہ آلود زندگی گزاریں انہیں کوئی برا نہیں سمجھتا، انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔ بدنصیب انسان ہوں جس کا ایک چھوٹا سا گناہ منظر عام پر آ گیا اور میں سنگسار کر دیا گیا۔“

”کاش ثریا نے مجھے کچھ نہ بتایا ہوتا۔ میں ان کا ہاتھ تھام لیتی ان کی بن جاتی اپنی زندگی کی ہر خوشی ان کے نام کر دیتی۔ مگر اب سب کچھ ختم ہو گیا۔ میں ان کا ہاتھ نہیں تھام سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کبھی بعد میں پچھتاوؤں کے ناگ مجھے ڈستے، میں تو نگی کو برداشت نہیں کر پائی تھی اتنی بڑی بڑی باتوں کو کیسے سمیٹ پاتی۔“ اس کا ذہن ماؤف تھا وہ متضاد باتیں سوچ رہی تھی اس کا دل ڈوب رہا تھا روتے روتے وہ بے حال ہو گئی تھی اور تب ننھی خالہ اس کے پاس چلی آئی تھیں۔

”کیا ہوا کیوں رو رہی ہو اور کب سے رو رہی ہو؟“ وہ پریشان ہو گئی تھیں۔

ننھی خالہ مجھے امی یاد آ رہی ہیں۔ ابو یاد آ رہے ہیں۔ میں اکیلی ہوں خالہ بالکل اکیلی

ننھی خالہ نے اسے کلیجے سے لگا لیا۔ نہیں تم اکیلی کہاں ہو بہت لوگ ہیں تمہارے میں بھی ہوں ماموں ہیں بہن بہنوئی سب ہیں تو سہی اب تو کچھ دنوں میں آنے والے ہیں۔

اس کے باوجود میں اکیلی ہوں خالہ بالکل اکیلی ننھی خالہ مجھے نیند کی گولی دے دیں میں سونا چاہتی ہوں۔

”ارے بھئی کھانا تو کھا لو خالی پیٹ میں نیند کی گولی لو گی۔“

”خالہ مجھے بھوک نہیں ہے۔“

”میں الماس کو بلاتی ہوں۔“

''نہیں خالہ مت بلائیں میں ٹھیک ہوں۔''

''کھانا وہ بھی تو کھالے گی۔''

''آپ اور الماس کھانا کھالیں میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔''

یہ کیسے ہوسکتا ہے میں کھانا نکال رہی ہوں ہم سب کھانا کھائیں گے یہ کہہ کر ننھی خالہ اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔ خالہ کی زبردستی سے اور الماس کے زور دینے پر وہ کھانے کی میز پر بیٹھ گئی تھوڑ بہت کھانا کھا کر اس نے نیند کی گولی لی اور بتی بجھا کر سونے کیلئے لیٹ گئی۔ نیند کی گولی کھانے کے باوجود سو نہ سکی، اسے ایک پل قرار نہ تھا اسے ہر جانب رافع کی شبیہ نظر آرہی تھی۔

بولتے ہوئے رافع' افسردہ رافع' مجبور اور بے بس رافع' محبت کا اقرار کرتے ہوئے رافع اور پھر ٹوٹے ہوئے قدموں سے واپس جاتے ہوئے رافع' وہ قلم کاغذ سنبھال کر بیٹھ گئی اب اس کا قلم آپ ہی آپ کاغذ پر پھیلنے لگا وہ نظم لکھ رہی تھی جس کا عنوان تھا سچائی۔

''میں نے تم سے پیار کیا تھا
ناسمجھی میں
نادانی میں
پھر اس پیار کو دل میں چھپایا
من کو جلایا
نادانی میں
میرے من کے کورے کاغذ پر
نام لکھا تھا تیرا ساجن
کوئی نہ سمجھا کوئی نہ جانا
پر تم نے سب کچھ جان لیا تھا
میرے پیار کی خوشبو کو
پہچان لیا تھا
تب ہی تم نے اڑنا سیکھا
اونچا' اونچا سب سے اونچا

اونچائی پر اڑنے والے
تم کیا جانو پیار کے معنی
پیار کی حرمت
پیار کی عزت
پیار کی شدت
پیار کی حدت
پیار کے معنی سچائی ہیں پسپائی ہیں
تم پیار کے قابل بن نہ سکے
میں سچ تم کو سمجھا نہ سکی
میری ذات کی سچائی کو
جس پیمانے سے تم ناپو
وہ پیمانہ میں لا نہ سکی
اور تم کو اپنا نہ سکی
ہم اور تم دو راستوں کے مسافر تھے یہ سچ ہے
لیکن پھر بھی بچھڑے ساجن
میں نے تم سے پیار کیا تھا یہ بھی سچ ہے''

اس کی شاعری احساسات کی شاعری تھی سچے جذبوں کی شاعری لفظ بولتے تھے وہ اپنا آپ ان لفظوں میں سمو دیتی تھی۔ پھر اس کی خوب صورت آواز ان لفظوں کو زندہ کر دیتی تھی۔ ان دنوں وہ جو کچھ لکھتی فوراً چھپ جاتا۔ لوگ اس کی شاعری کو سراہتے اپنے اپنے انداز سے اظہار خیال کرتے' اس کے نام سے ہر ایک واقف تھا اس کی ذات اکثر محافل میں موضوع بنتی۔

وہ ڈرامہ جس کا ٹائٹل سانگ ''اگر ملنا نہیں ہمدم'' اس نے خود گایا تھا اور ڈرامے کا نام بھی یہی رکھا گیا تھا اسے ایوارڈ مل رہا تھا۔ اس سال کا بہترین ڈرامہ قرار پایا تھا اور کچھ دوسرے ایوارڈ بھی تھے۔ بہترین ایکٹریس' ایکٹر وغیرہ کے اور ارسلہ کیلئے خصوصی ایوارڈ کا اعلان کیا گیا تھا کیونکہ ڈرامہ ہٹ ہونے کا سارا کریڈٹ اس ٹائٹل سانگ کو جا رہا تھا جس کے

بول بھی ارسلہ نے لکھے تھے اور آواز بھی اس کی تھی۔

ابھی چند دنوں بعد اس پروگرام کی تقریب منعقد ہوئی تھی اور اسے دعوت نامہ موصول ہو چکا تھا۔

"کاش رافع میرے ہم سفر ہوتے اور میں ان کیساتھ جا کر یہ ایوارڈ وصول کرتی مگر اب یہ بات ختم ہو چکی ہے۔" نہ جانے کتنی باتیں ذہن میں آتیں اور نکل جاتیں وہ رافع کو سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر پھر بھی وہ آجاتے تھے اس کے خیالوں میں اس کے نظر کے سامنے وہ کیا کرتی۔ اس کا اندرونی اضطراب بڑھ رہا تھا اور تب اس نے سعدیہ کو بلا بھیجا۔

"پلیز سعدیہ آجاؤ میں بہت ڈسٹرب ہوں۔" اور سعدیہ آگئی تھی وہ تو اس کی پرانی دوست تھی۔ ہر بات سے واقف اگر ارسلہ نہ بھی بتائے تو بھی وہ بہت سی باتوں کو سمجھتی تھی۔

"ارے کیا ہوا تمہیں اتنی بیمار لگ رہی ہو۔"

"ہاں میں ڈسٹرب رہی ہوں اور روتی بھی رہی ہوں۔"

"تو مجھے پہلے کیوں نہ بتایا میں آجاتی مگر بات کیا ہوئی؟"

"بس امی یاد آرہی ہیں ابو بھی یاد آرہے ہیں حالانکہ ابو کو گئے تو برسوں بیت گئے امی بھی چلی گئیں اکیلے پن کا احساس شدت اختیار کر گیا ہے"

"تو اس کا سدباب تو ہم سب کرنا چاہتے ہیں ارسلہ تم سمجھ ہی نہیں رہی ہو تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ زندگی کے ساتھی کی جو ہر وقت ہر لحہ تمہارے ساتھ رہے تمہارے دکھ درد، خوشی میں شریک اور اب تو سر علی آجائیں گے پھر تمہارا فیصلہ ہو ہی جائے گا۔ ویسے اب تک تم نے کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کر لیا ہوگا۔"

"ہاں سعدیہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"واقعی کیا فیصلہ کیا ہے جلدی سے بتاؤ۔"

"میں نے سر رافع کو منع کر دیا ہے۔"

"اور اسی لیے ڈسٹرب ہوں۔"

"ہاں یہی بات ہے میں نے رافع کو منع کر دیا۔ اب وہ میری زندگی میں شامل نہیں ہو سکتے۔"

"کوئی خاص بات ہوئی ہے۔"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں عابد بھائی سے بات ہوئی تھی ان کا خیال ہے زندگی کے فیصلے جذبات میں آکر نہیں کیے جاتے۔"

"وہ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اس لیے میں شہاب کے حق میں فیصلہ کرنے کیلئے خود کو تیار کر رہی ہوں۔"

"سوچ اور پسند آج تک تبدیل نہیں کی۔ وہ آج بھی تمہارا منتظر ہے یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اب اگر تم اسے دیکھو تو وہ تمہیں بہت مختلف لگے گا۔ اب وہ بلا پتلا سا کم عمر لڑکا نہیں ایک ہینڈسم مرد ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ اعلیٰ عہدے پر فائز۔ ارسلہ تم خوش نصیب ہو ایسے رشتے نصیب والوں کو ملتے ہیں"

"تم ٹھیک کہتی ہو ایسے رشتے نصیب والوں کو ملتے ہیں میں عابد بھائی اور باجی کو بتادوں گی سعدیہ یہ سب کہتے ہوئے میرا دل خوش کیوں نہیں ہو رہا۔ میرے دل کے تار خاموش کیوں ہیں؟ کیا خوش نصیب لوگ اسی طرح غم کے سمندر میں غوطے لگاتے ہیں کیا آنسو ان کا مقدر ہوتے ہیں۔"

"ایسا مت کہو ارسلہ یہ سب وقتی غم ہے رافع سے الگ ہو جانے کا غم میں جانتی ہو تم رافع کو پسند کرتی تھیں اب بھی کرتی ہو، مگر وہ اپنی زندگی مختلف انداز میں گزار چکے ہیں۔ کچھ سامنے ہے کچھ نہیں بھی ہے جبکہ شہاب ایک کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے رافع ایک بچی کے باپ بھی ہیں اور شہاب نے تمہاری خاطر شادی ہی نہیں کی میں تم سے ایک بات کہوں ارسلہ"

شادی ہمیشہ اس شخص سے کرنی چاہیے جو تم سے کرنا چاہتا ہے نہیں اس شخص سے جس سے تم کرنا چاہتی ہو۔ زندگی کی کامیابی کا یہی راز ہے

"آج میں بہت مطمئن ہوں۔"

تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے اور ہاں اب اپنی شاعری کا فلسفہ بھی تھوڑا سا بدل ڈالو، اب جدائی، یاد اور ایسے ہی غم انگیز نغمے نہ لکھنا کوئی ملن کا گیت لکھ ڈالو جلدی سے سعدیہ نے ہنس کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی بس یونہی...... بے مقصد...... سعدیہ کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی تھی مگر ارسلہ کو ذہنی سکون نہ مل سکا۔

اسی روز عابد بھائی کا فون آگیا۔

"ارسلہ ہم پندرہ دن بعد پہنچ رہے ہیں۔ انشاء اللہ ہماری سیٹ بک ہو چکی ہے۔"

"یہ اچھی خبر ہے آپ لوگ آجائیں گے تو مجھے سکون مل جائے گا۔"

"تم بے سکون کیوں ہو ارسلہ حالانکہ تم نے کہا تھا کہ تم فیصلہ کر چکی ہو۔"

"عابد بھائی میں نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے"

"میں نے سر رافع سے معذرت کر لی ہے۔ منع کر دیا ہے انہیں۔"

"یہ ایک اچھا فیصلہ ہے۔ شہاب کی والدہ کا بھی فون آیا تھا۔ سلمیٰ کی بھی یہی رائے ہے جو میری ہے۔ جب ہم آئیں گے تو تم سے تفصیلی بات ہوگی"

"میں نے شہاب کیلئے کچھ نہیں سوچا ہے۔ عابد بھائی میرے دل میں اس کیلئے کچھ نہیں نہ اچھا نہ برا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شادیاں اسی طرح ہوتی ہیں دو انجانے لوگوں میں بھی ہو جاتی ہے اور وہ خوش رہتے ہیں یہاں تو دو میں سے ایک کی پسند اور خواہش بھی شامل ہے۔ شہاب کو میں جانتا ہوں میں اس کے چچا سے ملا ہوں۔ وہ بھی ہمارے گھر آئے تھے بہت ہی ڈیسنٹ لوگ ہیں۔ شہاب ان میرڈ ہے۔ اس کے مقابلے میں رافع کا رشتہ کسی طور تمہارے لیے مناسب نہیں تھا۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"کیا تم شہاب سے ملتی ہو۔"

"نہیں۔"

"اگر مناسب سمجھو تو مل لو۔"

"پہلے میں اپنے دل کو تو راضی کر لوں عابد بھائی۔"

"اچھا ٹھیک ہے اب بالکل پریشان نہ ہونا نہ کوئی غم کرنا ہم سب آرہے ہیں اس کے بعد کچھ دیر سلمیٰ سے بات کی پھر فون رکھ دیا گیا۔"

وہ آج اپنی شیلف کی صفائی کر رہی تھی پرانی کتابیں نکال کر ڈسٹر سے صاف کر کے رکھنا اور فنائل کی گولیاں ڈالنا ضروری ہو گیا تھا۔ ایسا وہ اکثر کرتی تھی ورنہ کتابوں میں باریک کیڑے آجاتے ہیں جو نظر نہیں آتے اور ہاتھوں میں کھجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ پرانی کتابیں میں نکالتے ہوئے اچانک بائیولوجی کی کتاب ہاتھ میں آئی اور ورق کھل گیا خوب صورت گلاب کا

پھول جو برسہا برس پہلے اسے شہاب نے دیا تھا، وہ پریس کیا ہوا موجود تھا۔ اسے اچانک سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے اسی کتاب میں تو پریس کر دیا تھا اور پھر پھول بھول گئی تھی اس نے آہستہ سے پھول اٹھایا اسے سونگھ کر دیکھا اس میں بہت ہلکی سی خوشبو آج بھی موجود تھی اسے اپنا شعر یاد آگیا۔

ایک لمحہ خوشی کا آہٹ کا
جب کتابوں میں پھول ملتے ہیں

اسے عجیب طرح کی خوشی کا احساس ہوا پچھلا زمانہ یاد آگیا جب اس نے جی ایس کی پوسٹ پر کامیابی حاصل کی تھی اور پارٹی دی تھی تب سب کی فرمائش پر اپنی نظم سنائی تھی۔

زندگی کی اداس شاموں میں
تیری یادوں کے پھول کھلتے ہیں

اور جب سب چلے گئے تھے تب شہاب نے اسے یہ گلاب کا پھول گفٹ کیا تھا۔

"یہ لیجیے پلیز پھول ہی تو ہے کسی کتاب میں رکھ لیجیے گا آپ کا یہ شعر مجھے بہت پسند آیا۔"

ایک لمحہ خوشی کا آہٹ کا
جب کتابوں میں پھول ملتے ہیں

اور اس نے اسے پریس کر لیا تھا۔

آج اتنے برسوں بعد وہی گلاب اسے یادوں کی وادی میں دھکیل رہا تھا۔ اس نے پھر پھول کو سونگھا بہت ہلکی سی خوشبو تھی، مگر اس میں صرف گلاب ہی کی نہیں کسی کے خلوص کی مہک بھی شامل تھی۔ اس نے سوچا وہ اس پھول کو سفید شیٹ پر لگا کر فریم کرے گی اس کے پاس کئی فریم رکھے ہوئے تھے ایک چھوٹی سفید شیٹ پر اس نے پھول رکھ کر ٹہنی پر اسکواش ٹیپ کی مدد سے چپکا دیا اور فریم کے اندر رکھ دیا۔ یہ ایک خوب صورت ڈیکوریشن پیس بن گیا تھا اس نے بیڈروم کے سائڈ پر رکھ دیا۔

ابھی وہ اس کام سے فارغ ہوئی تھی کہ باقر ماموں آگئے۔

"ارے باقر ماموں آپ۔" وہ خوش بھی ہوئی اور متعجب بھی کیونکہ باقر ماموں اس کے گھر نہیں آتے تھے اسکول ہی میں ملاقات ہو جاتی تھی۔

"تمہارے لیے ایک زبردست خبر ہے۔" باقر ماموں خوش تھے۔

"بتایئے ماموں کیا بات ہے آپ خاصے خوش نظر آرہے ہیں۔"

"بیٹی میں تمہاری وجہ سے خوش ہوں میں تمہیں لینے آیا ہوں چلو میرے گھر دیکھو بھلا کون آیا ہے؟"

"ماموں کون آیا ہے کچھ تو بتائیں؟"

"تم سوچ بھی نہیں سکتیں سنوگی تو خوش ہو جاؤ گی۔"

"بھئی تمہارے تایا عبدالباری صاحب آئے ہیں امریکا سے میرے گھر پر ہیں"

ایک طویل عرصے کے بعد اس نے تایا ابو کا نام سنا تو اسے عجیب سا لگا اس کے اندر ہلچل سی مچ گئی۔

"تایا ابو آئے ہیں اور کون کون آیا ہے؟"

"وہ اکیلے آئے ہیں اب چلو گھر چل کر باتیں کرنا۔" اس نے مزید سوالات نہیں کیے جلدی جلدی تیار ہوئی سامان سمیٹ کر رکھا اور بولی۔

"چلیے ماموں میں تیار ہوں۔" وہ دونوں ڈیفنس سوسائٹی پہنچے۔

تایا ابو کو دیکھے ایک زمانہ بیت گیا تھا اس نے بچپن میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ کبھی آئے ہی نہیں ابو کی موت پر بھی نہیں آسکے تھے۔

اور جب سے ان لوگوں نے ان کی مدد کی پیشکش کی ٹھکرایا تھا۔ تائی امی ناراض ہوگئی تھیں اور پھر فون کا سلسلہ بھی بند ہوگیا تھا۔ اس کے بعد امی ختم ہوگئیں گھر بک گیا۔ زندگی میں بے شمار تبدیلیاں آئیں تایا ابو کو کون اطلاع دیتا نہ ان کے گھر کی کچھ خبر تھی نہ اس گھر کی ان کو خبر تھی۔

اب ایک طویل عرصے بعد تایا ابو آئے تھے۔ کسی عزیز کے ذریعے پتا چل گیا تھا کہ باقر ماموں کے ساتھ ارسلہ رہتی ہے وہ کسی نہ کسی طرح باقر ماموں کے گھر ڈیفنس پہنچ گئے تھے جبکہ ارسلہ گلشن کے سکول ناظمہ میموریل اسکول کے اوپر رہتی تھی اور اس وقت باقر ماموں اسے لینے آئے تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی، گیٹ کھولا ارسلہ جلدی سے گاڑی سے اتر گئی اور بھاگ کر اندر پہنچی سامنے لاؤنج میں تایا ابو بیٹھے تھے۔ بالکل ابو کی شکل کے ایسا لگتا تھا ابو زندہ ہوگئے ہیں۔ کتنی مشابہت تھی دونوں میں۔ ابو نے زیادہ عمر نہیں پائی اگر زندہ ہوتے تو ایسے ہی

ہوتے۔ ارسلہ کے پیچھے باقر ماموں بھی داخل ہوئے۔

"یہ ارسلہ ہے باری میاں۔" تایا ابو اٹھے اور بازو پھیلا دیئے۔ ارسلہ بھاگ کر تایا ابو کی بانہوں میں سما گئی اور پھر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اسے پتا ہی نہیں تھا وہ تایا ابو سے کتنی محبت کرتی ہے اور اسے یہ بھی پتا نہیں تھا ابو اسے کتنا چاہتے ہیں، تایا ابو بھی رو رہے تھے۔

"بس کرو بیٹی مت رو، خشک کرلو یہ آنسو، میں خود کو مجرم سمجھتا ہوں۔ تم سب میرے بچے ہو وہ سلمٰی بھی اور تم بھی ...... باقی میاں ختم ہوئے، بھاوج بھی ختم ہوئیں۔ مجھے بھاوج کی اطلاع بھی نہ ملی، لیکن مل بھی جاتی تو کیا تھا میں بھائی کے مرنے پر نہ آسکا تو......" اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگے۔

"تایا ابو مت روئیں پلیز...... بھول جائیں سب کچھ...... آپ بتائیں آپ سب کیسے ہیں، تائی امی، روما اور نیہا سب کیسی ہیں۔ وہ کیوں نہیں آئیں؟"

"سب بتاؤں گا، پہلے اپنی بیٹی کو دل بھر کر دیکھ تو لوں۔" وہ مسکرائے۔

ارسلہ بھی آنسو خشک کرکے مسکرادی۔

"بیٹی مجھے پتا چلا کہ سلمٰی کی شادی اس کے خالہ زاد سے ہوگئی تھی وہ لوگ انگلینڈ میں رہتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ خالدہ بھی ختم ہوگئیں۔ گھر بک گیا اور تم اب تک اکیلی ہو...... باقر کے ساتھ...... میں نے کئی بار پرانے نمبر پر ٹرائی کیا مگر مل نہ سکا۔ پھر مجھے ایسے ایک جاننے والے کے ذریعے بہت سے حالات معلوم ہوئے جو یہاں سے گئے تھے اور تم لوگوں کو بھی جانتے تھے لیکن میرے اپنے حالات ٹھیک نہ تھے اس وجہ سے آنہ سکا۔ بیٹی مجھے معاف کردینا"۔

"ارے نہیں...... یہ کب ہوا؟"

"تین سال ہوگئے۔"

"افسوس...... ہمیں تو کچھ پتا نہ چلا اگر معلوم ہوتا تو میں آپ کو فون ہی کرلیتی۔"

"بس ان فاصلوں نے دلوں میں بھی فاصلے کردیئے تھے مگر اب میں نے زندگی کا ایک بڑا فیصلہ کیا ہے۔"

"وہ کیا تایا ابو؟"

"کراچی میں مستقل رہنے کا فیصلہ...... تم میرے پاس رہوگی، میری بیٹی بن کر۔"

"تایا ابو آپ نے روما اور نیہا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"ان ہی کا غم تو لے ڈوبا ہم دونوں کو..... تمہاری تائی اماں برداشت نہ کرسکیں، جان سے چلی گئیں، میں برداشت کر گیا۔"

"تایا ابو بتائیں کیا بات ہوئی مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

ایسی کوئی خاص بات نہیں، روما اور نیہا دونوں اچھی لڑکیاں ہیں۔ بہت پڑھی لکھی ہیں، دولت میں کھیل رہی ہیں مگر دونوں نے امریکہ کے رواج کے مطابق امریکن لڑکوں سے کورٹ میرج کی اور اپنی زندگی میں خوش ہیں۔ ہم لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ غیر مسلم سے نکاح جائز نہیں مگر وہ وہاں پر پلی بڑھی تھیں، ہمارے دلائل انہیں قائل نہ کرسکے اور انہوں نے اپنی من مانی کی، ہم مجبور ہوگئے۔ تمہاری تائی امی کو بہت دکھ تھا، بس ایک بار ہارٹ اٹیک ہوا تو سنبھل گئیں مگر دوسرا اٹیک جان لیوا ثابت ہوا۔ میں خود بھی بیمار تھا۔ تم لوگوں کا پتا چلایا تو کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ بہر حال اب معلوم ہوا تو آگیا ہوں۔"

"بہت افسوس ہوا آپ کے حالات سن کر۔" ارسلہ نے کہا۔ "کیا آپ مستقل آگئے ہیں؟"

"ابھی میں واپس جاؤں گا۔ اس کے بعد پراپرٹی فروخت کر کے کراچی آؤں گا تاکہ یہاں گھر خرید سکوں۔"

"ابھی فوراً تو واپس نہیں جائیں گے۔"

"نہیں ابھی تو آیا ہوں۔"

"میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ باجی اور عابد بھائی بچوں سمیت آرہے ہیں۔ دو ہفتے بعد۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوگا، سلمیٰ مجھے بہت چاہتی ہے، وہ بڑی خوش ہوگی مجھے دیکھ کر۔"

"تایا ابو کیا میں آپ کو نہیں چاہتی؟"

کیوں نہیں، تم دونوں میری آنکھوں کا تارہ ہو۔"

"آپ اچھے وقت پر آئے ہیں باری صاحب، سلمیٰ آجائے تو ارسلہ کی شادی کا فیصلہ ہونا ہے۔ آپ کے سامنے ہی ہو جائے گی۔" تایا ابو اچانک خوش ہوگئے۔

"واقعی، کیا ارسلہ بیٹی کے لئے کوئی اچھا رشتہ آیا ہوا ہے؟"

"جی ہاں، اللہ کے حکم سے ایک بے حد معقول رشتہ آیا ہوا ہے۔ سلمیٰ سے میری بات ہوئی ہے اس نے بتایا ہے مجھے۔"

"یا الٰہی تیرا شکر ہے۔" تایا ابو نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ "مجھے بہت فکر تھی ارسلہ کی، اللہ سے دعا کرتا تھا روز گڑگڑا کر، اللہ نے سن لی مجھ گناہ گار کی۔" تایا ابو نے ایک بار پھر ارسلہ کو گلے لگایا اور کہا۔

"بیٹی اب میں آگیا ہوں، تم کوئی فکر نہ کرنا...... یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا باپ زندہ نہیں ہے۔ میں ہوں تمہارا باپ اور تایا سب کچھ۔"

تایا ابو، باقر ماموں نے ہم لوگوں کے ساتھ بہت کیا اگر ان کا ساتھ نہ ہوتا تو میں کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔"

"یہ بات میں جانتا ہوں مانتا بھی ہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ میں باقر صاحب کی ذات کی نفی کر رہا ہوں۔ قطعی نہیں میں تو صرف ایک احساس کی بات کر رہا ہوں۔ اب ماموں کے ساتھ تایا بھی ہوں گے تمہارے ساتھ۔"

"باری میاں ٹھیک کہہ رہے ہیں ارسلہ۔" باقر ماموں نے کہا۔ "تایا باپ کی جگہ ہوتا ہے، کسی پر اثر پڑے نہ پڑے غیروں پر ان باتوں کا بہت اثر پڑتا ہے۔ میری مراد سمدھیانے والوں سے ہے۔ وہ کسی طرح ہمیں اپنے سے کم نہ سمجھیں۔"

"اچھا اب باقی باتیں بعد میں...... چائے پی لی جائے کیا خیال ہے؟" باقر ماموں نے کہا تو سب اٹھ کر کھانے کی میز پر چلے گئے جہاں چائے کے ساتھ بہت سی کھانے پینے کی اشیاء سجی ہوئی تھیں۔ ملازم نے کافی اہتمام کر دیا تھا جو کہ یقیناً باقر ماموں کے کہنے پر ہی کیا گیا تھا۔

"بیٹی آج تم یہیں رک جانا۔" باقر ماموں نے کہا

"ٹھیک ہے ماموں، میں منھی خالہ کو فون کر دوں گی۔"

"یہ منھی خالہ کون ہیں؟" تایا ابو نے پوچھا۔

"ہماری بہت پرانی پڑوسن ہیں، امی کی غم گسار اور دوست ان کے شوہر اور بیٹا...... ایک مسجد کے اندر ہونے والے خودکش حملے میں ختم ہوگئے تھے۔ تب سے یہ ہمارے ساتھ ہیں۔"

"دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو طرح طرح کے غموں سے دو چار ہیں۔" جب دوسروں کے

دکھ سنو تو اپنی خوش قسمتی کا اندازہ ہوتا ہے۔'' تایا ابو نے کہا۔

''تایا ابو ان کا بیٹا حافظ قرآن تھا۔ پورے محلے کے کام آتا تھا۔ ان کے شوہر غوری صاحب نے ہر موقع پر ہم لوگوں کی مدد کی۔ ابو کے کفن دفن کا انتظام کرنے والے وہی تھے۔''

''اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ تم بھی ان کا خیال رکھتی ہوگی۔''

''جی ہاں تایا، اب وہ میرے لیے امی کی جگہ ہیں۔''

تایا ابو کے آجانے سے ارسلہ کو اتنی خوشی تھی کہ وہ سنبھال ہی نہیں پا رہی تھی۔ کتنے عرصے سے خوشی کی کوئی کرن پاس نہیں آئی تھی۔ باقر ماموں نے بہت ساتھ دیا تھا مگر تایا کی بات ہی دوسری ہوتی ہے۔ وہ تایا ابو کی خوشی میں اپنے ذاتی دکھ بھول گئی تھی۔ اس نے فوراً ہی باجی کو فون کیا اور مختصر طور پر تایا ابو کی آمد اور حالات بارے میں بتایا۔ یہ خبر ان لوگوں کے لئے بھی بے حد خوش کن تھی۔

''ارسلہ تایا ابو کو ابھی جانے نہ دینا۔ ہم لوگ آنے والے ہیں۔''

ابھی وہ دو ماہ رہیں گے اس کے بعد واپس جا کر دوبارہ آئیں گے مستقل طور پر۔''

''تم میری تایا ابو سے بات کراؤ۔'' ارسلہ نے فون لا کر تایا ابو کو تھما دیا۔ سلمیٰ نے تایا ابو سے دیر تک باتیں کیں۔

''تایا ابو آپ کو پتا ہے ارسلہ کی شادی ہونے والی ہے۔''

''ہاں، مجھے پتا چلا ہے باقر صاحب نے بتایا ہے۔''

''ابھی بات طے نہیں ہوئی ہے تایا ابو ..... کیونکہ ارسلہ کچھ گول مول جواب دے رہی ہیں لیکن آپ کے آجانے سے مجھے تقویت ملی ہے اب سب معاوضہ ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ کے حکم کے سامنے اس کی مجال نہیں کہ کچھ بول سکے۔''

''ٹھیک ہے جب تم لوگ آؤ گے تب بات ہوگی تفصیل سے۔'' اس کے بعد فون رکھ دیا گیا۔

❀ ❀ ❀

رافع عارضی طور پر امی کی گھر شفٹ ہوگئے تھے۔ گھر کو تالا لگا دیا تھا۔ پہلے تو خیال تھا کہ جلد ہی ارسلہ سے شادی کر کے گھر لے آئیں گے اور گھر آباد ہوجائے گا۔ مونا بھی یہیں آجائے گی مگر ارسلہ کے انکار نے انہیں حد درجہ ڈسٹرب کر دیا تھا۔ ابھی تک انہوں نے یہ

بات اپنے گھر میں نہیں بتائی تھی۔ سب یہی سمجھ رہے تھے کہ ارسلہ کے بہن بہنوئی کے آنے پر رشتہ طے ہوگا۔

کئی دنوں سے وہ چاہ رہے تھے کہ بات کریں مگر منہ سے الفاظ نہیں نکلتے تھے۔ آج سیما نے خود ہی کہا۔

''بھائی، آپ نے مجھے ارسلہ سے نہیں ملوایا۔ اگر میں مل لوں تو کیا حرج ہے؟''

''سیما میں تم سے خود ہی بات کرنے والا تھا۔ دراصل اب وہ معاملہ ختم ہوگیا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''یہی کہ ارسلہ نے اس شادی سے انکار کر دیا ہے۔''

''مگر اس کی وجہ کیا ہوئی؟''

''دراصل ڈاکٹر ثریا اس کی دوست ہے، جب وہ اسپتال میں داخل تھی تو انہی کے زیر علاج تھی۔ دوستی ہوگئی اور جب ثریا کو پتا چلا کہ ارسلہ مجھ سے شادی کرنے جا رہی ہے تو اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ یہ صدمہ ارسلہ برداشت نہ کر سکی۔''

''بھائی یہ تو بہت برا ہوا۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ خود ہی سب کچھ اسے بتا دیں مگر آپ نے میری بات نہیں مانی۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو اگر میں پہلے ہی اپنی غلطیاں بتا دیتا تو شاید حالات مختلف ہوتے۔''

''پھر اب کیا سوچا ہے آپ نے؟''

''دو ماہ پہلے آسٹریلیا سے ایک جاب کی آفر ملی تھی، اس وقت میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اب سوچ رہا ہوں کہ آفر قبول کرلوں۔ میں آسٹریلیا چلا جاؤں گا پاکستان میں رہنے کو اب میرا دل نہیں مانتا۔''

''اور مونا...... وہ آپ کے بغیر کس طرح رہے گی؟''

''رہ لے گی..... امی ہیں نا.....یعنی میری امی ..... وہ دادی سے بہت اٹیچڈ ہے۔''

''لیکن آپ نے تو ارسلہ کے بہنوئی سے بات بھی کر لی تھی۔''

''ہاں میں نے علی سے بات کر لی تھی مگر ارسلہ کی رضا مندی کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔''

''امی ابو تو بڑے مطمئن تھے کہ آپ کا گھر بس جائے گا، بچی آپ کے پاس رہے گی۔''

''ہاں مگر تقدیر پر کچھ اور لکھا تھا۔''

"اس میں کیا شک ہے میں ہی اس کے لائق نہیں تھا۔"

"بھائی میں کسی اچھی سی لڑکی سے آپ کی شادی کروادوں گی، آپ غم نہ کریں۔"

"نہیں سیما...... میرا اب شادی کا کوئی ارادہ نہیں، میں صرف ارسلہ کی وجہ سے راضی ہوا تھا کیونکہ وہ مجھے پسند تھی...... لیکن میں بار بار اب یہ تماشا دہرانا نہیں چاہتا...... میری مونا کچھ بڑی ہوجائے تو اسے اپنے پاس بلالوں گا۔"

امی ابو کو بھی پتا چل گیا تھا کہ ارسلہ نے انکار کر دیا ہے۔ ابو تو خاموش رہے مگر امی نے کہا۔

"تو لڑکیوں کی کمی تو نہیں دنیا میں۔ کوئی اور مل جائے گی مگر ابھی جلدی مت کرو...... سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا۔"

"امی میں اب شادی نہیں کروں گا، یہ میرا فیصلہ ہے اور میں آسٹریلیا جا رہا ہوں۔"

"اس سے کیا ہوگا؟ مونا تمہیں یاد کرے گی پھر بوڑھے ماں باپ بھی ہیں، ان کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔"

"حسیب ہے نا یہاں اور پھر میں بھی آتا جاتا رہوں گا۔ دنیا بہت سمٹ گئی ہے امی...... فاصلے اب کوئی اہمیت نہیں رکھتے جو لوگ کراچی شہر میں رہتے ہیں ان سے برسوں ملاقات نہیں ہوتی، باہر رہنے والے تو سال میں ایک بار آہی جاتے ہیں۔"

"اب میں کیا کہوں، تم اپنی مرضی کے مختار ہو۔"

"امی آپ غلط کہہ رہی ہیں، میں نے اپنی مرضی نہیں چلائی۔ ثریا کے ساتھ شادی دونوں گھرانوں کی مرضی سے ہوئی تھی۔ یہ اور بات کہ وہ کامیاب نہ ہوسکی۔ پھر میں نے کئی سال کے بعد دوسری شادی کی وہ بھی آپ لوگوں کی مرضی سے اور اس کا جو انجام ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ ہاں اب میں اپنی مرضی اور خوشی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ ارسلہ بہت اچھی لڑکی ہے مگر اس نے انکار کر دیا تو یہ میری تقدیر کا لکھا ہے۔ میں اسے بھی قبول کرلوں گا مگر مزید شادی نہیں کروں گا۔ امی پلیز آئندہ آپ شادی کی بات مت کیجیے گا اور نہ ہی کوئی لڑکی تجویز کیجیے گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی...... مجھے تو مونا کی فکر ہے، نہ ماں کی ممتا ملی نہ باپ کی محبت...... کم از کم تمہیں دیکھ تو لیتی تھی۔"

"امی میں مونا کو بہت چاہتا ہوں اور اب اسی کے ساتھ زندگی کے باقی دن پورے کروں گا۔ بس تھوڑی بڑی ہوجائے تو میں اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔"

"میرے قویٰ بھی اب کمزور پڑ چکے ہیں، کیسے سنبھالوں گی بچی کو۔"

"امی یہاں بہت سی آسانیاں ہیں، سیما بھی ہے، مجھے اطمینان رہے گا۔ مجھے جانے سے نہ روکیں، میں نے ملازمت کی آفر قبول کرلی ہے۔"

"کب تک روانگی ہے؟"

"ابھی تاریخ طے نہیں ہوئی، جلدی چلا جاؤں گا۔"

"بھائی آپ کو پتا ہے "اگر ملنا نہیں ہمدم" پر ارسلہ کو اسپیشل ایوارڈ مل رہا ہے، یہ تقریب کچھ دنوں کے لئے ملتوی ہوگئی ہے۔ ایک ماہ بعد ہوگی اب ٹی وی پر دکھائیں گے سب کچھ۔"

"اب مجھے کچھ نہ بتاؤ سیما۔ میرا دل ویسے ہی پریشان ہے۔" یہ کہہ کر رافع اس جگہ سے اٹھ گئے۔

❀ ❀ ❀

تایا ابو کے آنے کی اطلاع سعدیہ کو ہوگئی تھی۔ اس نے یہ بات شہاب کو بتا دی تھی۔ شہاب کے گھر والے بے حد خوش تھے۔

"سعدیہ آپ کسی طرح تایا ابو سے میری ملاقات کا انتظام کر دیں۔ میں چاہتا ہوں سر علی کے آنے سے پہلے میں ان سے مل لوں۔" شہاب نے کہا۔

"آپ کی تجویز معقول ہے، میں خود ارسلہ کے تایا ابو سے بات کروں گی۔"

"اگر وہ اجازت دیں تو ہم باقاعدہ رشتہ لے کر آنے کو تیار ہیں۔" شہاب کی امی نے کہا۔

"ابھی رک جائیں، پہلے میں ان لوگوں سے بات کرلوں، باقاعدہ رشتے کی بات سر علی کے آنے کے بعد ہی رکھیے گا، دراصل یہ سب تو فارمیلیٹیز ہوتی ہیں، ورنہ سب کچھ پہلے ہی طے ہو چکا ہوتا ہے۔ یہاں معاملہ ہے یہ کہ ابھی کچھ بھی طے نہیں ہے۔"

"سعدیہ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی...... ابھی تو کچھ بھی طے نہیں...... ہمیں یہ تک معلوم نہیں کہ ارسلہ کی کیا مرضی ہے۔"

"میرے خیال میں اب آپ کو ارسلہ سے مل لینا چاہیے۔" سعدیہ نے کہا۔

"ہوسکتا ہے۔ وہ اس بات کو مناسب نہیں سمجھیں؟" شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا میں ارسلہ سے بات کر کے آپ کو بتاؤں گی۔ ویسے آپ لوگ اطمینان رکھیں، اس نے منع نہیں کیا ہے۔" سعدیہ نے ارسلہ کو فون کیا۔

"ارسلہ مجھے اپنے تایا ابو سے کب ملوا رہی ہو؟"

"جب تم کہو...... میں تمہیں آج ہی لے چلوں گی۔"

"ٹھیک ہے، میں تیار رہوں گی۔" شام کو ارسلہ نے سعدیہ کو لیا اور تایا ابو کے گھر آ گئی۔

تایا ابو سعدیہ سے غائبانہ طور پر واقف تھے۔

"تایا ابو آپ کے پاس ایک خاص کام سے آئی ہوں۔"

"ہاں، ہاں کہو...."

"آپ کو پتا ہے ارسلہ کے سلسلے میں شہاب کے گھر والوں نے مجھے ہی درمیان میں ڈالا ہے تو اب ان کی خواہش ہے کہ وہ لوگ آپ سے مل لیں۔"

"میں خود بھی شہاب سے ملنا چاہتا ہوں، یہ بہت ضروری ہے۔"

"کل اتوار ہے کل بلالیں آپ ان لوگوں کو .....ویسے ان کے گھر میں کون ......شہاب کی والدہ ہیں اور دو عدد بچیاں جو شہاب کی بھانجیاں ہیں۔"

"بہت مناسب رہے گا ٹھہرو میں باقر صاحب سے مشورہ کرلوں۔" باقر صاحب بھی آ کر پاس بیٹھ گئے اور پروگرام طے ہوگیا۔ اسی وقت شہاب کے گھر فون کیا گیا اور ان سب کو تایا ابو کے گھر یعنی باقر ماموں کے گھر رات کے کھانے پو انوائٹ کرلیا گیا۔

ارسلہ سب کچھ سن رہی تھی مگر خاموش تھی۔

اب سعدیہ اور ارسلہ دوسری جگہ جا کر بیٹھ گئیں۔

"ارسلہ تم بھی کل دعوت میں آنا۔"

"یہ مشکل ہے سعدیہ...... میں تو اس سے کبھی ملی ہی نہیں۔"

"ویسے میری ایک تجویز ہے اگر تم مان سکو۔"

"وہ کیا؟"

"تم شہاب سے بات کرلو ایک بار، یہ بے حد ضروری ہے۔" ارسلہ کچھ سوچنے لگی۔

'اب سوچو مت...... جو بات ہورہی ہے اسے خوش دلی سے قبول کرو اور وسعت قلبی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے تم خود اسے فون کرو یقین کرو، اسے زندگی مل جائے گی وہ بہت غیر مطمئن ہے کیونکہ تمہاری واضح رضا مندی سامنے نہیں آئی ہے۔ ہاں تم اس کے پروپوزل پر خاموش ہو یعنی تم نے انکار نہیں کیا ہے، اتنی بات وہ جانتا ہے۔"

"میں یہ بھی بتاؤں تمہیں۔"

"اچھا، میں آج رات کو اس سے بات کروں گی۔"

"اس سے بات کر چکو تو مجھے بھی ایک عدد فون کر دینا۔"

"بڑی ایکٹو بن رہی ہو ان دنوں میں۔"

"ظاہر ہے شہاب کی طرف سے میں ہی تو ہوں بات کرنے والی اور ہاں ذرا رعب میں رہنا، میں نند ہوں تمہاری!"

"سب سمجھ رہی ہوں، پوری نانی اماں بن رہی ہو پتا نہیں کیا جادو کر دیا ہے شہاب نے تم پر۔"

"جادو تو تم نے کیا ہے میرے معصوم سے بھائی پر۔"

"سبحان اللہ، کیا معصومیت ہے۔"

"عاشق صادق کہو...... برسوں گزر گئے مگر بندہ اپنی جگہ پر ڈٹا رہا..... اس بے چارے نے تمہارا پتا چلانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا...... اور پھر ایک دن میں نظر آ گئی بازار میں۔ سچ ہے اگر جذبہ صادق ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو اگر جذبہ صادق نہ ہو کھوٹ ہو اس میں تو منزل کھو بھی جاتی ہے۔" اسے پھر رافع کا خیال آ گیا تھا جنہوں نے اس سے زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا تھا اور جنہیں معاف کرنے کو وہ تیار نہ تھی۔

"اب تم پھر پٹڑی سے اتر رہی ہو۔ خبردار اب اس شخص کے بارے میں سوچا جو کبھی تمہارا تھا ہی نہیں۔"

"یہی میں بھی سوچتی ہوں وہ کبھی بھی میرے نہ تھے میں نہ جانے کیوں انہیں اپنے دل میں جگہ دے بیٹھی تھی۔"

"وہ ایک خود غرض انسان تھا، میں تو یہی کہوں گی۔"

"اچھا چھوڑو سعدیہ...... آئندہ رافع کا کوئی ذکر نہیں کرنا۔"

"میں کیوں کروں گی ذکر، تم ہی پٹری سے اترنے لگتی ہو تو ٹوکنا پڑ جاتا ہے۔"

"نہیں میں نے اب اپنا مائنڈ بنالیا ہے۔"

"تو پھر آج رات تم شہاب کو فون کر رہی ہو یاد رہے اور اب مجھے دیر ہو رہی ہے اگر ممکن ہو تو مجھے میرے گھر ڈراپ کروادو۔"

"میں بھی چلوگی، میں باقر ماموں اور تایا ابو سے کہہ دوں۔" ارسلہ نے اجازت مانگی۔

کل کی دعوت کے لئے سعدیہ، قاسم کو بھی بلا لیا گیا تھا اور ارسلہ کو تو آنا ہی تھا، وہ یہ بات جانتی تھی اس لئے آج رات شہاب سے فون پر بات کرنے کی اس نے حامی بھر لی تھی۔

ڈیفنس سے گلشن کا راستہ لمبا تھا۔ اوپر سے ٹریفک کا اژدھام واپس ہوتے ہوئے خاصی دیر ہوگئی۔ اندھیرا ہو رہا تھا، ارسلہ نے سعدیہ کو اس کے گھر ڈراپ کیا اور خود اپنے گھر آگئی۔

❀ ❀ ❀

شہاب کا موبائل نمبر اس کے پاس تھا جو سعدیہ نے دیا تھا۔ اس نے آخر کار نمبر ڈائل کر ہی لیا۔

"ہیلو۔"

"میں ارسلہ بات کر رہی ہوں۔"

"ارسلہ تمہیں نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ یہ آواز میں ایک لاکھ آوازوں میں پہچان سکتا ہوں، کیسی ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

"تم ملوگی تو خود ہی دیکھ لینا۔ ارسلہ کیا ایسا ممکن ہے کہ تم مجھ سے ایک بار مل لو۔"

"کیوں نہیں...... بہت عرصہ ہوگیا ہمیں ملے ہوئے۔"

"واقعی ایسا لگتا ہے صدیاں گزر گئی ہیں۔" شہاب نے کہا۔

"کل رات تمہارے تایا ابو نے انوائٹ کیا ہے۔ تم تو آؤ گی نا؟"

"آنا تو ہے...... مگر......"

"مگر کیا؟"

"آپ کل دوپہر ہمارے اسکول آجائیں، میں ڈنر سے قبل ہی آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور میں کل آفس کی چھٹی کر لوں گا، میرا خیال ہے گیارہ بجے کا وقت مناسب ہو گا۔"

"میں انتظار کروں گی۔"

"ارسلہ تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟"

"یہ بات آپ نے کیوں سوچی۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں، میں نے ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے۔"

"تھینک یو ارسلہ...... میرے دل کو سکون مل گیا ہے۔"

"آپ سعدیہ کو مت بتائیے گا کہ کل آپ مجھ سے ملنے آرہے ہیں۔"

"جو حکم سرکار کا...... مگر ٹیلی فون والی بات تو اسے معلوم ہوگی۔"

"ہاں یہ ذکر میں کر دوں گی۔"

"اب تو سر علی کے آنے میں چند دن ہی رہ گئے ہیں۔"

"ہاں صرف ایک ہفتہ باقی ہے۔"

"اتنے عرصے بعد تمہاری آواز سن رہا ہوں، یقین نہیں آرہا۔" شہاب نے کہا پھر بولا۔

"ارسلہ مجھے تمہاری غزل زبانی یاد ہے جو تم نے پہلی بار یونیورسٹی میں پڑھی تھی جس کا آخری شعر یہ تھا۔

زندگی کے سفر میں کھو کر بھی
ملنے والے ضرور ملتے ہیں

تم نے کتنا صحیح کہا تھا اور تم ہمیشہ ہی بہت صحیح لکھتی ہو۔ تمہاری وہ معروف نظم اگر ملنا نہیں ہمدم نہ جانے میں کتنی بار سن چکا ہوں، میرے پاس اس کی سی ڈی ہے ایسا لگتا ہے کہ اس میں میرے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ میں یہ سب اکثر سوچتا تھا کہ اگر ہمیں ملنا نہیں تو پھر تم میرے خوابوں میں کیوں آتی ہو، یاد بن کر کیوں کھڑی رہتی ہو ہر وقت میرے سامنے، یہ کیسی آزمائش ہے، یہ سب کیوں ہے؟ ارسلہ تم بہت اچھا لکھتی ہو۔ بے حد خوب صورت پڑھتی ہو۔ میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے تمہارا ساتھ نصیب ہو رہا ہے۔ اب میں سوچ رہا ہوں ...... میرا انتظار سودمند رہا...... میں نے تمہیں پا ہی لیا۔"

"اچھا ایک بات بتائیں شہاب؟"

"ضرور پوچھو ارسلہ۔"

"آپ کو یاد ہے آپ نے مجھے ایک گلاب کا پھول دیا تھا۔"

"ارے تو تمہیں یاد ہے وہ لمحہ۔"

"میں نے اسے پریس کر لیا تھا۔"

"اچھا۔"

"اور اب میں نے اسے فریم کر لیا ہے، آپ آئیں گے تو دکھاؤں گی آپ کو۔"

"مجھے حیرت ہو رہی ہے اور خوشی بھی کہ تم نے اس کی اب تک حفاظت کی۔"

"اور اس پھول میں اب تک ہلکی سی خوشبو ہے۔"

"تم کتنی عجیب سی باتیں کر رہی ہو۔"

"عجیب کیوں؟"

"اس سے قبل کبھی تم نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"ضرورت ہی نہیں پڑی تھی مگر شہاب اب شاید آپس میں بات کر لینا ضروری ہو گیا تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، اب مجھے کل کا شدت سے انتظار ہے۔"

"پھر اب اجازت دیں۔"

"اللہ حافظ۔"

❀ ❀ ❀

وہ اپنے آفس میں بیٹھی تھی۔ گھڑی کی سوئیوں نے گیارہ بجائے اور وہ ٹھیک وقت پر آن پہنچا تھا۔ "میڈم شہاب صاحب آئے ہیں۔" چپراسی نے آکر کہا تھا۔

"انہیں اندر بھیج دو اور دیکھو میری ضروری میٹنگ ہے ابھی کسی اور کو اندر مت بھیجنا۔"

چپراسی چلا گیا۔

وہ کتنا بدل گیا تھا۔ عمر کے اس حصے میں وہ بہت ہی ہینڈسم اور باوقار لگ رہا تھا اور وہ زیادہ عمر کا تھا بھی نہیں۔ ارسلہ کا کلاس فیلو اور اسی کا ہم عمر تھا۔ دونوں نے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ارسلہ نے کہا۔

"پلیز بیٹھ جائیے۔" وہ بیٹھ گیا۔

"آپ بہت چینج ہو گئے ہیں۔" وہ بھی بیٹھ گئی۔

"اچھا مگر آپ بالکل ویسی کی ویسی ہی ہیں ذرا بھی نہیں بدلیں۔"

"لیکن حالات کتنے بدل گئے ہیں۔ میرا تو سب کچھ ہی بدل گیا، کچھ بھی باقی نہیں بچا۔"

"یہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے ارسلہ مگر میں تمہاری ہمت اور حوصلے کو سراہتا ہوں، تم نے بہت اچھی طرح سے اپنی زندگی کو مصروف رکھا۔"

"اگر باقر ماموں رحمت کا فرشتہ بن کر نہ آگئے ہوتے تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔"

"میں پھر کہوں گا یہ سب خدائی کام ہیں، اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کو وسیلہ بنا دیتا ہے۔ دنیا اسی طرح چل رہی ہے اب دیکھو تمہارے تایا ابو بھی آئے۔"

"واقعی ان کے آنے کی تو امید بھی نہیں تھی۔"

"اب سب ہی آ رہے ہیں، تمہاری باجی اور سرعلی اور ان کے والدین، اس کے علاوہ میرے چچا کی فیملی بھی آئے گی۔"

"خالہ جان سے ملے بھی بہت عرصہ ہو گیا۔"

"دیکھو ہمارے گھروں میں رونقیں اترنے والی ہیں۔"

"آپ بتائیں کیا کرتے رہے اتنے دنوں۔"

"تمہیں ڈھونڈتا رہا تھا اور تمہیں یاد کرتا رہا تھا۔ یہ شاعری نہیں ہے۔ یہ سچ ہے ارسلہ..... کوئی دن کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جب میں نے تمہارے لئے سوچا نہ ہو اور میری اس خواہش کو شروع ہی سے میری ماں بھی جانتی تھیں اور میری مرحومہ بہن بھی۔"

"اور اگر میں آپ کو نہ ملتی تو......؟"

"میں یہ بات کیوں سوچوں، میں صرف اچھی بات سوچتا ہوں، مجھے اتفاق سے سعدیہ بازار میں مل گئی تھیں تو میں نے ان کا فون نمبر لیا اور اس طرح تم تک رسائی ہو گئی ورنہ میں اب کوئی اور ترکیب آزماتا۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً ٹی وی والوں سے رابطہ کر کے تمہارا پتا معلوم کرتا۔"

"اس سے پہلے کیوں ایسا نہیں کیا؟"

''میں نے ایک رسالے سے رابطہ کیا تھا مگر انہوں نے نمبر بتانے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم خواتین کے فون نمبر کسی کو نہیں دیتے۔''

''ہاں تو قانون ہے اگر کوئی جان پہچان والا مانگے تو دے دیتے ہیں۔''

''بس کوشش میں لگا ہوا تھا بہرحال اللہ تعالیٰ نے میری سن لی۔''

''اللہ میاں سے بہت قریبی تعلقات ہیں آپ کے۔''

''بہت قریبی...... ارسلہ ہم سب حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں اور پتا ہے میں نے خانہ کعبہ کے سامنے اور مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر تمہارے لئے دعا کی تھی پھر دعا کیوں نہ قبول ہوتی۔''

''آپ کتنے خوش نصیب ہیں وہ سب کچھ دیکھ چکے ہیں جس کو دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترستی ہیں۔''

''میں تمہیں لے کر جاؤں گا۔ ارسلہ میں پہلی فرصت میں تمہیں حج کراؤں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''آپ اوپر چلیں میرے گھر، میں آپ کو ایک چیز دکھاؤں گی۔''

''تم اوپر رہتی ہو۔''

''جی ہاں، باقاعدہ اچھا سا گھر ہے۔ کچھ اضافی کمرے بھی ہیں۔''

پھر اس نے گھنٹی بجائی۔ چپراسی آگیا۔

''تم صاحب کو اوپر لے جاؤ، میرے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آرہی ہوں۔'' چپراسی شہاب کو اپنے ساتھ لے گیا۔

تھوڑی دیر میں ارسلہ بھی اوپر آگئی۔ پہلے وہ بیڈ روم میں گئی اور شہاب کا دیا ہوا گلاب کا پھول جو اس نے فریم کر لیا تھا، اٹھایا پھر ڈرائنگ روم میں آگئی۔

''یہ دیکھئے وہی پھول ہے جو اٹھارہ برس پہلے آپ نے مجھے دیا تھا۔''

''واقعی...... کتنا خوبصورت لگ رہا ہے، خشک ہونے کے باوجود اس کی دلکشی قائم ہے۔''

''آپ کو وہ شعر بھی یاد ہوگا۔''

''کیوں نہیں...... تم نے لکھا تھا۔

ایک لمحہ خوشی کا آہٹ کا

جب کتابوں میں پھول ملتے ہیں''

''آپ کا حافظہ اچھا ہے۔''

''اپنے انٹرسٹ کی بات یاد رہتی ہے۔'' پھر دونوں خاموش ہو گئے جیسے کرنے کے لئے کوئی بات نہ ہو۔

''ارسلہ تم بتاؤ تمہیں کون سا نگینہ پسند ہے؟''

''مجھے روبی پسند ہے۔''

''میں تمہارے لئے انگوٹھی بناؤں گی تو روبی لگواؤں گا۔'' اتنے میں ٹرالی آگئی۔ چائے کے ساتھ کچھ کھانے پینے کا سامان بھی تھا۔

''ارے اتنا تکلف ارسلہ میں اس وقت صرف ایک کپ چائے لوں گا۔''

''مگر یہ چھولے کھا کر دیکھیں...... میں نے خود بنائے ہیں۔'' شہاب نے ارسلہ کی خاطر تھوڑی بہت چیزیں کھائیں اور چائے کا کپ لے کر بیٹھ گیا۔

''ارسلہ تمہیں نگی یاد ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں وہ بھی کوئی بھولنے کی چیز ہیں۔ خاصی پرومننٹ شخصیت تھی نگی کی ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں۔''

''سر رافع کے ساتھ کچھ افیئر تھا ان کا؟''

''وہ خود ایسا کہا کرتی تھی مگر ہوا تو کچھ بھی نہیں، آپ سب کچھ جانتے ہوں گے۔''

''ہاں میں جانتا ہوں، ان کی شادی بیوروکریٹ گھرانے میں ہوئی تھی جو کہ ناکام ہوگئی اور ان کی ایک بچی بھی ہے۔''

''نگی کی بھی شادی ہوگئی تھی اچھی جگہ...... مجھے ایک بار ملی تھی۔''

''کہاں؟''

''ایک شادی میں...... سعدیہ بھی تھی میرے ساتھ وہاں نگی بھی آئی ہوئی تھی اپنے شوہر کے ساتھ ایک بچہ تھا گود میں...... خاصی پرانی بات ہے۔''

''ہاں بھئی سب ہی ہو گئے اپنے اپنے گھر کے' بس ایک ہم ہی بچ گئے تھے، کیوں ارسلہ؟''

''ہم بیکار لوگ ہیں اسی لئے بچ گئے۔''

"ایسا نہ کہو ارسلہ ہم ایک دوسرے کے لئے بنے تھے اسی لئے بچے ہوئے ہیں ابھی تک۔"

تھوڑی دیر بیٹھ کر شہاب نے اجازت چاہی اور ارسلہ کے گھر سے چلا گیا۔

شہاب سے مل لینے کے بعد وہ کافی حد تک خود کو مطمئن محسوس کر رہی تھی۔ اس سے مل لینا بے حد ضروری تھا۔ اب جبکہ پورا خاندان یہی چاہتا تھا اور شہاب کے گھر والے بھی اس کے متمنی تھے تو پھر اسے بھی ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہئے تھا۔

❀ ❀ ❀
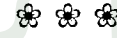
رات کو ڈنر میں کافی لوگ موجود تھے۔ ننھی خالہ کو بطور خاص شامل کیا گیا تھا۔ جب انہیں پتا چلا کہ ارسلہ بیٹی کے رشتے کی بات ہو رہی ہے تو وہ بے حد خوش ہوئیں۔

شہاب کی والدہ اور ان کی نواسیاں آئی تھیں۔ سعدیہ، قاسم اور سعدیہ کی والدہ بھی تھیں۔

باقر ماموں نے اپنے دو دوستوں کو بھی بلا لیا تھا۔ سب ہی لوگوں نے شہاب کو بے حد پسند کیا۔

ارسلہ الگ ہی رہی، کھانے کے وقت ساتھ ہو گئی تھی۔ شہاب کی امی ارسلہ سے ملیں اور اسے لپٹا کر ڈھیروں دعائیں دیں۔

"بہت پیاری ہے میری بیٹی۔" وہ بے حد خوش تھیں۔

آج یہ بات طے ہو گئی تھی کہ سلمٰی کے آنے کے بعد باقاعدہ رشتہ آئے گا اور تاریخ رکھ دی جائے گی۔

ارسلہ نے ڈاکٹر ثریا کو فون کیا تھا۔

"ارے ارسلہ میں تو تمہیں یاد ہی کر رہی تھی کیسی ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں، آپ پھر آئی ہی نہیں، نہ ہی فون کیا۔"

"واقعی، میں مصروف رہی مگر تمہیں بھولی نہیں ہوں۔"

"آپ کو ایک خبر سنانی تھی۔"

"ہاں بھئی سنا ڈالو جلدی سے۔"

"میرے تایا ابو امریکہ سے آئے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ میری بہن اور بہنوئی لندن سے آنے والے ہیں۔ ان کے ساتھ خالہ جان اور خالو جان بھی آئیں گے اور ان سب کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر میرے گھر کے بزرگ مجھے رخصت کرنے کا پروگرام بنا رہے

ہیں۔"

"ارے واہ...... یہ تو بہت ہی زبردست خبر ہے، کب ہو رہی ہے شادی؟"

"ابھی تاریخ رکھی تو نہیں گئی مگر جنوری میں ہو گی۔ ابھی دسمبر ہے اور باجی آنے والی ہیں۔"

"کس سے ہو رہی ہے شادی۔"

"بڑی دیر بعد یہ سوال پوچھا آپ نے؟ ایک لڑکا ہے۔" ثریا ہنسنے لگیں۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ نام کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

"شہاب احمد نام ہے۔ میرا کلا فیلو رہ چکا ہے مگر اس نے بی اے کی ڈگری نکلوائی تھی اور ایم اے کے لئے انگلینڈ چلا گیا تھا۔ اب کراچی میں ایک فرم کا ایم ڈی ہے۔ اس کے ساتھ اس کی ماں ہیں، باقی رشتے دار انگلینڈ میں ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے تم اسے جانتی ہو گی۔"

"جی ہاں...... میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ بہت اچھا لڑکا ہوا کرتا تھا۔ پوزیشن لینے والا لیکن اس کے بعد میں اس سے کبھی نہیں ملی۔ اب ملی ہوں جب اس نے رشتے کی بات کی۔"

"بہت خوشی ہو رہی ہے۔ میں آؤں گی تمہارے پاس۔"

فون کر کے آیئے گا کیونکہ ان دنوں کبھی میں اس گھر میں ہوتی ہوں اور کبھی ڈیفنس میں باقر ماموں کے گھر...... تایا ابو بھی وہیں رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے فون کر کے ہی آؤں گی اور رافع سے بات ہوئی تھی تمہاری؟"

"جی ہاں ہو گئی تھی۔ میں نے منع کر دیا تھا۔"

"پھر انہوں نے کیا کہا؟"

"چھوڑیں اس بات کو ڈاکٹر ثریا...... میں ہر بات بھلا چکی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور میں اپنی زندگی میں کسی جھوٹ کو شامل نہیں کر سکتی۔"

"میں تمہاری اچھی زندگی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہوں گی۔"

"جس دن بات طے کرنے سب آئیں گے میں آپ کو بھی بلا لوں گی۔"

"اچھا پھر خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

❀ ❀ ❀

باقر ماموں کا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ سلمٰی عابد ان کے بچے اور عابد کے ماں باپ بھی آ چکے تھے۔ ارسلہ کی شادی کا پورا خرچ تایا ابا نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ یہ ان کی خوشی تھی۔ تمام عمر کی لاتعلقی کا ازالہ تھا اور ارمان بھی کہ ان کی اپنی بیٹیوں کی شادیاں اس طرح نہیں ہو سکی تھیں۔ انہوں نے خود کورٹ میرج کر لی تھی۔ امریکن دامادوں سے ان کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ بہرحال اب وہ اپنی زندگی کی پہلی خوشی رہے تھے۔ بارات کا انتظام ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا تھا۔ سلمٰی، تایا ابا سے مل کر اس قدر خوش تھی جیسے پورے جہان کی دولت مل گئی ہو۔ ابو کی موت کے بعد اب وہی تو تھے اس گھر کے بزرگ اور اب تو امی بھی نہیں تھیں انہوں نے بڑی جلد دنیا چھوڑ دی تھی۔ سب کو ان ہی کا خیال آ رہا تھا۔

"آج اگر خالدہ زندہ ہوتیں تو کتنا خوش ہوتیں؟" باقر ماموں نے کہا۔

"واقعی امی کو ارسلہ کی بے حد فکر تھی۔ کتنا ارمان تھا ارسلہ کی شادی کا مگر یہ مانتی ہی نہیں تھی۔ وہ حسرت سے چلی گئیں اس دنیا سے۔" سلمٰی نے کہا۔

"آج خالدہ کی روح خوش ہوگی۔ اس کی بیٹی بیاہی جا رہی ہے۔" باقر ماموں افسردگی سے کہہ رہے تھے۔ بہت سی پرانی باتیں ذہن میں آ رہی تھیں جنہیں صرف وہ ہی سمجھ سکتے تھے۔

اگرچہ سب کچھ جلدی میں طے ہوا تھا مگر پھر بھی دونوں جانب سے بھرپور تیاری کی گئی تھی۔ آج لڑکے والے مہندی لے کر آ رہے تھے۔ کل بارات تھی۔ آج ارسلہ کی کئی سہیلیاں بھی آئی ہوئی تھیں اور ڈاکٹر ثریا بھی موجود تھیں۔ ارسلہ نے پیلا جوڑا پہن رکھا تھا۔ وہ بہت پیاری مگر سوگوار لگ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں مہندی رچا دی گئی تھی۔ شہاب کے نام کی مہندی...... آج آخری دن ہے کل سے وہ پرائی ہو جائے گی۔ شام ڈھلے لڑکے والے آ گئے۔ ارسلہ کی بری بہت عمدہ آئی تھی۔ جس نے بھی دیکھی تعریف کی' ڈھولک پر گیت گائے جا رہے تھے۔

دستور کے مطابق تمام رسمیں ہوئیں اس کے بعد رات کا کھانا ہوا...... تقریباً گیارہ بجے رات کو مہمان رخصت ہوئے۔ ارسلہ بہت تھک گئی تھی۔

سعدیہ بھی اپنے گھر جا چکی تھی۔ گھر میں صرف رشتے دار ہی تھے۔ سلمٰی نے ارسلہ سے کہا۔

"ارسلہ تم اب اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ...... کل بہت تھکو گی، بیوٹی پارلر والے کئی گھنٹے پہلے سے بلا لیتے ہیں۔"

"ہاں باجی...... اب میں لیٹنا چاہ رہی ہوں، میرا دل بہت خراب ہو رہا ہے۔"

"پگلی، دل کیوں خراب ہو رہا ہے؟"

"امی یاد آ رہی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ رو دی۔

"اب کچھ مت سوچو، جس کو جانا ہوتا ہے وہ چلا جاتا ہے۔ زندگی کے سب کام جاری رہتے ہیں۔ امی ہوتیں تو بہت خوش ہوتیں، لیکن وہ اب بھی خوش ہوں گی کیونکہ انسان کا جسم مر جاتا ہے روح ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ امی کی روح آج کے دن یقیناً خوش اور مطمئن ہوگی۔"

"بس باجی میرا ذہن کنفیوز سا ہو رہا ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا اب آرام کرو۔" سلمٰی نے ارسلہ کو اس کے کمرے میں پہنچایا۔

"اب تم کپڑے چینج کرو اور سو جاؤ۔ دروازہ بند کر لو میں بھی جا رہی ہوں۔ بچے عابد کو تنگ کر رہے ہیں۔" ارسلہ نے دروازہ بند کر لیا۔ آئینے میں خود کو دیکھا۔ وہ کتنی مختلف لگ رہی تھی۔ پیلا جوڑا...... مہندی لگے ہاتھ اور سرخ چوڑیاں...... اس نے آہستہ آہستہ چوڑیاں اتاریں۔ پیلا دوپٹہ اتار کر کرسی پر ڈالا۔ اس کے کپڑے کاٹن کے تھے اور یہ کپڑے اسے چینج نہیں کرنے تھے۔ اس لیے بتی بجھا کر سونے لیٹ گئی۔ نائٹ بلب جل رہا تھا، ہلکے نیلے رنگ کی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ کا عمل تھا، سردیوں کے دن تھے اسی لئے رات جلدی ہو جاتی تھی۔ اس نے کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ آج جنوری کی چھ تاریخ تھی اور کل سات جنوری کو اس کا نکاح تھا۔ انسان لاکھ پیچھا چھڑائے، نہ سوچنا چاہے مگر ماضی کو دہراتا ضرور ہے۔ ارسلہ کا بھی کچھ یہی حال تھا۔ اس کا ماضی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح اس کے سامنے تھا۔ تب ہی اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔"

"ارسلہ میں رافع بول رہا ہوں، پلیز فون بند مت کرنا۔ میری بات سن لینا۔" ارسلہ کچھ

نہ بولی۔

"ارسلہ تم سن رہی ہو نا؟"

"جی کہیے۔"

"ارسلہ میں کل جا رہا ہوں، آسٹریلیا...... پاکستان سے چلے جانا ہی میرے لئے بہتر تھا۔ کل رات کی فلائٹ ہے میں نے سوچا آج تم سے بات کرلوں، خدا حافظ کرلوں، دن میں فون اس لئے نہیں کیا کہ ہوسکتا ہے تمہارے پاس وقت نہ ہو تم بات نہ کرسکو۔"

"ارسلہ تم خاموش کیوں ہو، پلیز بات کرو کچھ...... کاش میں تم سے مل سکتا۔ ایک بار ہی سہی...... اگر تم کل آسکوائر پورٹ...... حالانکہ ایسا ممکن تو نہیں پھر بھی......"

"رافع صاحب آپ کے فون کرنے کا شکریہ۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا میں آپ سے کیا بات کروں؟"

"کوئی بھی بات کرو۔ یقین کرو ارسلہ اس کے بعد میں تم...... کو فون نہیں کروں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

"آپ کو پتا ہے کل میری شادی ہے۔"

"تمہاری شادی کل ہے اور اس وقت تم کیا کررہی تھیں؟" ان کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"اس وقت میں نے پیلا جوڑا پہن رکھا ہے اور میرے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہے۔ سارے مہمان رخصت ہوچکے ہیں، میں اپنے کمرے میں ہوں اور آپ سے بات کر رہی ہوں۔"

"کاش میں تم کو دیکھ سکتا۔ مہندی لگے ہاتھوں کو تھام سکتا۔ مگر نہیں...... مجھے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ مقدس ہاتھ ہیں، کسی کی امانت...... وہ بہت نصیب والا شخص ہوگا جس کی تم شریک سفر بننے جا رہی ہو، میرے نصیب میں محرومیاں لکھی تھیں۔ وہی سمیٹ کر جا رہا ہوں۔ اس ملک سے جہاں تم رہتی ہو۔ ارسلہ مجھے معاف کردینا۔" رافع کی آواز میں سارے جہاں کا درد تھا۔ لہجہ ٹوٹا ہوا تھا اور ارسلہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"بولو ارسلہ، تم نے مجھے معاف کردیا نا؟"

"آپ کس بات کی معافی مانگ رہے ہیں؟"

"ارے تم رو رہی ہو، میں تمہاری آواز سے سمجھ سکتا ہوں۔ ارسلہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اگر دل چاہے تو یقین کرلینا میری بات پر...... مجھے وہ تمام لمحات ہمیشہ یاد رہیں گے جو میں نے پچھلے دنوں تم سے باتیں کر کے گزارے۔ جب روزانہ ٹیلی فون پر بات ہوتی تھی، جب تم اپنا گیت سناتی تھیں، جب تمہاری خوب صورت آواز میرے کانوں میں رس گھولتی تھی۔ ارسلہ میں تمہارا گیت روز سنتا ہوں۔ بار بار سنتا ہوں میرے پاس سی ڈی ہے، ہاں تمہیں اس گیت پر ایوارڈ بھی مل رہا ہے بہت بہت مبارک ہو۔"

"شکریہ رافع! آپ میرے لیے دعا کیجیے گا۔"

"ضرور...... خدا کرے تم ہمیشہ خوش رہو، شاد آباد رہو۔ کل میں جا رہا ہوں گا تو تم کسی کی ہو رہی ہو گی۔ اب زندگی میں شاید ہی کبھی تم سے ملاقات ہو۔ اچھا اب اجازت دو، آرام کرو، خدا حافظ۔"

"رافع آپ پرانی باتوں کو بھول جائیے گا اور میرا نام کبھی اپنی زبان پر نہ لائیے گا۔"

"ایسا ہی ہوگا ارسلہ، مجھے تمہاری عزت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے...... تم اطمینان رکھو۔ میری زبان پر تمہارا نام نہیں آئے گا مگر دل ہمیشہ اس نام کے ساتھ دھڑکے گا۔ ہر وہ لمحہ جو تمہارے حوالے سے گزرا اس کی یاد میرا سرمایہ ہے اور اسی سرمائے کے سہارے میں باقی زندگی گزار دوں گا۔"

"خدا حافظ رافع۔"

"خدا حافظ۔" اور پھر فون بند ہوگیا۔ وہ موبائل کو دیکھتی رہی۔ ابھی رافع کی آواز اس کے پاس تھی۔ اب یہ آواز چلی گئی۔ وہ بھی جا رہا ہے۔ اس ملک سے اس کی زندگی سے نکل کر...... اب وہ کبھی نہیں ملے گا۔ اب وہ اس شخص کو کبھی نہیں دیکھ سکے گی جس کے لئے اس نے ہمیشہ سوچا۔ ہمیشہ یاد کیا اور پھر خود ہی اس سے ناتا توڑ لیا۔ یہ وہ فیصلہ تھا جو اس کے تمام گھر والوں دوستوں بہی خواہوں نے اس کے لئے کیا تھا اور پھر شہاب کی محبت بھی اس کے سامنے تھی اس کی قربانی...... اس کا انتظار...... اس نے شادی نہیں کی تھی، صرف اس کے لئے اسے ڈھونڈ لیا، پالیا۔

"سب خوش ہیں۔ سب کی خوشی پوری ہو رہی ہے۔ شاید میں بھی خوش ہوں...... مجھے خوش ہونا ہی چاہیے۔ سب کہتے ہیں ایسے رشتے نصیب والوں کو ملتے ہیں۔ میں بھی نصیب

والی ہوں۔ پھر آنکھیں اشک کیوں برساتی ہیں۔ یہ رم جھم کیوں ہو رہی ہے۔ دل چپکے چپکے کیوں سہا جا رہا ہے۔ کوئی نوکیلی شے ہے جو دل کو چھید رہی ہے۔ کوئی چبھن ہے...... کوئی یاد...... کوئی آواز...... یہ کیسا شور ہے جو میرے اندر اٹھ رہا ہے۔ الٰہی یہ کیسی آواز ہے جو مجھے کھینچ رہی ہے بلا رہی ہے۔ میں اب کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی پھر اس نے مجھے آواز کیوں دی، کیوں یاد دلایا وہ سب کچھ جو میں نے مٹا ڈالا تھا اب جبکہ وہ جا ہی رہا تھا تو مجھے جدائی کی نوید سنانے کیوں فون کر بیٹھا۔ یہ اس نے اچھا نہیں کیا۔" اس کا جی چاہا وہ ننگے پاؤں نکل بھاگے۔ دوڑ کر پکڑ لے اس کو اتنی مضبوطی سے اسے پکڑے کہ وہ خود کو چھڑا نہ سکے۔ اس کے پاؤں کی زنجیر بن جائے۔ یہ دنیا والے، یہ رسم و رواج، اچھائی بھائی کے خود ساختہ اصول اور بے نام سی مسرتیں...... ان سب کو مٹا ڈالے اور کوئی معجزہ ہو جائے کوئی انہونی ہو جائے۔ زندگی میں صرف وہ ہو اور اس کا محبوب، وہ تمام زندگی لکھتی رہے، گاتی رہے، صرف اس کے لئے، محبت کے گیت، ملن کے گیت، سچی لگن کے گیت، پوری دنیا کو ٹھوکر مارے اور اسی کی ہو جائے مگر یہ سب خوابوں کی باتیں تھیں، خیالوں کی باتیں...... وہ تمام رات سو نہ سکی۔ روتے روتے صبح ہو گئی۔ آج وہ پرائی ہو جائے گی۔ آج کے بعد وہ کبھی رافع کو یاد نہیں کرے گی۔ اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ باجی اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔

"ارے، تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں کیا روتی رہی ہو ساری رات؟"

"مجھے نیند نہیں آ رہی تھی باجی۔"

"مگر بات کیا ہوئی؟"

"کوئی بات نہیں ہوئی۔" وہ پھر رو دی۔

"سچ بتاؤ ارسلہ، ورنہ میں پریشان ہو جاؤں گی۔"

"باجی رات کو رافع کا فون آیا تھا۔"

"رافع کا فون؟ اسے کس نے بتایا کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔"

"اسے کسی نے نہیں بتایا...... وہ تو اپنے جانے کی اطلاع دے رہا تھا مجھ سے آخری بار بات کر رہا تھا۔ باجی وہ آج رات چلا جائے گا پاکستان سے، آسٹریلیا جا رہا ہے، باجی اب میں اسے کبھی نہیں دیکھ سکوں گی، کبھی بھی نہیں۔" سلمٰی نے ارسلہ کو گلے لگا لیا۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو ارسلہ۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں اگر وہ جا رہا ہے تو اسے

جانے دو۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے اس کی اپنی زندگی ہے، جیسے چاہے گزارے، تم اپنی زندگی گزارو۔ تمہیں اس سے کیا لینا۔"

"ہاں باجی یہی تو رونا ہے کہ مجھے اس سے کیا لینا۔ میں نے خود ہی اسے کھو دیا۔"

"ارسلہ اسے بھول جاؤ۔ وہ کبھی بھی تمہارا نہیں تھا اگر وہ تمہارے لئے مخلص ہوتا تو تم سے شادی کرتا۔ اپنی شادیاں نہ کرتا بار بار...... سنو ارسلہ میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ تم افسردہ نہ ہو عابد جانتے ہیں کہ رافع نے امریکہ میں بھی شادی کی تھی۔ بیوی بہت اچھی تھی مگر اس کی بن نہ سکی۔ علیحدگی ہو گئی پھر کراچی آ کر وزیر کی بیٹی سے شادی کی۔ ہم سب تو پریشان تھے جب تم نے رافع کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔"

"آپ لوگوں کی خاطر تو میں نے فیصلہ تبدیل کیا۔"

"اور تمہیں اس بات کا تعجب نہیں ہوا کہ وہ امریکہ میں بھی شادی کر چکا تھا۔"

"یہ بات مجھے معلوم ہے باجی۔"

"ارے تم جانتی ہو؟"

"ہاں باجی...... میں جانتی ہوں۔"

"پھر بھی اس کے لئے رو رہی ہو؟"

"بات تو اپنے دل کی ہوتی ہے باجی۔ یہ دل کسی کے لئے کبھی راضی ہوا ہی نہیں۔ کسی کا نام سن کر دھڑکا ہی نہیں، میں نے کہیں پڑھا تھا۔ ہر انسان کے جسم سے لہریں نکلتی ہیں اور جب دو انسانوں کے جسم سے نکلنے والی لہروں کی فریکوئنسی مل جاتی ہے تو ان کے درمیان محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک خاص قسم کی کشش پیدا ہوتی ہے جو کسی اور کے ساتھ پیدا نہیں ہو پاتی۔ باجی شہاب کے لئے میرے دل میں کوئی ہلچل نہیں۔ میری اور اس کی فریکوئنسی نہیں ملتی اور رافع کے ساتھ بھی یہی ہوا ہوگا۔ اس کی فریکوئنسی نہ پہلی بیوی سے ملی نہ دوسری سے صرف مجھ سے ملتی تھی۔ صرف مجھ سے...... یہ ایک سچ ہے۔ مجھے کہہ لینے دیجیے کیونکہ آج کے بعد میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا فلسفہ درست ہوگا۔ مگر میری بہن میری ایک بات غور سے سنو۔ دنیا کا کوئی شوہر خواہ وہ اپنی بیوی کو کتنا ہی چاہتا ہو یہ بات برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی کی زندگی میں کوئی اور بھی ہے۔ تم کبھی شہاب کے سامنے رافع کا نام مت لینا۔ کوئی ذکر نہ کرنا۔

کوئی خوبی بھی بیان مت کرنا...... میری بات گرہ سے باندھ لو۔"

"میں جانتی ہوں۔ اس کا نام اب میری زبان پر کبھی نہیں آئے گا مگر میری نظموں میں میرے گیتوں میں انہی کی شبیہ ہوگی، انہی کا سایہ ہوگا۔ میرے گیت اب زیادہ مقبول ہونگے کیونکہ جدائی کا کرب اس میں شامل ہوگا۔"

"ارسلہ تم غلطی پر ہو۔ ایک وقت ایسا ضرور آئے جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ اب تم بچی نہیں ہو نہ ٹین ایجر ہو۔ اپنا اندازِ فکر تبدیل کرلو۔"

"باجی میں نے یہ باتیں صرف آپ سے کی ہیں۔ کبھی سعدیہ سے بھی کچھ نہیں کہا اور آپ عابد بھائی کے سامنے کچھ نہ کہیے گا۔"

"ظاہر ہے، میں تمہاری بے عزتی کس طرح کرسکتی ہوں...... اب جاؤ ہاتھ منہ دھولو بلکہ نہا کر فریش ہو جاؤ...... ناشتہ تیار ہو رہا ہے۔"

❀ ❀ ❀

ارسلہ کی بارات بہت شان سے آئی۔ ارسلہ دلہن بن کر بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس سے قبل اس نے کبھی میک اپ نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ زیورات پہننے کی عادی تھی۔ مگر آج تمام زندگی کی کسر پوری ہوگئی تھی۔ شہاب دولہا بن کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سفید پھولوں کا موٹا ہار گلے میں ڈالا گیا تھا۔

دونوں جانب سے بہت اچھے معزز مہمان تھے۔ ناظمہ میموریل اسکول کا پورا اسٹاف بھی مدعو تھا۔ تایا ابو نے شادی کا انتظام فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا تھا۔

مہمانوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ مگر سب نے وقت کی پابندی کی اور تمام کام وقت پر ہو گیا۔ کھانا کھانے کے بعد رخصتی کا وقت آیا۔

تایا ابو، باقر ماموں، خالہ جان اور خاندان کے سب ہی بزرگ موجود تھے۔ عابد بھائی اور سلمیٰ بھی تھیں۔ عابد کی چھوٹی بہن عرشیہ بھی فیملی کے ساتھ موجود تھی۔ بزرگوں کی دعاؤں اور قرآن حکیم کے سائے میں ارسلہ کو رخصت کیا گیا۔

وقت رخصت ارسلہ اپنے آنسو نہ روک سکی۔ سب ہی کی آنکھیں اشک بار تھیں، یہ قدرتی عمل تھا۔ ایسے وقت آنسو آ ہی جاتے ہیں۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔

شہاب کے چچا چچی بھی آئے تھے اور چچا زاد بھائی جو کہ مرحوم بہن کے شوہر تھے وہ بھی

موجود تھے اور ان کی بیوی آسیہ بھی تھی جو کہ مزاجاً بہت ہی اچھی لڑکی تھی۔ آسیہ نے شہاب کی بہن بن کر ادھر کا سب کام سنبھال لیا تھا۔ شہاب کے گھر جا کر حسب پروگرام رسمیں شروع ہو گئیں۔ لڑکی کے گھر والے ساتھ گئے تھے۔ بالآخر رات کے بارہ بجے سب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے اور آسیہ نے ارسلہ کو حجلہ عروسی میں پہنچا دیا۔

ارسلہ اس وقت کمرے میں تنہا تھی اس نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی، کمرے کو بے حد خوب صورتی سے سجایا گیا تھا پھولوں کی بہتات تھی، گلاب کی کلیوں سے پوری دیواریں سجا دی گئی تھیں۔ کمرے کی فضاء پرفیوم سے معطر کر دی گئی تھی اور تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور شہاب اندر داخل ہوا اس نے دروازہ بند کر دیا۔

ارسلہ کا دل دھڑک اٹھا۔ ہاتھ پاؤں میں سنسنی سی ہونے لگی۔

"یا اللہ یہ مجھے کیا ہو رہا تھا۔ اس سے قبل تو شہاب کے لئے میں نے کبھی کوئی جذبہ محسوس ہی نہ کیا۔ مگر آج......" جیسے سب کچھ بدل گیا تھا۔ نکاح کے بول وہ جادو رکھتے ہیں جو دو اجنبیوں کو بھی ایک دوسرے کا گرویدہ کر دیتے ہیں اور یہاں تو اجنبیت تھی بھی نہیں...... وہ شہاب کی محبت تھی؟ اس کی آرزو...... اور وہ خود...... اس شادی میں اس کی رضامندی شامل تھی۔

شہاب نے اس کا حنائی ہاتھ تھام لیا اور روبی جڑی انگوٹھی اسی کی نازک سی انگلی میں پہنا دی۔ "ارسلہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو...... بے حد پیاری...... بلکہ تم تو ہو ہی اچھی...... کتنا لمبا انتظار کروایا تم نے...... پہلے ہی بات مان لی ہوتی تو......"

"جو وقت گزر گیا' سو گزر گیا...... اب اس کا ذکر کیا؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"واقعی...... ہمیں ان لمحات کو امر بنا لینا چاہئے...... ارسلہ ہم کبھی کوئی پرانی بات نہیں دہرائیں گے، ہم ہمیشہ خوش رہیں گے۔ ایک دوسرے کے لئے...... دوست بن کر...... تم خوش ہو نا ارسلہ؟"

"جی ہاں، میں خوش ہوں اور مطمئن بھی۔"

"پھر فیصلہ کرنے میں اتنی دیر کیوں کر رہی تھیں؟"

"میں چاہتی تھی اس فیصلے میں بڑوں کی مرضی شامل ہو۔"

"یہ تو ٹھیک بات کی تم نے۔"

"اس کے علاوہ بھی ایک بات تھی۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اچانک اتنے عرصے بعد شادی کرنا کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔"

"یہ بات تمہاری بالکل ٹھیک نہیں ہے...... ابھی کہاں دیر ہوئی، ابھی تو بچھڑے تھے ہم اور ابھی مل گئے۔ اچھا تم چینج کر لو۔ میں وضو کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے ابھی تک عشاء کی نماز نہیں پڑھی اور پھر شکرانے کی نفلیں بھی تو پڑھنی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ واش روم چلا گیا اور ارسلہ آہستہ آہستہ زیورات اتارنے لگی۔

❀ ❀ ❀
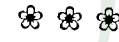
ارسلہ کے سسرال اور میکے کے سارے لوگ ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے تھے۔ آج ارسلہ کے ایوارڈ کا پروگرام آنا تھا۔ یہ لائیو پروگرام تھا۔ ارسلہ شہاب کے ساتھ گئی تھی۔

اگر ملنا نہیں ہمدم کے حوالے سے ایوارڈ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہترین ڈرامہ نویس، ایکٹر، ایکٹریس، ڈائریکٹر سب ہی کو ایوارڈ دیئے گئے اور اب ارسلہ کی باری تھی۔ اسے اسپیشل ایوارڈ دیا جا رہا تھا۔

ڈرامے کی کامیابی کا سہرا اس ٹائٹل سانگ پر تھا جو ارسلہ کی آواز میں ریکارڈ کیا گیا تھا اور لکھا تو تھا ہی اس نے، اس سے پہلے بھی اس کے ٹائٹل سانگ چلتے رہے تھے اور پسند کئے جا رہے تھے۔ وہ ایک شاعرہ کی حیثیت سے بھی پاپولر تھی۔ اس کے بے شمار انٹرویوز لئے جا چکے تھے اور پھر ارسلہ باقی عثمانی کا نام پکارا گیا۔ آج اس نے نیلے ستاروں والی جارجٹ کی ساڑی پہنی تھی اور کانوں میں آویزے بھی تھے۔

اس کی شادی کو صرف ایک ہفتہ ہی ہوا تھا اس کے ہاتھوں کی مہندی بھی ابھی ٹھیک سے نہیں چھوٹی تھی۔

ہلکے میک اپ اور ہلکی جیولری کے ساتھ وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ اسٹیج پر گئی تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ کمپیئر نے اس سے چند باتیں کیں۔

"آپ کو کیسا محسوس ہو رہا ہے آج؟"

"میں بہت خوش ہوں...... مجھے یہاں آنا اچھا لگ رہا ہے لیکن میں ایک بات کی

وضاحت کر دوں کہ اب میں ارسلہ شہاب کے نام سے لکھا کروں گی۔ میری شادی ہو گئی ہے۔" ایک بار پھر تالیاں گونج اٹھیں۔

"کب ہوئی آپ کی شادی؟"

"ایک ہفتہ قبل۔"

"آپ کے شوہر ساتھ آئے ہیں؟"

"جی ہاں...... وہ موجود ہیں۔"

پھر شہاب احمد کو اسٹیج پر بلایا گیا۔ وہ باوقار چال چلتا ہوا اسٹیج پر ارسلہ کے برابر کھڑا ہو گیا۔

"آپ دونوں کو شادی بہت بہت مبارک ہو۔"

"شکریہ۔" شہاب نے کہا۔

"آپ لوگ اپنی جگہ پر تشریف رکھیں...... بہت شکریہ آپ کی آمد کا۔" وہ دونوں واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ارسلہ باقی عثمانی اب ارسلہ شہاب کے نام سے لکھتی ہے اور اس کے گیت ڈراموں کی کامیابی کی ضمانت سمجھے جاتے ہیں۔

(تمت بالخیر)